بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

چو تو ئی کجاست شاہے بقلمرو معانی
بتو ہیچ کس نماند تو بہیچ کس نمانی

غالباً ”اردوئے معلیٰ“ اور ”عود ہندی“ دو ہی کتابیں ایسی ہیں جو مرزا غالب کے کمال اردو نثر نگاری کی شاہد عادل کہی جا سکتی ہیں کتابیں۔ مولانا حالی نے ”یادگار غالب“ میں ”لطائف غیبی“ ”تیغ تیز“ اور کسی ناتمام اردو قصہ کو بھی ان کی تصانیف نثر اردو میں شمار کیا ہے مگر ان دونوں کتابوں کا بالفعل کہیں پتہ نہیں چلتا اور غالباً یہ کتابیں مرزا نے اپنے دوستوں کے نام سے چھپوائی تھیں اور ”قصہ اردو“ کے متعلق تو اس میں بھی شک پایا جاتا ہے کہ وہ معرض وجود میں آیا بھی تھا یا نہیں۔ اس قصہ کی طرف مرزا کے بعض خطوط میں جو منشی شیو نرائن کے نام ہیں اکثر اشارے ملتے ہیں مگر ان سے کہیں نہیں پایا جاتا کہ مرزا نے اس کو فی الحقیقت پورا اور مکمل کر دیا تھا بلکہ ان سے صرف مرزا کی آمادگی مگر اسی کے ساتھ کچھ تذبذب بھی ظاہر ہوتا ہے مرزا کے ایک دوست مسٹر اسٹوارٹ ریڈ نے ایک قصہ نثر اردو میں لکھنے کی ان سے فرمائش کی تھی جس کی نسبت اپنی پریشانی کا اظہار مختلف خطوط میں کرتے ہیں۔

فرمائش ہے اردو کی نثر وہ انجام پائے تو اس کے ساتھ ان کو خط لکھوں مگر بھائی تم غور کرو اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا اور اس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھروں گا۔ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں کون سی بات کونسی کہانی کون سا مضمون تحریر کروں اور کیا تدبیر کروں تمھاری رائے میں کچھ آئے تو مجھ کو بتاؤ۔

(بنام منشی شیونرائن مورخہ ۱ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

"ریڈ صاحب کے باب میں..... میں نے یہ لکھا تھا کہ جب کچھ اردو کی نثر ان کے واسطے لکھونگا تو دستنبو کی خریداری کی خواہش کروں گا۔ مہذا تم سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اردو کروں۔ تم نے اس بات کا بھی جواب نہ لکھا۔"

(ایضاً ۱۵ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

جناب ریڈ صاحب صاحبی کرتے ہیں، میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں، اس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے، بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہ نسبت اوروں کے فصیح ہوگا۔ خیر بہرحال کچھ کروں گا اور اردو میں اپنا زور قلم دکھاؤں گا۔

(ایضاً ۱۸ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

میاں اردو کیا لکھوں، میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہو آخیر ہوئی ایسی کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈھتا پھروں۔

(ایضاً ۴ر جنوری ۱۸۵۹ء)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے وہ قصہ لکھا ہی نہیں، شروع بھی کیا ہو تو وہ ناتمام ہی رہا، بہرحال اردوئے معلی اور عود ہندی

اب موجود ہیں اور انھیں دو کتابوں پر مرزا[۵] کے قصر شہرت کی بنیاد قائم کی جا سکتی ہے یہ عجیب بات ہے کہ مرزا نے فارسی نظم و نثر میں اردو سے سہ چند و چہار چند زیادہ لکھا مگر اس میں ان کو وہ شہرت اور مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جس کے وہ متمنی اور مستحق بھی تھے، برخلاف اس کے اردو نظم و نثر کو وہ ہمیشہ اپنے دون مرتبہ سمجھتے رہے اور اسکی اشاعت سے بھی وہ زیادہ خواستگار نہ تھے (جیسا کہ آگے مفصل لکھا جائیگا) مگر اس کو قسمت کی ستم ظریفی سمجھنا چاہیئے کہ ایک مختصر دیوان اور چند خطوط کی بدولت ان کو وہ شہرت عظیم حاصل ہوئی جو اردو تو اردو کسی فارسی شاعر کو بھی باستثنا چند بمشکل نصیب ہوئی ہوگی

مرزا کی نظم پر تو کافی روشنی ڈالی جا چکی۔ ان کے دیوان کے متعدد اڈیشن بڑی محنت و جانفشانی سے اور نہایت تکلف کے ساتھ نکل چکے ہیں اسکی مختلف شرحیں بھی شائع ہو گئی ہیں جن کو پڑھکر صاحبان شرح کی طباعی اور معنی آفرینی کی داد بہ نسبت انشراح مطالب کے زیادہ دینے کو جی چاہتا ہے مگر تعجب بالائے تعجب ہے کہ مرزا کی نثر پر لوگوں نے توجہ کم کی اور وہ اب تک ایک نگاہ متجسس اور عمیق مطالعہ کی تشنہ ہے۔

شروع میں مرزا اپنے خطوط کو یکجا کرنے اور شائع کرنے کے سخت خلاف تھے چنانچہ منشی شیو نرائن کو جو ان کے خطوط چھپوانا چاہتے تھے لکھتے ہیں:-

"اردو کے خطوط جو آپ چھپایا چاہتے ہیں یہ بھی زائد بات ہے کوئی رقعہ ایسا ہوگا جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا ورنہ صرف تحریر سرسری ہے اس کی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھپانا میرے خلاف طبع ہے" (۱۸ر نومبر ۱۸۵۸ء)

مگر یہی چیز جو مرزا کے خلاف طبع تھی کچھ عرصہ کے بعد ان کے پسند خاطر ہوگئی اور اب وہ اپنے خطوط دوستوں اور عزیزوں سے چھپوانے کی غرض سے منگواتے ہیں اور اس کو اپنی خوشی کا موجب قرار دیتے ہیں۔

"اقبال نشانا۔۔۔ ۔۔ مقصود ان سطور کی تحریر سے یہ ہے کہ مطبع اکمل المطابع میں ۔۔ ۔۔ چند احباب میرے مسودات اردو کے جمع کرنے پر اور اس کے چھپوانے کے لئے آمادہ ہوئے ہیں۔ مجھ سے مسودات مانگے ہیں اور اطراف و جوانب سے بھی فراہم کئے ہیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا جو لکھا وہ جہاں بھیجا ہوا وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خط میرے تمہارے پاس بہت ہوں گے۔ اگر ان کا ایک پارسل بنا کر بسبیل ڈاک بھیج دو گے یا آجکل میں کوئی ادھر آنے والا ہو اس کو دیدو گے تو موجب میری خوشی کا ہوگا اور میں ایسا جانتا ہوں کہ اس کے چھاپے جانے سے تم بھی خوش ہو گے۔

(بنام نواب علاؤ الدین احمد خاں)

غرضکہ اردوئے معلیٰ اور عود ہندی کی انطباع کا اب وقت آگیا۔ عود ہندی سب سے پہلے مطبع مجتبائی میرٹھ میں غالبؔ ۱۲۷۵ھ میں یعنی مرزا صاحب کی زندگی میں اور ان کی وفات سے سات برس پیشتر چھپی۔ اس کے اصلی محرک اور جامع ایک شخص منشی ممتاز علی خاں تھے جو مرزا کے دوست تھے اور جن کا ذکر مرزا نے اپنے بعض خطوط میں بھی کیا ہے۔ انھوں نے چودھری عبد الغفور سرور اور خواجہ غلام غوث بیخبر کو بھی اس کام میں شریک کیا اور انھیں تینوں صاحبوں کی کوشش سے وہ سب خطوط جمع ہوئے۔ جو "عود ہندی" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ اس کا دیباچہ چودھری عبد الغفور سرور

ف اس کی طبع ثانی مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۲۸۵ھ اور طبع ثالث بھی اسی مطبع سے ۱۳۰۰ھ مطابق [illegible] میں ہوئی

نے لکھا جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں۔

"وہ مکتوب کہ بنام میرے آئے تھے ترتیب دیئے گویا جواہر بے بہا کانِ قلمدان سے نکال کر کشتیِ اوراق میں جمع کیے چونکہ محبت جناب غالب میرے حال پر بہت غالب ہے لہٰذا نام اس انشا کا "مہرِ غالب" یکسر مناسب ہے۔ سال ختم تالیف بھی اسی نام سے مطابق پایا طبیعت اور بڑھی تحریر تاریخ کو دست و قلم بڑھایا ؎

انشا مملو لہ مد مطالب لکھی — یعنی پئے دوستان طالب لکھی
موسوم کیا جو مہر غالب سے سرور — تاریخ بھی اس کی "مہر غالب" لکھی

مرزا نے اس دیباچہ کو بہت پسند کیا چنانچہ چودھری صاحب موصوف کو اس طرح داد دیتے ہیں۔

"اہا ہا جناب منشی ممتاز علی خاں صاحب مارہرہ پہونچے۔ صاحب یہ تو سیاح گیتی نورد ثانی مخدوم جہانیاں جہاں گرد ہیں۔ بہر حال آپ نے دیباچہ بہت اچھا لکھا ہے کتاب کو اس سے رونق ہو جائے گی۔

خواجہ غلام غوث بیخبر عود ہندی کا دیباچہ خود مرزا صاحب سے لکھوانا چاہتے تھے اور اس پر اصرار کرتے تھے مگر مرزا اس خدمت سے معذرت چاہتے ہیں اور اپنے ظریفانہ انداز میں ان کو لکھتے ہیں۔

"بندہ پرور اگر ایک بندۂ قدیم کہ عمر بھر فرماں پذیر رہا ہو بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لائے تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچہ پر موقوف ہے تو اس کے چھپنے کا چھاپا پا بالفتح یعنی نہیں چاہتا بلکہ پا بالضم چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

رسم ست کہ مالکانِ تحریر
آزاد کنند شدہ پیسر

آپ بھی اسی گروہ یعنی مالکانِ تحریر میں سے ہیں پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے!!

پھر انھیں کو لکھتے ہیں۔

"اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علی خاں جس سے میری ملاقات ہے وہ میرے دوست ہیں یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ میں صاحبِ فراش ہوں اٹھنا بیٹھنا ناممکن ہے خطوط لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں!!"

یا تو ایک وقت تھا جب مرزا اپنے خطوط کے چھپوانے کے سخت مخالف تھے یا اب وہی تجویز ان کو اس قدر پسندیدہ معلوم ہوتی ہے کہ اپنے مسودات محفوظ رکھتے ہیں اور بغرض اشاعت ان کو روانہ کرتے ہیں خواجہ غلام غوث بیخبر کو اس طرح رقمطراز ہیں۔

"پیر و مرشد، کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں، مولوی عبدالغفور خاں ان کا نام، نساخ ان کا تخلص ہے میری ان کی ملاقات نہیں انھوں نے اپنا دیوان چھاپے کا موسوم بہ "دفتر بیمثال" مجھ کو بھیجا اس کی رسید میں یہ خط میں نے ان کو لکھا چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کے لائق ہے آپ کے پاس ارسال کرتا ہوں اور وہاں حضرت وہ مجموعہ چھپے گا بالفتح یا چھپے گا بالضم چھپ چکا ہو تو حق تصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علی خاں کی ہمت اقتضا کرے فقیر کو بھیجیے۔

مرزا کے خطوط خود ان کی زندگی میں بہت مقبول ہو گئے تھے اور لوگ انکے

پڑھنے کے بہت خواہشمند تھے۔ چنانچہ ہنجر کو لکھتے ہیں۔

"اجی حضرت بہ منشی ممتاز علی خاں کیا کر رہے ہیں رقعے جمع کیے اور نہ چھپوائے
فی الحال پنجاب احاطہ میں بڑی خواہش ہے، جانتا ہوں وہ آپ کو کہاں ملیں گے
جو آپ ان سے کہیں مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپ کو
پہونچے ہیں وہ سب یا ان سب کی نقل بطریق پارسل آپ مجھ کو بھیج دیں جی یوں
چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو۔ تم سلامت رہو قیامت تک"

اردوے معلّٰی سب سے پہلے اکمل المطابع دہلی میں چھپی اور یہ بھی مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہو گئی تھی جیسا کہ نواب علاؤ الدین احمد خاں کے اس خط سے جو صفحہ ۱۰ پر درج ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اس مطبع کے مہتمم میر فخر الدین اور منشی مطبع لالہ بہاری لال مشتاق تھے جن کی کوشش بلیغ سے وہ سب خطوط جمع ہوئے جو اردوے معلّٰی کے نام سے چھپے ہیں۔ اسی مطبع کے متعلق مرزا منشی بہاری لال مشتاق مذکور کو لکھتے ہیں:۔

"حکیم غلام رضا خاں کے دوام صحبت کو اپنے طالع کی یاوری سمجھو۔۔۔
میاں سچ تو یہ ہے کہ اکمل المطابع اجمل المطابع بھی ہے حکیم غلام نبی خاں
منجملہ خوبان روزگار ہیں، ان کو نوا دران کو کردار ہیں، میر فخر الدین آزاد منش اور
سعادت مند نوجوان ہیں کم گفتار اور مرنج و مرنجان ہیں تم چاروں شخص پیکر
صدق و صفا و مہر و ولا کے چار عنصر ہر جہان آفرین تم چاروں صاحبوں کو
خوشنود و دلشاد اور اکمل المطابع کو بارونق و آباد رکھے"

اردوے معلّٰی کے شروع میں میر مہدی مجروح کا لکھا ہوا دیباچہ ہے جس کے آخر میں یہ عبارت ہے۔

"منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر کی طبع والا نے یہ اقتضا کیا کہ یہ گہر ہائے شب

افروز ممالک تحریر میں منسلک ہو کر زینت بخش عروس سخن ہوں اور یہ گلہائے پراگندہ جمع ہو کر ایک جا گلدستہ ہوں تا اس کے روائح روح پرور سے دماغ نکتہ سرایانِ عشرت چمن ہوں۔ اس واسطے میر فخر الدین صاحب مہتمم اکمل المطابع دہلی نے سعی بے پایاں اور لالہ بہاری لال صاحب منشی مطبع مذکور نے کوشش فراواں سے اکثر خطوط جمع کیے اور قصد انطباع کیا اور اردوئے معلّٰی نام رکھا گیا اور ان خطوط کو دو حصوں پر منقسم کیا پہلے حصے میں صاف صاف عبارت کے خط تحریر کیے تا کہ طلبائے مدرسہ فائدہ اٹھائیں دوسرے حصے میں مطالب مشکلہ کی تحریریں اور تقریظ وغیرہ لکھی تا کہ سخنورانِ معنی یاب اسکے دیکھنے سے مزہ پائیں"

جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ مرزا کے خطوط ہی ان کی نثر اردو کے بڑے کارنامے ہیں تو اب یہ دیکھنا ہے کہ ان کی خطوط نویسی کس انداز کی ہے جس نے ان کو نثر نگاروں کی صفِ اولین میں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان سب سے آگے پہونچا دیا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کی یہ سادہ اور بے تکلف نثر ہی وہ چیز ہے جس میں وہ بالکل یگانہ اور منفرد ہیں اور اسی میں ان کا کوئی مقابل نہ کبھی تھا نہ بالفعل ہے اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے نظم میں تو ان کے بعض لوگ مقلد ہیں یا مقلدی کے مدعی ہیں مگر ان کی صاف اور سادہ نثر کو ہر شخص نے ایک بھاری پتھر سمجھ کر چوم کر چھوڑ دیا ہے مولانا حالی لکھتے ہیں۔

"وہ چیز جس نے ان کے مکاتبات کو ناول اور ڈرامے سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخیِ تحریر ہے جو اکتساب یا مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خط و کتابت میں مرزا کی روش پر چلنے کا ارادہ کیا ہے اور اپنے مکاتبات کی بنیاد بذلہ سنجی و ظرافت

پر رکھنی چاہی نگران کی تحریر میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل اور نقل یا روپ اور بہروپ میں ہوتا ہے۔ مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے ستار کے تار میں سُر بھرے ہوئے ہیں اور قوت متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلاق ہے اس کو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوت پرواز کو طائر کے ساتھ۔ اگرچہ مرزا کے بعد نثر اردو میں بے انتہا وسعت اور ترقی ہو گئی ہے۔ علمی، اخلاقی، پولیٹکل سوشل اور ریلیجس مضامین کے لوگوں نے دریا بہا دیئے ہیں۔ بائیوگرافی اور ناول میں بھی متعدد کتابیں نہایت ممتاز لکھی گئی ہیں۔ باوجود اس کے مرزا کی تحریر، خط و کتابت کے محدود دائرے میں بلحاظ دلچسپی اور لطف بیان کے اب بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی۔"

(از یادگار غالب صفحہ ۱۶۰)

خط نویسی نثر نگاری کی ایک مستقل صنف ہے اور یہی وہ صنف ہے جس میں کاتب تحریر اپنا مافی الضمیر، اپنا کیرکٹر، اپنے اخلاق و عادات، دوسروں کی متعلق اپنی حقیقی رائیں، اپنی سوسائٹی کا سچا چربہ، غرضکہ ہر وہ چیز جو اس کے قلم سے تراوش کرکے صحیح طور پر دنیا کے سامنے ظاہر کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ شاعری میں وہ شخص جو شعر کہتا ہے بالکل بدل جاتا ہے وہ اپنے اشعار کے پردے میں وہ شخص ہی نہیں رہتا جو فی الحقیقت وہ ہوتا ہے اور دیگر اصناف نثر مثلاً تاریخ نگاری اور افسانہ نویسی میں بھی وہ اپنی ذاتی رایوں اور خیالات کے صحیح اظہار پر مجبور نہیں ہوتا اور اس کا بطون و مافی الضمیر اس کی تحریر سے کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا پس اگر ہم کسی شخص کو جانچنا ہے تو اس کی اس قسم کی تحریروں سے اسکو جانچ سکتے ہیں جن میں وہ اپنے اور دوسروں کے حالات صحیح اور من و عن لکھنے پر مجبور رہتا ہے۔

اور یہ بات سوائے خطوط کے دیگر اقسام نثر میں نہیں پائی جاتی۔ میرے اس خیال کی تائید سطور ذیل سے بھی ہوتی ہے جو محترمی جناب مولوی عبد الحق صاحب نے مکتوبات حالی کے مقدمہ میں لکھی ہیں:۔

خطوں کی یہی سادگی اور بے ریائی ہے جو دلوں کو لبھا لیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ خطوں سے انسان کی سیرت کا جیسا اندازہ ہوتا ہے وہ کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ خطوط میں کاتب، مکتوب الیہ سے بلکہ اکثر اوقات اپنے سے آپ باتیں کرنے لگتا ہے، جو خیال جس طرح اس کے دل میں ہوتا ہے اسی طرح قلم سے ٹپک پڑتا ہے نہیں بلکہ وہ اپنا دل کاغذ کے ٹکڑے پر نکال کر رکھ دیتا ہے اور اگر وہ دل ایسا ہو جو سراسر درد سے لبریز ہو جس میں ہمدردی بنی نوع انسان کوٹ کوٹ کر بھری ہو، جو پریم کے رس سے سینچا گیا ہو تو بتاؤ کہ اس دل کی تراوش کیسی ہوگی؟ اگر تم ایسے دل کی زیارت کرنی چاہتے ہو تو آؤ اور دیکھو کہ وہ پاک دل ان خطوں میں لپٹا ہوا ہے۔[1]

خط نویسی دنیا کی اکثر زبانوں میں موجود ہے۔ موجودہ زبانوں میں علاوہ عربی و فارسی کے لاطینی، انگریزی، فرنچ، جرمن وغیرہ میں ایسی مستقل کتابیں خطوط و رسائل کی موجود ہیں جن سے مصنف کی اعلیٰ انشاپردازی کے علاوہ اس کے اخلاق و عادات اور اس کے ماحول کا بھی پورا پتہ چل جاتا ہے، زبان لاطینی میں پارلیس اور سسرو، انگریزی میں ملٹن، بیکن، کوپر، گولڈ اسمتھ، بائرن، لارڈ چسٹر فیلڈ، کوئن وکٹوریا وغیرہ۔ فرانسیسی میں والٹیر، ڈیڈ رو وغیرہ کے خطوط ایسی تصانیف ہیں

---

[1] سیر المصنفین جلد دوم صفحہ ۳۶۷

ہر ان زبانوں میں نثر کے معرکۃ الآرا کارنامے سمجھے جاتے ہیں۔

عربی میں اس صنف خاص کا حال معلوم نہیں مگر فارسی میں تو مکتوبات اور رقعات کی وہ کثرت ہے کہ اگر ایسی سب کتابیں جمع کی جائیں تو ان سے دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ پنج رقعہ، رقعات ابوالفضل، رقعات بیدل، انشائے طاہر وحید، رقعات نعمت خاں عالی، رقعات عالمگیری فارسی کی بہت مشہور متداول کتابیں ہیں۔ مابعد کی تصانیف انشائے خلیفہ، انشائے مادھورام، قائق، منیر، بہارِ عجم وغیرہ اس زمانہ کی یادگار ہیں جب فارسی کا رنگ اپنی بہار دکھا کے پھیکا پڑ رہا تھا۔ ان سب کتابوں کا رنگ جدا جدا ہے۔ انشائے مادھورام بعض فرامین شاہی کا مجموعہ ہے خلیفہ شاہ محمد نے نثر رنگین اور صنائع بدائع کا التزام کیا ہے۔ انشائے فائق، انشا فیض رساں و دلکشا وغیرہ ایک زمانہ میں عرصہ تک داخل درس رہیں۔

انھیں فارسی مکاتیب کے تتبع میں اور انھیں کے طرز پر اردو رقعات بھی ترتیب پانے لگے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جس طرح نظم اردو نظم فارسی کی تتبع اور ناقل تھی اور اب تک ہے اسی طرح نثر اردو بھی پہلے بالکل فارسی نما لکھی جاتی تھی۔ انشائے خردافروز، مکتوبات احمدی و محمدی، رقعات عنایت علی انشائے اردو سرور وغیرہ اسی انداز کی کتابیں ہیں جب رنگ بدلا اور نثر اردو میں زمانہ موجودہ کا رنگ پیدا ہوا تو منشی امیر احمد مینائی اور اکبر وغیرہ نے خطوط تحریر کئے جس میں تقلید فارسی اور مقفّٰی و مسجع روش کو چھوڑ کر عبارت میں سادگی بے تکلفی اور شگفتگی پیدا کی مگر ان میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو مرزا غالب کے رقعوں کے مقابلہ میں پیش کی جا سکے۔ قدما کا یہ رنگ تھا کہ وہ اپنی تحریروں کو جہاں تک مشکل بنانا پسند کرتے تھے اس میں ان کو بڑا مزہ آتا تھا کہ آسانی سے انکی سمجھ میں نہ آئے گویا ان کی بات آسانی سے سمجھ جانا ایک جرم تھا اور اس میں وہ

اپنی ایانت سمجھتے تھے مشکل مطلب کو ثقیل اور نا مانوس الفاظ میں صنائع بدائع کے زیور سے آراستہ کر کے پیش کرنا ہی وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے اور اسی طرح سے پڑھنے والے پردہ اپنا سکہ جما لیتے تھے، طاہر وحید، ابو الفضل اور بیدل کا یہی انداز ہے، ہر چند کہ رنگ ہر ایک کا الگ الگ ہے مگر اشکال سب میں جزو مشترک ہے۔

اردو رقعات نویسوں نے بھی فارسی کی تقلید میں مشکل پسندی اختیار کی۔ اپنے خطوط کے مطالب کو تو اس قدر دقیق و مشکل نہ بنا سکے مگر عبارت میں وہی رنگینی وہی قافیہ پیمائی، وہی پیچیدہ فقرے، وہی فضول باتیں جس کی دس دس سطریں بھی آپ چھوڑ جائیے تو نفس مطلب میں کچھ فرق نہ آئے۔

مرزا غالب کے بچپن اور جوانی کے زمانہ میں نثر نویسی کا یہی رنگ زوروں پر تھا اسی وجہ سے ان کے رقعات فارسی ان تکلفات بارد سے خالی نہیں ہیں مگر ان کی نظر غائر نے جلد سے جلد ان خرابیوں کو دریافت کر لیا اور ان کے دفعیہ پر انھوں نے کمر ہمت باندھ لی چنانچہ پنج آہنگ کے لکھنے کے وقت اگر چہ ایک حد تک رسم قدیم کے موافق خطوط نویسی کے بارہ میں وہ ان ہی پرانی باتوں کے پابند تھے مگر پھر بھی ان کو ان خامیوں کا اندازہ ہو چکا تھا اور وہ اس سے احتراز کرنے لگے تھے، جہاں انھوں نے اس کتاب میں القاب و آداب کے خردانہ اور بزرگانہ مراتب مقرر کئے اور اساطیر الاولین کو نگاہ میں رکھتے ہوئے دعائیہ فقرے بتبدیلوں کیلئے جمع کر دیئے ہیں وہیں وہ یہ بھی لکھتے ہیں۔

ادا شناس داند کہ ہنجار من	جاننے والے جانتے ہیں کہ میرا طریقہ تحریر
در نگارش این ست کہ چوں کلک و ورق	میں یہ ہے کہ جب قلم و کاغذ ہاتھ میں لیتا
بکف گیرم مکتوب را بلفظے کہ فراخور	ہوں تو مکتوب الیہ کو اس لفظ کے ساتھ
حالت اوست در سر آغاز صفحہ آواز دہم	جو اس کی حالت کے موافق ہو صفحہ کے شروع

وزمزمۂ سنج مدعا گردم ، القاب
وآداب وخیریت گوئی و عافیت
جوئی حشو وزائد است و
پختگان حشو را وقع ننهند و
نیز دانا شناسد که دریں باب
چه ساحری توان کرد و دریں
شیوه گنجائش سخن گستری تا
کجاست

میں پکارتا ہوں اور اس کے بعد مطلب
لکھنا شروع کردیتا ہوں القاب و
آداب اور خیریت گوئی اور خیر و عافیت
طلبی زائد و بیکار ہے اور تجربہ کار زوائد
کی وقعت نہیں کرتے اور عقلمند لوگ
یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ میں کیا
ساحری کی جا سکتی ہے اور اس
طریقہ میں ادائے مطلب کی گنجائش
کہانتک ہے۔

بداں اے ہوشمند سخن پیوند که
نامه نگار را آں باید که نگارش را
از گزارش دور تر نبرد و رنگ
گفتن دهد و مطلب را بداں روش
گزارد که دریافتن آں دشوار نه بود
اگر مطلبے چند داشته باشد در
تقدیم وتاخیر ژرف نگهی را بکار
برد وازاں پرهیزد که سخن گره
در گره گردد واجزاء مدعا بهم
واگر فرو خورد وزنهار استعارات
دقیق ولغات مشکله نا مانوس در
عبارت درج نکند و در هر نورد

اے سخن شناس عقلمند جان کہ خط لکھنے
والے کو چاہیئے کہ تحریر کو تقریر سے
دور نہ لیجائے اور تحریر میں تقریر
کا رنگ پیدا کرے مطلب کو اس انداز
سے ادا کرے کہ اس کے سمجھنے میں دشواری
نہ ہو، اگر چند مطلب رکھتا ہو تو تقدیم وتاخیر
میں بڑی ہوشیاری سے کام لے
اور اس سے بچے کہ الفاظ پیچیدہ ہو جائیں
اور مطلب کے اجزا ایک دوسرے سے
ملجائیں اور دقیق استعارے اور
مشکل و نامانوس لغات عبارت میں
کبھی نہ لائے اور ہر تحریر میں مکتوب الیہ

رتبۂ مکتوب الیہ در نظر دارد۔ تا
زوائد سخن را درازی نہ دہد و از تکرار
الفاظ محترز باشد و بیشتر بہ مذاق
اہل روزگار حرف زند و از احاطۂ
قواعد و قوانینے کہ قرار دادہ ایں
مردم است بدر نہ رود اما اندازۂ
خوبی بیان نگاہ دارد۔ و این پارسی
آمیختہ بتازی را در کشاکش
تصرفات ہندی زبانان پارسی
نویس ضائع نگذارد و لغات عربی
ہر بقدر بایست صرف نماید و پیوستہ
دراں کوشد کہ سادگی و نغزی شعار
او گردد۔

کا مرتبہ نظر میں رکھے اور جہانتک ممکن ہو
تحریر کو طول نہ دے اور ایک ہی لفظ کو
بار بار لکھنے سے بچے اور زیادہ تر زمانے
کے لوگوں کے مذاق کے موافق (یعنی مانوس)
الفاظ لکھے، اور جو قواعد و قوانین کہ
ایسے لوگوں نے بنا دیئے ہوں
ان سے باہر نہ جائے لیکن اسی کے
ساتھ خوبی زبان کو ہاتھ سے نہ جانے دے
اور اس عربی ملی ہوئی فارسی کو ہندی
فارسی نویسوں کے تصرفات سے
بیجا آمیزش سے خراب و ضائع نہ
کرے اور عربی لفظ صرف بقدر ضرورت
استعمال کرے اور اس سے زائد نہیں[1]
اور ہمیشہ اس کی کوشش کرتا رہے کہ
سادگی اور لطافت اسکی عادت ہو جائے۔

یہ عبارت ہر چند فارسی رقعات سے تعلق رکھتی ہے مگر اردو میں بھی انھوں نے یہی طرز بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اختیار کیا چنانچہ ایک خط میں مرزا حاتم علی

---

[1] یہ نصیحت فارسی کے متعلق ہے مگر اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اردو کی تحریر میں عربی و فارسی دونوں زبانوں کے غیر مانوس اور ثقیل الفاظ سے بچتا ہے۔

بیگ مہر کو لکھتے ہیں۔

"مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے، ہزار کوس سے بزبانِ قلم باتیں کیا کرو ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔"

مرزا تفتہ کو:۔

"بھائی! مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کو ہے مکالمہ ہے۔"

نواب الور الدولہ شفق کو:۔

"یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا۔"

میر مہدی سے، قدیم روش نامہ نگاری کی مذمت کرتے ہیں۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے، لفافہ کو کریدا کرو، مسودہ کو بار بار دیکھا کرو، پاؤ گے کیا، یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں۔

یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے خط تمہارا بہت دن کے بعد پہونچا، جی خوش ہوا، مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے برخوردار میر سرفراز حسین کو دعا اور دعا کہنا، اور وہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا لازمۂ سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔ کیوں، سچ کہیو! اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی؟ ہائے کیا اچھا شیوہ ہے، جب تک یوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں، چاہ بے آب ہے ابر بے باراں ہے، خانۂ بے چراغ ہے، چراغ بے نور ہے، ہم جانتے ہیں کہ تم زندہ ہو، تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں، امر ضروری کو لکھ دیا، زوائد کو اوقات پر موقوف رکھا، اگر تمہاری خوشنودی اسی طرح کی نگارش پر

منحصر ہے تو بھائی! ساڑھے تین سطریں ایسی بھی میں نے لکھ دیں کیا نماز قضا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟"

اس سے اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ مرزا اس طرز جدید کے موجد اور مخترع[1] تھے، انھوں نے نہ صرف قدیم و فرسودہ طریق القاب و آداب اور خطوط میں معمولی معمولی باتوں کو یک قلم ترک کیا بلکہ تحریر میں سلاست و بے تکلفی کے علاوہ ایک عجیب شگفتگی دلآویزی اور شوخی و ظرافت پیدا کی جس سے یہ طرز انھیں کے لئے مخصوص ہو گیا اور ان کے زمانہ میں اور ان کے بعد ابتک کوئی ہمسر و مقابل ان کی اس قسم کی تحریر کا پیدا نہ ہو سکا[2]۔ اکبر مرحوم ظریفانہ نظم میں اپنا عدیل و نظیر نہیں رکھتے تھے، اسی طرح غالب بھی شوخ و ظریفانہ نثر میں یگانہ و منفرد تھے، مگر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اپنا ظریفانہ انداز اپنی نثر میں پیدا نہ کر سکے کیونکہ ان کے خطوط میں کوئی خاص دلآویزی اور شوخی و ندرت مثل غالب کے خطوط کے ہم کو نظر نہیں آتی۔

قبل اس کے کہ خطوط غالب کی مخصوص خوبیوں کا ذکر کیا جائے ایک ضروری بات گزارش کر دینے کے قابل ہے وہ یہ کہ جامعان خطوط نے خطوط غالب کے جمع کرنے اور چھپوانے میں صرف ایک خیال کو پیش نظر رکھا، یعنی یہ کہ پبلک اُن کو پڑھ کر ہنسے اور

---

[1] شمالی ہند میں ہنوز مقفیٰ عبارت کا دستور تھا۔ اگرچہ غالب نے اپنے خطوط سے جدید طرز کی ایجاد و شروع کی تھی مگر عام طور سے اس کا دستور نہ تھا" (دکن میں اردو مصنفہ نصیر الدین ہاشمی ص۱۴۲)

[2] مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے، نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط و کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا اور نہ ان کے بعد کسی سے اس کی پوری تقلید ہو سکی انھوں نے القاب آداب کا پرانا و فرسودہ طریقہ اور بہت سی باتیں جن کو مترسلین نے لوازم نامہ نگاری میں سے قرار دے رکھا تھا مگر درحقیقت فضول اور دوراز کار تھیں سب اڑا دیں۔ (یادگار غالب)

خوش ہو اور مرزا کی جدت طرازیوں کی تعریف کرے، اس کے سوا اور کوئی غرض ان کی نہ تھی، ہم کو تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت بھی اس سے زیادہ اور کوئی اہم مصرف اپنے خطوط کی اشاعت کا نہیں نکال سکے تھے جب یہ خیال جامعانِ خطوط کے دل میں جاگزیں تھا کہ خطوط محض ایک عجوبۂ روزگار چیز کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں جن کو پڑھ کر وہ خوش ہوں اور ہنسیں ہنسائیں، تو ظاہر ہے کہ ان کی یکجائی و انطباع میں کسی خاص ترتیب و تنظیم کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی، یہاں تک کہ تاریخ تحریر ایسی ضروری چیز اکثر خطوط سے بیکار و غیر ضروری سمجھ کر اڑا دی گئی۔

مرزا اپنے خطوط میں تہذیب حال کے موافق تاریخ لکھنے کے بہت عادی تھے کبھی شروع میں لکھ دیتے کبھی آخر میں یا کبھی اثناء تحریر میں اس کی تصریح کر دیتے یا کوئی ایسی بات لکھتے کہ جس سے تاریخ تحریر خط بخوبی معلوم ہو جا سکتی اگر یہ سب خطوط بترتیب اسماء مکتوب الیہم تاریخوار جمع کر دیے جاتے تو اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ مرزا کی زندگی کے ضروری واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ زمانہ موجودہ کی تالیف کے انداز سے خود انھیں کی تحریر سے ترتیب پا جاتے۔

مثلاً بعد غدر دلی کی تباہی و بربادی کے حالات، مرزا کی پنشن کا بند ہوتا اور پھر جاری ہونا، قاطع برہان کی تصنیف، بعض قصائد و قطعات کی تصنیف ان کا انطباع اور ممدوحوں کے پاس ان کا بھیجا جانا، کوئن وکٹوریا کے قصیدہ کی تیاری اس کا ولایت روانہ کیا جانا اور ولایت سے اس کی رسید کا آنا، مرزا کی دیگر تصانیف کا انطباع وغیرہ وغیرہ یہ سب ایسی ضروری باتیں ہیں کہ تعجب ہے مولانا حالی ایسے بزرگ نے بھی جو مرزا کے شاگرد رشید تھے اور یقیناً مرزا کی آخر عمر کی صحبتوں میں شریک ہوتے ہوں گے اور جن کو اکثر اصل خطوط کے دیکھنے کا اور ان کے جانچنے کا موقع ملا

ہوگا اس پر توجہ نہیں فرمائی اور بعض خطوط کو مرزا کی نثر اور ان کے خاص انداز تحریر
کا نمونہ سمجھ کر تبرکاً و تیمناً ہمارے سامنے پیش کر دیا۔

صورت موجودہ میں تمام خطوط گڈ مڈ ہو گئے ہیں، مثلاً ایک ہی شخص کے نام
۱۸۶۵ء ۱۸۶۶ء کے خطوط کے بعد ۱۸۶۱ء ۱۸۶۲ء کے خطوط نظر آتے ہیں، اور اکثر میں تاریخ
تحریر خط ایک بے ضروری جزو سمجھکر حذف کر دی گئی، پس ایسی صورت میں کسی قسم
کی کوئی ترتیب جس سے کوئی عمدہ نتیجہ مستنبط ہو سکے اگر محال نہیں تو مشکل ضرور معلوم
ہوتی ہے، کسی وقت اگر اصلی خطوط ہاتھ آ جائیں اور قاعدے سے تاریخوار مرتب
کر دیئے جائیں تو مرزا کی ایک نہایت عجیب و غریب مستند خود نوشتہ سوانح عمری
انھیں سے تیار ہو جائے گی۔

اپنا مطلب واضح کرنے کی غرض سے ہم مرزا کے چند خطوط لیتے ہیں اردوئے
معلّٰی کے شروع ہی میں نواب میر غلام بابا خاں بہادر رئیس سورت کے نام چند خطوط
ہیں جنکی تعداد دس ہے، انکی ترتیب موجودہ اور مجوزہ تاریخوار ایک نقشہ کی صورت
میں پیش کی جاتی ہے جس کے خانۂ تفصیل سے معلوم ہو جائے گا کہ واقعات مندرجہ
خطوط مجوزہ صورت میں کس عمدہ طریقہ سے دکھائے جا سکتے ہیں اور موجودہ صورت
میں جبکہ کوئی ترتیب نہیں ہے کیا کیا قباحتیں لازم آتی ہیں مثلاً مرزا صاحب نواب
صاحب کو دوسرے خط میں لکھتے ہیں:-

"واہ اول ساغر و دردی، کیا جگر خون کن اتفاق ہے، پہلا عنایت نامہ جو
حضرت کا مجکو آیا اس میں خبر مرگ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔"

یہ پہلا خط دوسرے نمبر پر ہونے کی سوائے بے توجہی و بے اعتنائی کے کوئی
وجہ سمجھ میں نہیں آتی، یہی حال باقی خطوط کا بھی ہے جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے

ترتیب صحیح خطوط	نمبر خطوط در مطبوعہ	تاریخ تحریر خطوط	مختصر مضمون خط
۱	۲	۱۶ر ستمبر ۱۸۶۳ء	(سب سے پہلا خط) تعزیت نامہ دربارۂ وفات نواب میر جعفری خان۔
۲	۵	۳ر دسمبر ۱۸۶۳ء	گھڑی کے عطیہ کا شکریہ
۳	۱	۲۲ر اپریل ۱۸۶۶ء	"درفش کاویانی" کی رسید کی اطلاع، بوستان خیال کا اشتہار اور ایک نئے اخبار کا اشتہار خط میں بھیجا جاتا ہے۔
۴	۵	۹ر اگست ۱۸۶۶ء	شادیوں کی قرارداد کی خبر سنکر مبارکباد، نواب صاحب کے لڑکے کا تاریخی نام "سید مہابت علیخاں" رکھکر بھیجا تھا[۵] اسکی رسید نہ پہنچنے کی شکایت
۵	۶	۱۴ر نومبر ۱۸۶۶ء	شادی میں بسبب ضعف نہ شریک ہو سکنے کی معذرت، نواب صاحب کی لڑکی کی تقریب بسم اللہ کی مبارکباد اور تاریخ، اپنی تصویر کی تباہی کی اطلاع۔
۶	۷	اوائل ۱۸۶۷ء	نواب صاحب کے افزائش عز و جاہ (غالباً خطاب) اور ہائیکورٹ سے مقدمہ جیتنے کی مبارکباد۔
۷	۳	۳ر اپریل ۱۸۶۷ء	کسی دعوت میں عدم شرکت کی معذرت، [illegible] پر مبارکباد۔ مندرجہ خط نمبر ۶
۸	۸	۳۱ر مئی ۱۸۶۷ء	سورت نہ پہونچ سکنے کی معذرت، خط دیر میں لکھنے پر ضعف و پیرانہ سالی کا عذر۔
۹	۱۰	۱۷ر دسمبر ۱۸۶۷ء	نواب صاحب مرزا کے کمال کی تعریف کرتے ہیں اس کا شکریہ۔

۵ اس سے ظاہر ہے کہ ایک درمیانی خط جس میں نام درج کیا ہوگا۔ اس مجموعہ میں نہیں ہے

صفحہ نمبر خطوط	نمبر شمار خطوط	تاریخ تحریر خطوط	مختصر مضمون خطوط
			عطیہ (غالباً روپیہ) پہونچنے کا شکریہ "قاطع برہان" کی تیاری کی نواب صاحب کو اطلاع۔
۱۰	۴	۶ر اپریل ۱۸۶۶ء	ضعف اسقدر طاری ہے کہ یہ خط کسی دوسرے سے لکھوایا ہے نواب صاحب کے شکوہ و شکایت کا جواب اپنے آلام و مصائب کا ذکر۔

"ادبی خطوط" کی ترتیب سے پیشتر ہمارا یہی خیال تھا کہ اردوئے معلیٰ اور عود ہندی دونوں کتابوں کو اس انداز سے نئے سرے سے ترتیب دیں کہ مرزا کی آخر عمر کے اہم واقعات من وعن خود انھیں کی تحریر سے ظاہر ہو جائیں، مگر یہ کام بوجہ اکثر خطوط کے غیر مرتب صورت میں چھپنے اور بعض خطوط کے مجموعہ میں موجود نہ ہونے اور تاریخوں کے نکل جانے کے اس قدر دشوار بلکہ محال معلوم ہوا کہ اس ارادہ کو ترک کرنا پڑا اور صرف مرزا کے ادبی خطوط کے اجتماع پر کفایت کی گئی کہ یہ بھی ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں "ادبی خطوط" سے اس مجموعہ میں مرزا کی وہ تمام تحریریں اور عبارتیں مراد ہیں جن میں انھوں نے۔

(۱) خواہ اپنے یا دوسروں کے اشعار کے معانی اور مطلب سمجھائے یا ان پر تنقید کی

(۲) فارسی، اردو شعراء اور مصنفین پر یا ان کے کلام اور تصانیف پر رائے زنی کی

(۳) اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں دیں۔

(۴) طریقۂ اصلاح۔

(۵) ادبی سوالوں کے جوابات۔

(۶) اپنی تصانیف کے چھپوانے میں کس قدر انہماک کیا اور کیا کیا زحمتیں اٹھائیں

(۷) قاطع برہان کی تحریر و انطباع میں کیا کیا مدارج طے کرنا پڑے۔

(۸) تحقیق لغات و تذکیر و تانیث بعض الفاظ۔

ان کے علاوہ بھی بعض ایسی عبارتیں ان خطوط میں شامل کرنا پڑیں جن کا کوئی ادبی تعلق تو نہ تھا مگر وہ اس طرح سے بعض ادبی خطوط میں شامل تھیں کہ ان کو علیحدہ کر دینے سے ادبی مضمون بالکل مختصر رہ جاتا یا ان عبارتوں میں کوئی جدت شوخی یا ندرت ایسی پائی گئی کہ انکا بھی شامل کر دینا ضروری سمجھا۔ پس اس طریق سے اس استاد اعظم کے بتائے ہوئے ادبی نکتے بھی دریافت ہو گئے اور اس کا انداز بیان اور شوخیِ تحریر کا بھی مزہ اٹھایا گیا، یعنی ہم خرما و ہم ثواب کا لطف حاصل ہوا۔

مجموعی تعداد ان خطوط کی جو اس مجموعہ میں شامل ہیں ترانوے ہے اسمیں اردوئے معلّٰی و عود ہندی کی ترتیب میں یہ فرق بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ آخر الذکر کتابوں میں مکتوب الیہم کے نام بہت جلی طور سرخی خط کے شروع میں دیئے گئے ہیں، مگر چونکہ غرض اصلی "کیا کہا گیا" ہے نہ یہ کہ "کس سے کہا گیا" لہذا مکتوب الیہم کے نام خفی حروف میں خط کے آخر میں دیئے گئے اور شروع میں صرف سلسلہ کا نمبر ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ کتب بینی کا شوق بہت کم رہ گیا ہے دلچسپ سے دلچسپ کتاب بھی اول سے آخر تک پڑھنا دوبھر ہو جاتا ہے لہذا ایسے اصحاب کیلئے جو محض ایک سرسری نظر ڈال لینے کو غنیمت سمجھتے ہیں پورے پیرا کا مطلب مختصر طور پر حاشیہ پر دیدیا گیا ہے تا کہ اگر جی چاہے اور اتنا وقت نکالا جا سکے تو مزید معلومات کے شوق میں پورا پیرا پڑھ لیں ورنہ خط کا مطلب عبارت حاشیہ ہی سے دریافت ہو سکتا ہے۔

یہ مجموعہ طالب لطف اور طالب علم دونوں کے فائدے کے واسطے موجودہ ایڈیشن ہندی اور اردوئے معلّٰی سے معلومات اور دلچسپی دونوں اعتبار سے کسی طرح کم نہیں ترتیب خطوط اور بعض دیگر معلومات مفیدہ کے لحاظ سے ان سے کچھ زیادہ ہے۔

اب ہم مختصراً یہ دکھلانے کی کوشش کریں گے کہ مرزا نے نامہ نگاری میں لفظاً و

دمعناً کیا کیا تصرفات کئے اور کیا کیا جدتیں اور لطافتیں پیدا کیں۔

(۹) لفظی تصرفات (الف) پرانے طرز کے القاب و آداب اور عبارت خاتمہ کو ترک کیا (ب) پرانے طرز کے بے مزہ مقفیٰ مسجع فقرے جو قدیم نثر نگاروں کی شان تھی ترک کئے اور عبارت میں ایسی دل آویزی اور بے تکلفی پیدا کی جس کا لطف ہمارے کسی بیان سے ظاہر نہیں ہو سکتا صرف اصل خطوط کو پڑھنے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔)

القاب کی قدیم روش ترک کرنے میں مرزا نے اپنے انھیں اصولوں پر عمل کیا جن کا ذکر صفحہ ۱۶ میں ہوا یعنی مکتوب الیہ کو اس کی حالت کے موافق آغاز خط میں پکارنا یہی لفظ "پکارنا" اس عظیم الشان انقلاب کا پتہ دیتا ہے جو مرزا نے اپنے خطوط کے ذریعہ سے اردو نثر نگاری میں کیا ہے مرزا کے مکتوب الیہ دو قسم کے لوگ تھے (۱) وہ جو ان سے سن یا مرتبہ میں بڑے تھے یا جن سے بے تکلفی کم تھی (۲) وہ جو ان سے سن میں کم تھے یا جن سے بے تکلفی بہت تھی باستثنا چند لوگوں کے جن کا مرزا بہت ادب لحاظ کرتے تھے اسی دوسری صنف میں ان کے زیادہ تر مکتوب الیہ شامل ہیں، کیونکہ ان کے اکثر اعزا و احباب اور نیز ان کے تمام شاگرد اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے آدمیوں سے بھی تکلف و تصنع کی گفتگو کبھی نہیں کرتے بلکہ موقع موقع سے ان سے بھی ایسی مذاق اور ظرافت کی باتیں کر جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ کاتب و مکتوب الیہ کے سن یا مرتبہ میں کس قسم کا فرق ہے البتہ اس قسم کے لوگوں کے خطوط کو یا تو وہ کسی پرانے طرز کے القاب سے شروع کرتے تھے مثلاً نواب میر غلام بابا خاں کو "نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان" یا کوئی لفظ مختصر جیسے "جناب نواب صاحب" وغیرہ صاحب عالم مارہروی کو پیر و مرشد مولوی عبدالغفار خاں نساخ کو جناب مولوی صاحب قبلہ۔

(مگر مرزا کی تمام صناعی و جدت و شوخی صرف دوسری صنف کے لوگوں کے

القاب میں سے جن سے وہ حد درجہ بے تکلفی تھی نمایاں ہوتی ہے مثلاً اپنے شاگرد رشید مرزا تفتہ کو نور نظر و لخت جگر، میری جان، صاحب، بھائی، مہاراج منشی صاحب، آؤ مرزا تفتہ گلے لگ جاؤ، اچھا میرا بھائی، جیتے رہو اور خوش رہو وغیرہ۔

میر مہدی مجروح کو برخوردار کامگار، نور چشم، جان غالب، میاں لڑکے، میاں سید زادے، اہاہاہا! میرا پیارا مہدی آیا تو صاحب یہ تماشا دیکھو وغیرہ۔

مرزا علاؤ الدین احمد خان کو، جاناجانا، اقبال نشانا، میری جان، علائی بھولی مرزا علائی مولائی، بار بھتیجے وغیرہ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن سے مرزا کو کمال بے تکلفی اور محبت و یگانگت تھی ان سے کم درجہ پر جو تھے ان کے القاب میں کوئی خاص جدت و ندرت یا شوخی و بے تکلفی نہیں پائی جاتی مثلاً منشی شیو نرائن کو "برخوردار نور چشم، برخوردار اقبال نشان، برخوردار کامگار" لکھنے پر کفایت کرتے ہیں۔

مرزا امیر الدین احمد خاں معروف بہ فرخ مرزا کو بہت کم سن تھے عجیب شاعرانہ انداز سے القاب لکھا ہے اور اس کے معنی بھی سمجھائے ہیں۔

"اے مرحوم چشم جہاں ہیں غالب" پہلے القاب کے معنی سمجھو یعنی چشم جہاں بیں،
غالب کی پتلی چشم جہاں بیں تمہارا باپ مرزا علاؤ الدین خاں بہادر اور پتلی تم"

ان سب القابوں سے مرزا کی کیفیات قلبی کا پورا اندازہ ہوتا ہے جس وقت اور جس حالت و کیفیت میں وہ ہوتے تھے ویسا ہی تراوش قلم کا انداز تھا، مگر مولانا حالی کا یہ خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خطوط میں کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور لکھنا چاہتے تھے جس کو پڑھ کر ان کا مکتوب الیہ خوش اور باغ باغ ہو جائے۔

مقفی و مسجع فقروں کا ترک اس موقع پر پیشتر ہم مولوی غلام امام شہید اور منشی غلام غوث بیخبر کے رقعوں کے چند سطور بطور نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ اس زمانہ کی

عام خطوط نگاری کی روش معلوم ہو جائے اور یہ بھی انداز ہو کہ مرزا نے کیا کمال کیا کہ اس قسم کی عبارت کو جوان کے زمانہ میں نہ صرف رائج بلکہ داخل فیشن تھی بدل کر کیسی سادہ بے تکلف شوخ اور لطف انگیز عبارت کا رواج دیا جو ہمارے نزدیک ایک بہت بڑا اعجاز ہے۔

مولوی غلام امام شہید کا رقعہ تہنیت و تعزیت آمیز:۔

مجموعہ انشائے شیریں بیانی دیباچہ کتاب سخن معانی، زاد ہشتمہ، قلم اعلیٰ تشریح مراتب اشتیاق و آرزومندی کے تعزیت کے مضمون سے آنسو بھی بہاتا ہے اور کچھ خوشی میں آکر مبارکباد کا مضمون بھی زبان پر لاتا ہے۔ زمانہ میں خوشی و غم دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور دنیا میں دھوپ چھاؤں کی طرح شادی کے ہاتھ میں ماتم کا ہاتھ ہے دو پھول ایک ہی شاخ میں پھولتے ہیں، ایک دولہا دلہن کے سہرے کے کام آتا ہے دوسرا میت کی تربت پر چڑھایا جاتا ہے دو موتی ایک سیپ میں پیدا ہوتے ہیں ایک بادشاہ کے تاج میں لگاتے ہیں دوسرے کو کھرل میں پیس کر دوا میں ملاتے ہیں۔ ایک ہی کافور سے دو شمعیں بنتی ہیں ایک محفل سرود کے کام آتی ہے دوسری مردے کے مزار پر جلائی جاتی ہے چمن میں کلی اگر کھلکھلا کر ہنستی ہے شبنم بے اختیار اس کے سامنے پر روتی ہے جس باغ میں خزاں ہو وہاں بہار بھی ہے اور جہاں گل ہو وہاں خار بھی ہے۔

بیخبر کا خط مولوی غلام امام شہید کے نام:۔

۱؎ ماخوذ از سیر المصنفین جلد اول صفحہ ۱۹۸ (یہ رقعہ جنگ نامہ نعمت خاں عالی کی ابتدائی چند سطور کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

قبلہ میری شوخی دیکھیے! یوسف کو آئینہ دکھاتا ہوں، خورشید کو روشنی کو حکایت سناتا ہوں، گلزار میں پھول لیجاتا ہوں ختن میں مشک تحفہ بھیجتا ہوں دریا کے سامنے روانی کے معانی بیان کر رہا ہوں، چاند کے روبرو نور افشانی کا معما حل کر رہا ہوں لعل کے حضور میں رنگ کی دکان کھولتا ہوں، قند کے حوالہ میں شیرینی تولتا ہوں مسیحا سے کہتا ہوں جان بخشی کی روایت سنیئے موسیٰ سے تمنا کرتا ہوں کہ ید بیضا کی چمک دیکھیئے یعنی حضرت کا دیوان مرتب کرکے آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں[1]

مرزا نے بھی روش زمانہ کے موافق مقفیٰ عبارت اپنے اکثر خطوط میں قائم رکھی (میرے خیال میں تقریباً چالیس فیصدی خطوط اسی رنگ میں ہیں) مگر اس روش میں بھی ان کی بے تکلفی اور شوخی اسی طرح جلوہ گر ہے جس طرح کہ ان کی سادہ عبارت میں ہو اور معراج کمال یہ ہے کہ تصنع میں بے تکلفی اور بناوٹ میں سادگی کا لطف آتا ہے یہاں پہلے ان کی مقفیٰ عبارت کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا کہ مرزا میں اور شہید و تجبر وغیرہ کی قسم کے لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مقفیٰ عبارت کا نمونہ:-

(ہم اس خط کو اس طریقہ سے لکھتے ہیں کہ قوافی اچھی طرح سے واضح ہو جائیں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ہر چند عبارت مقفیٰ ہے مگر برخلاف خطوط شہید و تجبر متذکرہ بالا کے ایک ایک فقرہ میں علیحدہ علیحدہ مضمون ہے)۔

یارب! یہ ایک خط جو مجکو بڑودہ گجرات سے آیا ہے، کاتب نے اپنے کو احمد حسین

---

[1] ماخوذ از سیر المصنفین جلد اول صفحہ ۲۱۳

قنوجی بتایا ہے ادھر سے اظہار آشنائی ہے، میری طرف سے یہ بیچائی ہے، کہ مجکو ان کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانہ نسیان خراب عشرۂ ثمانیہ کے مرحلہ کا رہ پیما ہوں، شاید اگر جیوں گا تو اس کا بھی کچھ علم نہ رہے گا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں، پینسٹھ برس کی عمر ہوئی حواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل، حواس باطنی میں سے حافظہ زائل بسبب نسیان کے اکثر مطالب ضروری [illegible] ہو جاتے ہیں خدایا کیا اس عمر میں سب آدمی ایسے خرف ہو جاتے ہیں حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھوں مولوی لکھوں خان لکھوں، خط میں تو خیر کچھ لکھ دوں گا خط کا کیا عنوان لکھوں، بندہ پرور تقصیر معاف رہے حضرت کا دل غبار کدورت سے صاف رہے مولوی عبدالجمیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں بلکہ ان کا احسان مانتا ہوں کہ باوجود عدم ملاقات ظاہر اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں، گویا وہ اپنا نام ہمیشہ مجکو یاد دلاتے رہتے ہیں۔ نہ آپ، کہ بعد ایک عمر کے ناگاہ بہ نامہ یاد فرمائیں اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد دلائیں۔ بہرحال تمہارا دعا گو ہوں خیر جو ہوں اس خط کے جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں کب ملے تھے کہ ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ یہ سب مدارج جان جاؤں۔"

(بنام مولوی احمد حسن قنوجی)

غیر مقفیٰ سادہ عبارت کا نمونہ:-

"بھائی! اس مرض میں بھی تیرا ہم طالع اور ہمدرد ہوں، اگرچہ یک فنہ ہوں مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنے نظم و نثر کی داد یا اندازہ بایست پائی نہیں آپ ہی کہا، آپ ہی سنا، آپ ہی سمجھا۔ قلندری و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دواعی میرے خالق نے مجھ میں بھر دیے ہیں بقدر ہزار ایک ظہور میں

نہ آئے، نہ وہ طاقت کہ جانی کہ اک لاٹھی ہاتھ میں لوں اور اس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا مع سوت کی رسی کے لٹکاؤں اور پیادہ پا چل دوں، کبھی شیراز جا نکلا، کبھی مصر میں جا ٹھہرا، کبھی نجف جا پہونچا، نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا میزبان بن جاؤں، اگر تمام عالم میں نہ ہو سکے نہ سہی جس شہر میں رہوں اس شہر میں کوئی بھوکا ننگا نظر نہ آئے۔

وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے وہ میں ہوں۔"

(بنام نواب علاؤ الدین احمد خاں)

بندگی وسلام لکھنے کا نیا ڈھنگ:۔

استاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری پھوپھی ان کی چچی تھیں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دعا اور اس رو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے سلام اور اس سبب سے کہ استاد کہلاتے ہیں بندگی اور اس لحاظ سے کہ یہ سید ہیں درود، اور موافق اس مصرع کے سوی اللہ واللہ ما فی الوجود سجود۔"

معنوی تصرفات یعنی خطوط میں ایسی باتوں کا ذکر جس سے کاتب و مکتوب الیہ دونوں کے اخلاق و عادات پر پوری روشنی پڑتی ہے:۔

(۱) مرزا ارسال خطوط میں دن تاریخ بلکہ وقت تک کی تفصیل کے پابند تھے:۔

"جناب چودھری صاحب آپ کا عنایت نامہ اس وقت پہونچا اور یہ وقت صبح کا ہے دن بدھ کا ربیع الثانی کی چوبیسویں اور دسمبر کی پہلی......"

(بنام چودھری عبد الغفور سرور)

(۲) تحریرِ جواب میں تاخیر نہیں کرتے:۔

"خط کے پہونچنے سے بہت خوش ہوا، ڈاک کیا ہے خاک ہے ادھر پڑھا
ادھر جواب لکھا، خدا کرے یہ میرا خط جلد پہونچے ورنہ آپ کو خیال ہوگا
کہ غالب نے ہمارے خط کا جواب نہ لکھا......"

(ایضاً)

(۳) انگریزوں کو خطوط و قصائد وغیرہ بھیجنے کا شوق اور اُن کے جواب
و خوشنودی سے مسرت ۔

"نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کو نسخہ دستنبو بہ سبیل ڈاک
بھیجا تھا ان کا خط فارسی مشعر تحسین عبارت و قبول صدق ارادت و
مودت بسبیل ڈاک آگیا، پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و مدحت میں بھیجا
گیا اس کی رسید آگئی، رہی خانصاحب بسیار مہربان دوستانہ القاب
اور کاغذ افشانی، ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ منٹگمری صاحب
لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی
گیا اس کے جواب میں خوشنودی نامہ بتوسط کمشنر بہادر کل مجکو آگیا۔"

(ایضاً)

ہنری اسٹوراٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی و شمالی کے مدرسوں کے
ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے صاحب ہیں امن کے دنوں میں ایک ملاقات
میرے ان کی ہوئی تھی میں نے اب ایک سادہ بے جلد کتاب دستنبو
ان کو بھیجی تھی، کل ان کا خط مجکو اس کتاب کی رسید میں آیا بہت تعریف
لکھتے تھے اور وہاں بھی ایک تماشہ اور ہے وہ مجکو لکھتے تھے یہ دستنبو
پہلے اس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے اور ہم

اس کو دیکھ رہے ہیں اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہونچا ان کے اس لکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی، کیا اچھی بات ہے کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہونچ جائے گا۔ میں چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور سکرتریوں کی نذر یہ پارسل انشاء اللہ آج روانہ ہو جائیں گے۔ دیکھوں چیف کمشنر کیا لکھتے ہیں اور گورنر کیا فرماتے ہیں ؎

تا نہال دوستی کے بر دہد   حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

(۴) مرزا کے زمانہ میں ڈاک کا انتظام اچھا نہ تھا اسی وجہ سے وہ اکثر کہتے: "ڈاک کے اب ڈاکو ہو گئے"۔ "ڈاک کیا ہے خاک ہے" اور شاید اسی ڈاک کی بدنظمی کی وجہ سے وہ بیرنگ خط بھیجنا پسند کرتے اور دوسروں کو بھی فہمائش کرتے تھے کہ تم بھی بیرنگ بھیجو۔

"ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں اگر اس کو منظور کیجیے گا تو خطوط کے نہ پہونچنے کا احتمال اٹھ جائے گا اور رجسٹری کا دردِ سر جاتا رہے گا، آدھ آنہ نہ سہی ایک آنہ سہی، آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجیے اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں، پیڈ خطوط تلف بھی ہو جاتے ہیں، اس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضح ہوں بادی بھی ہوا اور یہ خط بیرنگ بھیجا......."

(بنام چودھری عبدالغفور سرورؔ)

(۵) طریق اصلاح، دوستوں کے کلام کی اصلاح پر بالکل فخر و مباہات نہیں کرتے بلکہ تہذیب و انکسار کو مد نظر رکھتے ہیں:-

"جناب شیخ صاحب (یعنی شیخ عطا حسین صاحب) کیوں مجکو محجوب کرتے ہیں اس باب میں اس سے زیادہ عرض نہیں کرسکتا کہ افادہ مشترک ہے قصیدہ و مثنوی بھیجد یجیے لطف اٹھاؤنگا اور جو کچھ میرے خیال میں آئے گا بے تکلف عرض کردونگا، میرا سلام کہیے اور مثنوی اور قصیدہ ان سے لیکر جلد بھیجدیجئے........"

(ایضاً)

"صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہوگئی ہے ہے ہے اس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاو پڑے ہونگے تب یہ تراوش خونناب ظہور میں آئی ہوگی، مزہ یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انھیں کے معلوم ہوتا ہے چونکہ اصل کاغذ میرے نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھ پر مجہول ہے اس واسطے انجام و آغاز اندازہ وانداز کچھ نہیں سمجھا حک و اصلاح کو آپ بنظر اصلاح نظر فرمائیں میں نے حسب دستور ہر جگہ بشارۂ اصلاح لکھدیا ہے........"

"سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں میرے پاس آتے ہیں اور دمبدم مجکو ستاتے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں، خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں، پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے جب ان عالم صورت کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے، مجکو دوپہر کو سونے نہیں دیتے، ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں، کہیں پانی لڑھاتے ہیں، کہیں خاک اڑاتے ہیں میری [illegible] نہیں آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ انھیں یہ باتیں [illegible] میں ہیں

کیوں گھبراؤں گا۔ آپ ان کو جلد میرے پاس بسبیل ڈاک بھیج دیجئے کہ میں ان کو دیکھوں، وعدہ کرتا ہوں کہ پھر جلد ان کو تمہارے پاس بہ سبیل ڈاک بھیجوں گا......"

(بنام منشی ہر گوپال تفتہؔ)

(۶) دوستوں کا عشق:۔

"تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو یوسف کے پیراہن نے یعقوبؑ کے ساتھ کیا تھا، میاں یہ ہم تم بڈھے ہیں، یا جوان ہیں، توانا ہیں۔ یا ناتواں ہیں بڑے بیش قیمت ہیں یعنی بہر حال غنیمت ہیں کوئی بھلا بھنا کہتا ہے ؎

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالاخانہ ہے اور وہی میں ہوں سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف مرزا آئے وہ یوسف علی خاں آئے میرے مروؤں کا نام نہیں لیتا، بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے نہیں اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوں، میں مروں گا تو مجھ کو کون روئے گا......"

(بنام میر سرفراز حسین)

"میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا......"

(بنام میر مہدی مجروحؔ)

(۷) دوستوں کی دلشکنی کسی طرح روا نہیں رکھتے صاحب عالم سجادہ نشین مارہرہ ایک بدخط شخص تھے ان کی تحریر مرزا صاحب سے نہیں پڑھی جاتی تھی

چودھری عبدالغفور سرور نے ان کے اکثر خط واپس کر دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ آپ ان کی تحریر اپنے قلم سے لکھ کر بھیج دیجئے، مگر اس کا تذکرہ ان سے نہ کیجئے گا

اللہ اکبر! یہ تہذیب اور دلکشی کا خیال۔

حضرت صاحب (یعنی صاحب عالم) کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے، حضرت نے فرمایا اور پھر عبارت بدست خاص لکھی واللہ باللہ نہ مجھ سے نہ اور کسی سے پڑھی گئی ناچار آپ کا خط پھر آپ کو بھیجتا ہوں حضرت سے نہ فرمائیے گا۔ مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے مجھکو بھجوا دیجئے گا، ضرور اور جلد۔"

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

"یہ خط ناچار از روئے اضطرار واپس بھیجتا ہوں، واسطے خدا کے میرے پیر و مرشد کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیجئے تاکہ مجھ بدنصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا......"

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

"حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت توام شاہ عالم کے اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں، ایمان نصیب نہ ہو، وہ خط بدستور آپ کے پاس واپس بھیجتا ہوں از دلی سفید کاغذ پر حرف بہ حرف اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجئے تاکہ اس کے جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں لیکن بہت جلد بہت جلد......"

(ایضاً)

(۸) دوستوں کی مصیبت و پریشان حالی میں دلی ہمدردی اور اس کو رفع کرنے کی دلی خواہش۔

بھائی! ہوش میں آؤ! عذر کروا یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ ان کو یہاں بلا کر ایک الگ مکان رہنے کو دوں اور اگر زیادہ نہ ہو تو تیس روپیہ مہینہ مقرر کروں کہ بھائی یہ لاور دریبہ اور چاوڑی اور اجمیری دروازہ کا بازار اور لاہوری دروازہ کا بازار ناپتے پھر و اور اردو بازار اور خاص بازار اور بلاقی بیگم کا کوچہ اور خان دوراں خان کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ لے میر مہدی تو در ماندہ و عاجز پانی پت میں پڑا ہے۔ میرن صاحب وہاں پڑے ہوئے دلی دیکھنے کو ترسا کریں، سرفراز حسین نوکری ڈھونڈتا پھرے اور میں ان تمہارے جانگداز کی تاب لاؤں، مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا ہے اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اللہ اللہ اللہ ......"

(بنام میر مہدی مجروح)

(۹) مرزا کے اکثر مکتوب الیہ ان کے نادیدہ دوست تھے جن کو انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی خطوط کے طرز ادا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدتوں کے یار غار ہیں ایک نہیں بلکہ صدہا صحبتوں کے لطف اٹھائے ہوئے ہیں یہ اعجاز تحریر کہ نادیدہ لوگوں کے اخلاق و عادات سے بھی اسی طرح واقف معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان کے ساتھ مدتوں صحبت رہی ہے۔

(۱۰) مرزا کے اکثر احباب کی علیحدہ علیحدہ جماعتیں اور ٹولیاں تھیں جن کا ذکر اس جماعت کے کسی سربرآوردہ شخص کے خطوط میں برابر ہوتا رہتا ہے اور اس جماعت کے ہر ہر فرد کو مرزا حسب مذاج بے تکلفی و محبت سے یاد کرتے رہتے ہیں مثلاً ایک جماعت کے احباب حسب ذیل ہیں :۔

مرزا علاؤ الدین احمد خاں، ان کے چچا زاد بھائی مرزا شہاب الدین احمد خاں
مرزا علی حسن خاں، استاد میر جان، حمزہ خاں (ایک بوڑھے آدمی) علاؤ الدین احمد خاں
کے استاد تھے) مرزا قربان علی بیگ سالک، مرزا شمشاد علی بیگ رضوان،

دوسری جماعت کے احباب :-

صاحب عالم مارہروی، ان کے بیٹے شاہ عالم، چودھری عبدالغفور سرور
چودھری غلام رسول، شیخ عطا حسین۔

تیسری جماعت کے احباب :-

نواب میر غلام بابا خاں، میاں داد خاں سیاح، میر ابراہیم علی خاں وفا
حکیم احمد حسن قنوجی وغیرہ۔

چوتھی جماعت کے احباب :-

میر مہدی مجروح، ان کے چھوٹے بھائی میر سرفراز حسین الملقب بہ مجتہد العصر
میرن صاحب، یوسف علی خاں، یوسف مرزا، حکیم میر اشرف علی۔

پانچویں جماعت کے احباب :-

مرزا الفت، مرزا حاتم علی مہر، منشی نبی بخش حقیر، ان کے بیٹے منشی عبداللطیف وغیرہ

مرزا کے زور تحریر کا یہ اثر ہے کہ ان کے الفاظ اور انداز کلام کے ذریعہ سے ان میں سے ہر ایک کا خدوخال ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جماعت کے لوگ اس شخص سے کس طرح پیش آتے ہیں۔ مثلاً ذیل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ میرن صاحب ایک نوجوان حسین خوشرو آدمی تھے اور میر مہدی اور ان کی جماعت کے لوگ ان سے محبت رکھتے تھے۔

"نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔ تم ان سے خواہش وصال کرتے ہو ڈرو میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں

نہیں کہتے۔ نا صاحب یہ کچھ بات نہیں میرے خط کا جواب ان سے لکھوا کر بھجواؤ......"

(بنام میر مہدی مجروح)

"میاں کیوں ناسپاسی و ناحق شناسی کرتے ہو چشم بیمار ایسی چیز ہے کہ جس کی کوئی شکایت کرے (میر مہدی کی آنکھیں دکھنے آئی تھیں جس کی شکایت انھوں نے مرزا کو لکھی تھی) تمہارا نہ چشم بیمار کے لائق اماں چشم بیمار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں جس کو اچھے اچھے عارف دیکھتے رہتے ہیں تم گنوار چشم بیمار کو کیا جانو......"

(ایضاً)

(۱۱) دوستوں سے لطیف مذاق۔ میر مہدی کی آنکھیں دکھنے آئی ہیں ان کو لکھتے ہیں:۔

"تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلّی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اڑی اس کو آپ نے از راہ محبت اپنی آنکھ میں جگہ دی......"

میر مہدی نے ایک ایک مرتبہ لکھا کہ جو خط آپ نے مجکو بھیجا تھا وہ میرے ہم نام کے ہاتھ جا پڑا، اس پر فرماتے ہیں:۔

"وہ جو تم نے لکھا تھا کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہم نام کے ہاتھ جا پڑا صاحب قصور تمہارا ہے کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو۔ مجکو دیکھو کہ میں کب سے دلّی میں رہتا ہوں نہ کوئی اپنا ہم نام ہونے دیا نہ کوئی اپنا عرف ہونے دیا نہ اپنا ہم تخلص بہم پہنچایا......"

(۱۲) خطوط میں نیچ کی باتیں عموماً اس قسم کی باتوں کی تفصیل عام

لوگوں کے لیئے دلچسپی سے خالی ہوتی ہے مگر مرزا کی سحر نگاری اور ان کی عبارت میں دلآویزی اور اثر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ بار بار پڑھئے پھر بھی ان کے خطوط مزہ دیتے ہیں، میر مہدی دلی کے حالات کی تفصیل چاہتے ہیں ان کو لکھتے ہیں۔

"جو پائے حال دلی والسلام لو، مسجد جامع واگذاشت ہو گئی چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کباب یوں نے دکانیں بنالیں، انڈا مرغی، کبوتر بکنے لگا...... ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے۔ کل سے رات کو زی انگیٹھی پر گلنار رہے، بوتل گلاس موقوف.......

اور بولو کیا لکھوں، دھوپ میں بیٹھا ہوں، یوسف علی خاں اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں کھانا تیار ہے خط لکھکر بند کرکے آدمی کو دوں گا اور میں گھر جاؤں گا وہاں ایک دالان میں دھوپ آتی ہے اسی میں بیٹھوں گا منہ ہاتھ دھوؤں گا، ایک روٹی کا چھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤں گا بیسن سے ہاتھ دھوؤں گا، باہر آؤں گا پھر اس کے بعد خدا جانے کون آئے گا کیا صحبت ہو گی......."

نواب امین الدین احمد خاں نے دریافت کیا تھا کہ سنا جاتا ہے آپ نے شراب چھوڑ دی ہے اس کی کیا اصلیت ہے، اس پر ان کے بیٹے مرزا علاؤالدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:-

"بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں کہ ادھر متھرا داس سے قرض لیا ادھر درباری مل کو جا مارا ادھر خوب چند چین سنگھ کی کوٹھی جا لوٹی ہر ایک پاس تمسک مہری موجود، شہد لگاؤ چاٹو نہ مول نہ سود اس سے بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل پھوپھی کے سر، باایں ہمہ کبھی خان نے کچھ دے دیا کبھی الور سے کچھ دلوا دیا، کبھی

ماں نے کچھ آگرہ سے بھیجدیا، اب میں اور باسٹھ روپیہ آٹھ آنے کلکٹری کے تشو روپیہ رام پور کے، قرض دینے والا ایک میرا مختار کار وہ سود ماہ بماہ لیا چاہیے، مول میں قسط اس کو دینی پڑے انکم ٹیکس جدا چوکیدارہ جُدا، سود جدا، مول جدا، بی بی جُدا، بچے جدا، شاگرد پیشہ جُدا، آمد وہی ایک سو باسٹھ، تنگ آگیا، گزارہ مشکل ہوگیا، روزمرہ کا کام بند رہنے لگا، سوچا کہ کیا کروں کہاں سے گنجائش نکالوں، قہر درویش بجان درویش صبح کی تبرید متروک، چاشت کا گوشت آدھا، رات کی شراب گلاب موقوف، بیس بائیس روپیہ مہینا بچا، روزمرہ کا خرچ چلایا، یاروں نے پوچھا تبرید و شراب کب تک نہ پیوگے؟ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ پلائیں گے، پوچھا کہ نہ پیوگے تو کس طرح جیوگے؟ جواب دیا کہ جس طرح وہ جلائیں گے، بارے مہینا پورا نہیں گذرا تھا کہ رام پور سے علاوہ وجہ مقرری اور روپیہ آگیا، قرض متسط ادا ہوگیا، متفرق رہا، خیر رہو، صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہوگئی، گوشت پورا آنے لگا، چونکہ بھائی صاحب نے وجہ موقوفی اور بحالی پوچھی تھی ان کو یہ عبارت پڑھا دینا.......۔

(۱۳) مرزا اپنی شہرت اور نام آوری کو مسلم جانتے ہیں:۔

"قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت و نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت اور متحقق ہے اور تم صاحب بھی جانتے ہو مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کرو اور اس سخرہ کو گمنام اور ذلیل نہ سمجھ لو تم کو چین نہ آئے گا۔ پچاس برس سے دلّی میں رہتا ہوں، ہزارہا خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں بہت لوگ ایسے ہیں۔ کہ

محلہ نہیں لکھتے بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلۂ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔
حکام کے خطوط فارسی و انگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے "صرف
شہر کا نام اور میرا نام۔ یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور ان خطوط کو تم دیکھ
چکے ہو اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتاؤ۔ اگر میں تمہارے
نزدیک امیر نہیں، نہ سہی اہلِ حرفہ میں سے نہیں ہوں کہ جب تک
محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتہ نہ پائے۔ آپ صرف دہلی لکھ کر
میرا نام لکھ دیا کیجیے خط کے پہنچنے کا میں ضامن۔۔۔۔۔۔"

(بنام مرزا علاؤالدین احمد خاں)

(۱۴) پنشن سے دربار و خلعت کی برقراری مقدم سمجھتے ہیں:۔
"مجھ کو دربار و خلعت کے لالے پڑے ہیں تم پنشن کا فکر کیے ہو۔ یہاں کے
حاکم نے میرا نام فرد میں نہیں لکھا میں نے اس کا اپیل نواب لفٹنٹ گورنر
بہادر کے ہاں کیا ہے، دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔۔۔۔۔۔"

(بنام میر مہدی مجروح)

(۱۵) اہلِ یورپ کے مذاق کے خلاف مرزا کے خطوط میں کھانے پینے کی
چیزوں اور زبان کے چٹخاروں کا کہیں پتہ نہیں، مگر شراب کو مستثنیٰ کر کے جس کا
ذکر اکثر خطوط میں ہے، مرزا کے ماکولات کا بھی کہیں کہیں ذکر ہے۔۔
"شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے کئی طرح کے سالن، پلاؤ، مزعفر، چٹنی
دونوں وقت روٹیاں، خمیری چپاتیاں، مربے، اچار میں غرض خوش، آنکھ
بھی خوش (یہ رامپور کے کھانے کی تفصیل ہے)
"میاں، چاول تھوڑے تو بھیجتے نہیں، لمبے نہیں، پتلے نہیں، اب زیادہ قصہ کر
پرانے اور پتلے چاول آئیں، ایک روپیہ کے خرید کے بھیج دو، یاد رہے

نئے چاول قابض ہوتے ہیں اور پرانے چاول قابض نہیں ہوتے یہ میرا تجربہ ہے۔"

(بنام حکیم غلام نجف خاں)

"ننھی بکروں کے گوشت کے قلیے، دوپیازے، پلاؤ، کباب جو کچھ تم کھا رہے ہو مجھ کو خدا کی قسم اگر اس کا خیال بھی آتا ہو۔ خدا کرے بیکانیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسر نہ آیا ہو۔ کبھی یہ تصور کرتا ہوں کہ میرجان صاحب اسی مصری کے ٹکڑے چبا رہے ہوں گے تو یہاں رشک سے اپنا کلیجہ چبانے لگتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

(بنام مرزا علاءالدین احمد خاں)

"تاریخ نے مزہ دیا، خدا جانے وہ خرمے کس مزہ کے ہونگے جن کی تاریخ ایسی ہے دیکھو صاحب یہ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ تاریخ دیکھی اس کی تعریف کی، خرمے کھائیں گے اس کی تعریف کریں گے، کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آئے کہ یہ حسن طلب ہے کہ ناحق تم دین محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو۔ ابھی رقعہ لے کر آیا ہے ابھی خرمے لیکر آئے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اگر ایسا ہی خیال تم لوگے یہی عمل میں لاؤ گے اور میاں دین محمد کے ہاتھ خرمے بھیجو گے تو ہم تم سے آزردہ ہو جائیں گے۔ تازہ شے بہتر، بارہ سے بہتر (آخری دو فقروں میں جو تجنیس ہے ملاحظہ کے قابل ہے)۔۔۔۔۔۔"

(بنام میر احمد حسین میکش)

آخر عمر میں یہ خوراک رہ گئی تھی:-

"اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے بہترواں برس شروع ہوا، غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی، قریب شام کبھی کبھی تین تلے ہوئے کباب چھ گھڑی رات گئے

پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر۔۔۔۔۔۔"

(بنام منشی حبیب اللہ خاں ذکا)

(۱۶) انگریزی زبان میں شعراء اردو کا تذکرہ:۔

"وہ (ریٹیکن صاحب) تذکرہ شعراء ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں مجھ سے بھی انھوں نے مدد چاہی ہے میں نے سات کتابیں بھائی ضیاء الدین خاں صاحب سے مستعار لیکر ان کے پاس بھیجدیں پھر انھوں نے مجھ سے کہا کہ جن شعراء کو تو اچھی طرح جانتا ہے انکا حال لکھ بھیج، میں نے سولہ آدمی لکھ بھیجے بقید اس کے کہ اب زندہ موجود ہیں اور اس سواد کی صورت یہ ہے (۱) نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو۔

۔۔۔۔۔۔(۲) نواب مصطفٰی خاں بہادر، علاقہ دار جہانگیر آباد۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔(۳) منشی ہرگوپال معزز قانون گو سکندر آباد کے کہ تفتہ تخلص کرتے ہیں اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد۔۔۔۔۔۔ اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل نہ کیا جاوے گا صرف شاعر کا اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن اور وطن کا نام مع تخلص درج ہوگا۔۔۔۔۔۔ ۱۸۶۱ء"

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

(۱۷) تصویر کے متعلق۔ اپنی تصویر کے متعلق مرزا نے جن خطوط میں ذکر کیا ہے یا جس کو جس کو وہ تصویر بھیجی ہے ان کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے:۔

"میاں محمد افضل تصویر کھینچ رہے ہیں جلدی نہ کرو، دیر آید درست آید (یہ تصویر قلمی معلوم ہوتی ہے)۔۔۔۔۔۔"

(بنام میر مہدی مجروح)

"بارے بصورت تصویر دونوں صاحبوں یعنی حکیم سید احمد حسن مودودی اور نواب میر ابراہیم علی خاں وفا کی خدمت میں میرا سلام پہونچنا معلوم ہوا اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا خدمت بجالانی نہیں ہوسکتی مگر خیر حضرت کے پیش نظر حاضر رہوں گا........"

(بنام حکیم سید احمد حسن مودودی)

"آج ۱۶ر جون ۱۸۶۶ء بارہ بجے عنایت نامہ آیا، سرنامہ دیکھکر سفیدہ صبح مراد سمجھا، تنکا ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا خط پڑھکر وہ حال طاری ہوا کہ اگر تنگانہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا، اگر جان عزیز نہ ہوتی تو سر پھوڑتا اور کیونکر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو کھنچواکر بصورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا، لفافہ انگریزی اقبال نشان شہاب الدین خاں سے لکھواکر بیرنگ ارسال کیا اس فرمان میں اس لفافہ کے رسید نہ پائی ظاہرا ڈاک پر ڈاکو گرے اور میرے پیکر بے روح کے ٹکڑے اڑا دیئے........"

(بنام شہزادہ بشیر الدین)

"صاحب اس بڑھاپے میں تصویر کے پردہ میں کیا کھنچا کھنچا پھروں گوشہ نشین آدمی عکس کی تصویر اتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں، دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھنچی ہوئی ہے اگر وہ ہاتھ آجاوے گی تو وہ ورق بھیجدوں گا۔"

(بنام میاں داد خاں سیاح)

"تصویر کا حال یہ ہے کہ ایک مصور صاحب میرے دوست میرے چہرے کی تصویر اتار کرلے گئے اس کو تین مہینے ہوئے آجتک بدن کا نقشہ

کھینچنے کو نہیں آئے ہیں نے گوارا کیا آئینہ پر نقشہ اتروانا بھی ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں عید کے دن وہ آئے تھے میں نے ان سے کہا کہ بھائی میری شبیہ کھینچ دو۔ وعدہ کیا تھا کہ کل تو نہیں پرسوں اسباب کھینچنے کا لیکر آؤں گا۔ یہ پانچواں مہینہ ہے آجتک نہیں آئے ......"

(ایضاً)

(۱۸) دیوان اردو کی خراب طباعت سے بیزاری، مرزا کا دیوان مطبع احمدی شاہدرہ دلّی میں جس کے مالک محمد حسین خاں اور مہتمم مرزا امّو جان تھے پہلی مرتبہ چھپا۔ قیمت چھ آنہ، غالباً یہ دیوان بہت خراب چھپا ہوگا جس کی وجہ سے مرزا اس قدر ناراض و بیزار ہیں۔

"دیوان اردو چھپ چکا۔ ہائے لکھنؤ کے چھاپے خانے جس کا دیوان چھاپا اس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلّی پر اور اس کے پانی پر اور اس کے چھاپہ پر لعنت۔ صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرتا جیسے کوئی کتّے کو آواز دے ...."

(بنام میر مہدی مجروح)

(۱۹) مرزا اپنے بے تکلف دوستوں سے استمداد زر میں بے تکلف تھے۔

"یہ تمہارا دعا گو، اگرچہ اور امور میں پایۂ عالی نہیں رکھتا مگر احتیاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے، یعنی بہت محتاج ہے، سَو دو سَو میں میری پیاس نہیں بجھتی، تمہاری ہمت پر سو ہزار آفریں۔ جےپور سے اگر مجکو دو ہزار ہاتھ آجاتے تو میرا قرض رفع ہو جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی اور زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور بل جاتا۔ یہ پانسو تو بھائی تمہاری

جان کی قسم متفرقات میں جاکر سو ڈیڑھ سو بچ رہیں گے سو وہ میرے صرف میں آئیں گے اور وہ جو تفتہ بابو صاحب سے منگوائے گئے تھے وہ صرف انگریزی سوداگر کے دیتے تھے۔ قیمت اس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حرام اور تمہارے مشرب میں حلال ہے سو وہ دے گئے۔۔۔۔۔"

(بنام مرزا تفتہ)

یہ پانسو روپیہ وصول ہو کر حسب ذیل طریقہ سے خرچ کیے گئے۔

"ہنڈوی بارہ دن کی میعادی تھی چھ دن گزر گئے تھے چھ دن باقی تھے مجھ کو صبر کہاں۔ منی کاٹ کر روپیہ لے گئے قرض متفرق سب ادا ہوا۔ بہت سبکدوش ہو گیا آج میرے پاس سینتالیس روپیہ نقد بکس میں اور چار بوتل شراب اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں الحمد للہ علی احسانہ۔۔۔۔۔۔۔۔"

(ایضاً)

(۳۰) مرقع نگاری یعنی الفاظ کے ذریعہ سے سماں کھینچنا۔ مرزا کے خطوط میں اکثر جگہ اس قسم کے سین ہیں جن میں کسی آدمی یا منظر یا موقع کی ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے۔ وفادار ماما:۔

"بی وفادار جن کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں اب تمہاری پھوپھی نے ان کو وفادار بیگ بنا دیا ہے، باہر نکلتی ہیں سودا سلف لا ئیں گی مگر خلیق اور ملنسار ہیں رستے چلتوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ محل سے نکلیں گی ممکن نہیں کہ اطراف نہر کی سیر نہ کریں گی ممکن نہیں کہ دروازہ کے سپاہیوں سے باتیں نہ کریں گی ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو جا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ پھول تمہارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں

یعنی تمہارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں......"

(بنام مرزا علاؤالدین احمد خاں)

جاڑے کی صبح:-

"صبح کا وقت ہے جاڑا خوب پڑ رہا ہے انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے دو حرف لکھتا ہوں ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی نہیں مگر ہائے آتشِ سیال کہاں کہ جب دو جرعے پی لئے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی دل توانا ہو گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ نفسِ ناطقہ کو تواجد بہم پہونچایا۔ ساقیِ کوثر کا بندہ اور تشنہ لب۔ ہائے غضب ہائے غضب......"

(بنام میر مہدی مجروح)

نواب کلب علی خاں مرحوم والی رامپور کی گدّی نشینی کے موقع پر حکام انگریزی کا اجتماع اور دعوت۔ اور نواب صاحب موصوف کی تصویر الفاظ میں:-

"یہاں جشن کے وہ سامان ہو رہے ہیں کہ جمشید اگر دیکھتا تو حیران رہ جاتا شہر سے دو کوس پر آغا پور نامی ایک بستی ہے آٹھ دس دن سے وہاں خیام برپا تھے پرسوں صاحب کمشنر بہادر بریلی مع چند صاحبوں اور میموں کے آئے اور خیموں میں اترے کچھ کم سو صاحب اور میم جمع ہوئے سب سرکار رامپور کے مہمان کل سہ شنبہ ۵ دسمبر حضور پر نور بڑے تجمل سے آغا پور تشریف لے گئے ۱۲ پر دو بجے گئے اور شام کو ۵ بجے خلعت پہن کر آئے وزیر علیخاں خانساماں خواصی میں سے روپیہ پھینکتا ہوا آتا تھا۔ دو کوس کے عرصہ میں دو ہزار سے کم نہ نثار ہوا ہو گا آج صاحبانِ عالی شان کی دعوت ہے ٹین اور شام کا کھانا یہیں کھائیں گے۔ روشنی، آتش بازی کی وہ افراط

کہ رات دن کا سامنا کرے گی۔ طوائف کا وہ ہجوم، حکام کا وہ مجمع کہ اس مجلس کو طوائف الملوک کہا چاہیئے۔

رئیس کی تصویر کھینچتا ہوں۔ قد، رنگ، شکل، شمائل، بعینہ بھائی ضیاء الدین خاں۔ عمر کا فرق اور کچھ کچھ چہرہ اور لحیہ متفاوت۔ حلیم وخلیق، باذل، کریم، متواضع، متشرع، متورع، شعر فہم سیکڑوں شعر یاد نثر کی طرف توجہ نہیں، نظم لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں جلالائے طبا طبائی کی طرز برتتے ہیں شگفتہ جبین ایسے کہ ان کے دیکھنے سے غم کوسوں بھاگ جائے۔ فصیح البیان ایسے کہ ان کی تقریر سن کر ایک اور نئی روح قالب میں آ جائے ....“

(بنام مرزا علاؤ الدین خان)

دلی کی تباہی بعد غدر:-

”سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ (الور) کو اختیار ملے گا مگر وہ اختیار ایسا ہوگا جیسا کہ خدا نے خلق کو دیا ہے سب کچھ اپنے قبضہ قدرت میں رکھا آدمی کو بدنام کیا ہے“

بھائی کیا پوچھتے ہو۔ کیا لکھوں۔ دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع مسجد جامع کا، ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی ہر سال میلہ پھول والوں کا، یہ پانچوں باتیں اب نہیں، پھر کہو دلی کہاں، ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے، دیکھئے کہاں اترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں، آگے کے درباروں میں سات جاگیردار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر، بہادر گڑھ، بلب گڑھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی، لوہارو،

چار معدوم محض ہیں جو باقی رہے اس میں سے دو جانے، لوہارو، تخت
حکومت ہانسی حصار پاٹودی حاضر، اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر
ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس اور نہ ایک رئیس دربار عام والے مہاجن
لوگ سب موجود اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی ہیں، میرٹھ میں مصطفیٰ خاں
سلطان جی میں مولوی صدرالدین خاں، بلی ماران میں سگ دنیا موسوم بہ
اسد تینوں مردود و مطرود۔ محروم و مغموم، تم آتے ہو چلے آؤ۔..........
خانچند کے کوچہ کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھینا۔ جامع مسجد
کے گرد ستر ستر گز گول میدان نکلنا سن جاؤ۔"
"شہر کا حال میں کیا جانوں، یوں ڈیوٹی[1] کوئی چیز ہے وہ جاری ہو گئی ہے
سوائے اناج اور اپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔
جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ حویلیاں ڈھائی
جائیں گی۔ دارالبقا فنا ہو جائے گی، رہے نام اللہ کا۔ خانچند کا کوچہ شاہ
بولا کے بڑ تک ڈھئے گا۔ دونوں طرف پھاوڑہ چل رہا ہے۔"
لو جامع مسجد واگذاشت ہو گئی، رتیلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں
نے دکانیں بنا لیں۔ انڈا، مرغی، کبوتر بکنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھہرے
مرزا الٰہی بخش، مولوی صدرالدین، تفضل حسین خاں۔ تین یہ سات
اور ۷؍ نومبر ۱۴؍ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابوظفر سراج الدین
بہادر شاہ قید فرنگ اور قید جسم سے رہا ہوں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون
آبادی کا حکم عام لوگوں کو کمال لطف و نرمی سے آباد کرتے جاتے

---

[1] یعنی چونگی

ہیں اور ایک نقل سند وہاں کے صاحب کمشنر بہادر اعظم نے جو دیکھا کہ عملے میں ہنود بھرے ہوئے ہیں اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہندوؤں کو اور علاقوں پر بھیجدیا۔ اور ان کی جگہ مسلمانوں کو بھرتی کیا۔"

"عملداری کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں میں نے بھی دیکھے۔ فارسی عبارت یہ ہے "ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ" مقدار روپیہ کی حاکم کی رائے پر ہے آج پانچہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے کل اتوار یوم التعطیل ہے پرسوں دوشنبہ سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم ہوں۔"

مضمون بہت طویل ہے اور دلچسپ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مرزا کے رقعات پر جتنی مرتبہ نگاہ ڈالی جاوے گی اسیقدر ان کے غوامض اور دقائق اور دلچسپ باتوں پر عبور ہوتا جائے گا اور اس دریائے ذخار سے برابر درشاہوار نکلتے آئیں گے اور جس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ کے متعلق فرمایا تھا کہ

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ھو المسک ما کررتہ یتضوع

اسی طرح مرزا غالب کے ذکر کا اعادہ ذکر ارباب نقل مشک کے ہمیشہ خوشبو دیتے اور مشام جاں کو معطر کرتے رہیں گے۔ مگر بخوف طوالت اور اپنی عاجز بیانی کا اعتراف کرتے ہوئے اور اس شعر کو پڑھتے ہوئے کہ

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

ہم اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں۔

خاکسار محمد عسکری عفی عنہ
لکھنؤ مورخہ ۱۴ راگست ۱۹۲۹ء

اُدُبی خطوط مرزا غالبؔ

یعنے

ایسے خطوط جنمیں مرزا نے نکات ادبیہ حل کئے ہیں اشعار کے معنی سمجھائے ہیں اور شعرا کے متعلق رائے زنی کی ہے

نمبر ۱

اپنا ذوق فارسی اور مسلک خلاف جمہور۔ شراح غلطی کرسکتے ہیں اور ان کے کلام کو وحی نہ سمجھنا چاہیئے "دیوانگی محبت تو" الخ تشریح "دیوانگی محبت" اور "دیوانگی و محبت" میں فرق "تا ہر چہ گذشتی" "تو مکرر شنو" کی تشریح۔

اپنا ذوق فارسی اور مسلک خلاف جمہور

چودھری صاحب شفیق مکرم کی خدمت میں بعد ارسال سلام مسنون عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ذرہ پروری اور درویش نوازی کی ورنہ میں سزاوار ستائش نہیں ہوں ایک سپاہی زادہ ہیچمداں اور پھر دل افسردہ و دوراں فشردہ۔ ہاں ایک طبع موزوں اور فارسی زبان سے لگاؤ رکھتا ہوا، اور یہ بھی یاد رہے کہ فارسی کی ترکیب الفاظ اور فارسی اشعار کے معنی کی پرداز میں میرا قول اکثر خلاف جمہور رہا ہے گا اور حق بجانب میرے ہوگا۔

شراح غلطی کرسکتے ہیں اور ان کے کلام دوبارہ سمجھنا چاہیے

پہلے میں حضرت سے پوچھتا ہوں کہ یہ صاحب جو شرحیں لکھتے ہیں کیا یہ سب ایزدی سروش ہیں اور ان کا کلام وحی ہے۔ اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ہر جگہ ان کا قیاس غلط ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کوئی کہہ سکتا کہ جو کچھ یہ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے اسی چھاپیے۔ نیز کہ جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں "مثلہ یا قسم عقل کل الخ" اس شعر کی شرح کو ملاحظہ کیجیے عبارت وہ تعقید سے لبریز کہ مقصود شارح کا سمجھا بھی نہیں جاتا اور جب غور و خوض کے بعد سمجھ لیجیے تو وہ معنی ہرگز لائق اس کے نہیں ہیں کہ فکر سلیم اس کو قبول کرے۔ پھر "احسان تو نشگافتہ الخ" اس مصرع کی توجیہ کتنی بے مزہ اور بے نفع ہے عرفی کو کہاں سے لاؤں جو اس سے پوچھوں کہ بھائی تو نے اس شعر کے کیا معنی رکھے ہیں۔

دیوانگی محبت تو الخ کی شرح

سلہ دیوانگی محبت تو کامروز مسلم ست مارا
بیگانہ ز تاج کرد تارک آوارہ ز کفش کرد مارا

جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ دیوانگی میں یہ حالت بعید نہیں ایسا ہی اگر کوئی کہے منصب دیوانی سے یہ بات بعید ہے تو پھر شارح کیا جواب دیگا ہاں یہ کہیگا کہ غلبۂ محبت میں پاس وضع نہ رہا اور دیوان جی صاحب گپڑی سے ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل بھاگے ہم نے مانا مگر ہم پوچھتے ہیں کہ "دیوانگی" کیوں نہ رکھیں کہ دوسرے شعر کے معنی بے تکلف منطبق ہو جائیں اور توجیہات درمیان نہ آئیں۔

"دیوانگی محبت" اور دیوانگی

فقیر کے نزدیک "دیوانگی محبت" تو صحیح اور بے تکلف ہے

سلہ ان اشعار کی تشریح خط نمبر ۲ میں کی گئی ہے ۱۲ سلہ عرفی قصیدہ نعتیہ ۱۲

اور دیوانگی و محبت" غلط محض اور "دیوانگی محبت" تو تکلف محض دیوانگی اور محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں۔ غور کیجیے عطف واؤ یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اسی حالت میں اس کو محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں تاج و کشف بیچا تھی محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔ کیا بے مزہ توجیہ ہے ہاں "دیوانگی محبت" یعنی وہ جنون جو فرط محبت میں بہم پہونچا اس نے اس احوال کو پہونچایا۔ فقیر "دیوانگی محبت" کہیگا اور "دیوانگی و محبت" کہنے کو منع کرے گا اور "دیوانگی محبت" کہنے کو نہ مانع آئے گا نہ تسلیم کرے گا۔ زیادہ اس سے کیا عرض کروں یاد آوری اور مہر گستری کا شکر بجا لاتا ہوں اور بس۔

اب یہاں سے روئے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم صاحب کی طرف ہے اپنے مخدوم و مطاع حضرت صاحب کی خدمت میں بندگی عرض کرتا ہوں اور حیران ہوں کہ اور کیا کہوں۔۔ ۔۔ ۔۔

پھر چہ گفتی از تو مکرر شنودے کی تشریح	ہیں تا ہر چہ گفتی از تو مکرر شنودہ ہے بشنیدے کی رعایت سے کہ وہ بیائے مجہول ہے یعنی بیشتر اکثر صاحب گفتی

کو بھی بیائے مجہول پڑھتے ہیں تاکہ "بگفتی" کے معنی پیدا ہوں۔ اس صورت میں خطاب سے بطرف غیبت کے رجوع کرتے ہیں اور "گفتی" بیائے معروف کہ صیغہ واحد حاضر ہے از منہ میں سے اشعار زمانہ ماضی رکھتا ہے اور "شدن" "شود" یہ سب استقبال کے مقتضی ہیں اور معروف "گفتی" ماضی ہے پس اگر "گفتی" بیائے معروف کہیئے تو اوپر کے مصرعہ میں "بدی" کہنا ہو گا بودی کا مخفف خلاصہ یہ کہ اگر وہاں "بُدی" کہیئے تو یہاں "گفتی" بیائے معروف بے تکلف درست اور بیائے مجہول غلط ہے اور اگر وہاں "شدے" کہیئے تو یہاں "گفتے" بیائے مجہول کہیئے غیبت اور خطاب کا تفرقہ مٹا دیجیے "گفتے" بیائے مجہول میں خطاب

حاضر مقرر رہتا ہے۔ اور تو کا لفظ جو قریب ہے وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا نظائر اس کے فارسی میں بہت ہیں۔ رباعی کے باب کی پرسش ہر گونہ رہے نہیں کہی زیادہ حد ادب۔

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۲

تکمیل فارسی کے واسطے مناسبت طبیعت اور تتبع اہل زبان ضروری ہے

تشریح ۔ منکر باشم عقل کل را ناوک انداز ادب ٭ مرغ اوصاف تو از اوج بیان انداختہ

تشریح ۔ انعام تو بر دوختہ چشم و دہن آز ٭ احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را

تشریح ۔ ناموس نگہ داشتی از جود بہ گیتی ٭ بے پردگیان حرم معدن و یم را

تشریح ۔ وقت است کہ این قوم بہر کوچہ و بازار ٭ پرسند زہم منشا و رسوائی کرم را

رباعی کی حقیقت۔ رباعی خاقانی ذو قافیتین۔ رباعی غالب۔ اقسام نثر رقعہ غالب و نثر مرجز (بلینک ورس)

تکمیل فارسی کے لیے مناسبت طبیعت اور تتبع اہل زبان ضروری ہے

بندہ پرور مہربانی نامہ آیا سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا۔ فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے پھر تتبع کلام اہل زبان لیکن یہ اشعار قتیل و واقف و شعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ انکو موزونی طبع کا نتیجہ کہیے اور کسی تعریف کے شایان نہیں ہیں نہ ترکیب فارسی نہ معنی نازک۔ ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ جو اطفال دبستان جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔ جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشید و طواط اور ان کے امثال و نظائر کا کلام بالاستیعاب دیکھا جائے اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہونچے اور ذہن اعوجاج کی طرف نہ لیجائے تب آدمی جانتا ہے کہ

یہاں فارسی یہ ہے۔

منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب
مرغ اوصاف ترا ز اوج بیان انداختہ

"منکہ باشم" اس کی جو شرح چھاپہ میں لکھی ہے اس کو ملاحظہ کیجیے اور معنی میرے نشان کیجیے تو میں سلام کروں۔ پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیے کہ "ز اوج بیان انداختہ" کا فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے اگر "عقل کل" کو انداختہ کا مفعول اور "ترا" کے کاف کو کرامیہ ٹھہراؤ گے تو بے شبہ "انداختہ" کے فاعل دو ہو جائیں گے ایک "ناوک انداز ادب" اور ایک "مرغ اوصاف تو" ایک فعل اور دو فاعل یہ کیا طریق اور کیسی تحقیق ہے اب فقیر سے اس کے معنی سنیے "من" "انداختہ" کا مفعول "را" مقدر "منکہ" کا کاف توصیفی "ناوک انداز ادب" اوب آموز یعنی استاد "مرغ اوصاف تو" فاعل مجھکو کہ عقل کل کا استاد ہوں تیرے مرغ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا عقل کل تک کہ وہ علویوں میں اعلیٰ ہے اس کا ناوک پہونچ سکتا مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے کہ جہاں اس ناوک انداز کو ناوک پہونچانے کی گنجائش نہیں اوج بیان سے گرنا عاجز آنا ہے قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا اچھا مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز باوجود دعوائے قدرت کا۔

انعام تو بر دوختہ چشم و دہن آز
احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را

انعام تو بر دوختہ چشم و دہن آز احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را پہلے مصرعہ کے تو معنی وہی ہیں جو چھاپے میں لکھے ہیں مصرعہ ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا "احسان تو ہر قطرہ دریا بشگافت تاہم بقید حساب زیادہ یہ ہے حیران اس معنی کے معنی نہیں سمجھا سیدھی بات ہے مگر خیال ہر جب آئیگی

۱؎ عرفی قصیدہ حمد ۲؎ عرفی قصیدہ نعتیہ

کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایثار وعطا میں مروارید و یاقوت اور بحر و معدن کی کم حقیقتی آئی ہے لعل و در کا معدوم ہو جاتا اور بحر و کان کا خالی رہ جانا نئی نئی طرح سے باندھا ہے چنانچہ میں نے کسی زمانہ میں اسی زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا اس میں کے دو شعر آپ کو لکھتا ہوں۔

ناموس نگہ داشتی از جود بگیتی — جز پردگیان حرم معدن و یم را
رقت است کہ این قوم بہر کوچہ و بازار — پرسند ز ہم منشاء رسوائی ہم را

ناموس نگہ داشتی از جود بگیتی
جز پردگیان حرم معدن و یم را
رقت است کہ این قوم بہر کوچہ و بازار
پرسند ز ہم منشاء رسوائی ہم را

"پردگیان حرم معدن و یم" لعل و گوہر جو کثرت ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں وہ باہم دگر دردمندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی آبروئیں بچائیں ہم کو اس قدر بے حرمت اور ذلیل کیوں رکھا ہے۔ قطرۂ دریا کا حساب کے واسطے چیرنا۔ بے حساب ہے مقولہ عرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے وہ بخش دیے اور بخشش کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرہ میں بالقوۃ استعداد دُرّی ہو جانے کی ہے تو احتمال سے ہر قطرۂ دریا کو چیر ڈالا کہ اگر موتی ہاتھ آویں تو وہ سائلوں کو دیے جاویں۔[1] پہلے مصرعہ میں حرص کا سیر کر دینا موافق مسلمات شعر متقدمین او

---

[1] مختصر یہ کہ شارح کے نزدیک مطابق تر احسان نے دریا کے قطروں کو اس واسطے چیرا کہ وہ بذل و عطا کے جواب میں پورے پڑ جائیں۔ مگر مرزا صاحب کے معنی نہایت شاعرانہ اور لطیف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قطرے چیرنے کی غرض یہ تھی کہ ان میں استعداد موتی بننے کی دریافت کی جائے اگر ان میں ایسی استعداد پائی تو وہ سب موتی انعام میں دیے

وان فاق الورى فى الجنس الفضل — فان الدر بعض القطر فى الاصل

یہ شعر علامہ عبد الجلیل بلگرامی کا مرزا کے خیال اور معانی کی تصدیق کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس متنبی کا یہ شعر

وان تفق الانام وانت منهم — فان المسک بعض دم الغزال

بھی انہیں معنی کا موید ہے۔

اس کا موقوع میں آنا اغراق دوسرے مصرعہ میں باحتمال استعداد بالقوۃ قطرہ کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرہ کو یہ اغراق سے گزر کر تبلیغ و غلو ہے۔

یہاں سے خطاب حضرت صاحب عالم کی طرف ہے۔ مخدوم مکرم و مطاع معظم قبلۂ دیدہ و دل کہ جو میرے اور لینے ملنے کو از قسم فرض محال نہیں مانتے ہیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو جیسا وہ جانتے ہیں۔ تقصیر معاف ہو اگر دنیا میں ظہور ہر امر کا بحسب مساعدت اسباب ہے تو اس تمنا کا حصول مانند اعادۂ شباب ہے۔

کوئی وجہ نہیں پاتا آپ کے یہاں تشریف لانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی میرے وہاں آنے کی اگرچہ چیز امکان سے باہر نہیں مگر وقوع میں تامل ہے اب جو بھائی منشی نبی بخش صاحب کو خط لکھوں گا تو آپ کا سلام ضرور لکھ دوں گا آپ نے احباب الخاص کی خیر و عافیت عموماً لکھی یا بالتخصیص حضرت شاہ عالم صاحب کا سلام نہ لکھا کیا وہ وہاں نہیں ہیں اور اگر نہیں ہیں تو ان کا حال مجھ کو لکھئے اور اگر وہاں ہیں تو میرا سلام ان کو کہیے۔

رباعی کی حقیقت | رباعی کے باب میں بیان مختصر یہ ہے کہ اس کا ایک وزن معین ہے عرب میں دستور نہ تھا سوادِ عجم کے یہ بحر ہزج میں سے نکالا ہے "مفعول مفاعلن فعولن" ہزج مثمن اخرب مقبوض مقصور۔ اس وزن پر "فعلن" بڑھا دیا ہے "مفعول مفاعلن فعولن فعلن" زحافات اس میں بعض کے نزدیک اٹھارہ اور بعض کے نزدیک چوبیس ہیں اور وہ سب جائز اور روا ہیں اور اس بحر کا نام بحر رباعی ہے رباعی سچ ہے کہ سوائے اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی اور نہ جو مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں اس راہ سے کہ چار مصرعے ہیں کہو ورنہ رباعی نہیں ہے نظم ہے۔ قدما کو بیشتر اس کا التزام تھا کہ ہر مصرع میں قافیے رکھتے تھے۔

رباعی خاقانی ذوقافیتین | خاقانی برعایت صنعت ذوقافیتین کہتا ہے رباعی

من بودم وآن نگار روحانی رئے　　افگندہ وران دو زلف چوگانی گوئے
خلقے بدر ایستادہ خاقانی جوئے　　من در حرم وصال سبحانی گوئے

اپنی رباعی | میں پانچ سات برس سے بہرا ہو گیا ہوں ایک رباعی چار قافیہ کی اس مضمون خاص کی میں نے لکھی ہے لیے رعایت صنعت ذوقافیتین رباعی

دارم دل شاد و دیدۂ بینائے　　ذکری گوشم بنود پروائے
خوبست کہ نشنوم ز ہر خود رائے　　گلبانگ انا ربکم الاعلائے

فقیر اس باب میں متعصب ہے اور وزن کی دو بیت میں قافیہ والی کو رباعی نہ کہے گا۔

اقسام نثر | (۱) نثر عاری نہ قافیہ نہ وزن (۲) نثر مسجع قافیہ موجود وزن مفقود مگر اس میں تسجیع کی رعایت ضرور ہے یعنی فقرہ میں کے الفاظ مماثل اور ملائم ہم دگر ہوں اور اگر یہ بات نہ ہوگی اور صرف قافیہ ہوگا تو اس کو مقفیٰ کہیں گے نہ مسجع (۳) نثر مرجز وہ ہے کہ وزن ہو اور قافیہ نہ ہو جب آپ لالہ قتیل کے گھڑے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو مجکو فقرہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں زمانۂ گزشتہ میں بھائی ضیاء الدین خانصاحب نیر تخلص ایک مختصر سا دیوان حضرت نظامی کا مجکو دکھانے لائے تھے اس میں نثر مرجز بھی ہیں اس دن مصطفیٰ خان حسرتی کو خط لکھا چاہتا تھا اسی وضع پر خط لکھا اور وہ خط "پنج آہنگ" میں ہے مگر میں نے اس طرز میں بمقتضائے شوخی طبع یہ بات کی ہے کہ ایک جگہ جو فقرے مقفےٰ ہو گئے ہیں اور وہ لفظ مجکو پسند آئے ہیں میں نے اسکو یوں ہی رہنے دیا ہے اس کو دستور میں تصور نہ کیجیے گا وہ رقعہ یہ ہے[1]

---

[1] ایسے اصحاب کے لئے جو مرزا غالب کے کلام کے عاشق تو ضرور ہیں مگر ان کی (بقیہ صفحہ ۵۸ پر)

(نوٹ متعلق صفحہ ۵۷) بولی نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں۔ اس خط کا مضمون صاف اور عام فہم اردو میں لکھا جاتا ہے تاکہ ہر شخص اس کو سمجھ لے اور یہ دیکھے کہ مرزا معمولی باتوں کو کس شاعرانہ انداز سے اور کیسے دلچسپ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ خط نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے نام ہے جن سے مرزا صاحب کو کمال محبت اور خلوص تھا۔ اور ان کو بھی مرزا صاحب سے حد درجہ کی عقیدت اور محبت تھی۔ مرزا کو نواب صاحب سے ان کی بے پروائی کی سخت شکایت ہے اسی وجہ سے خط میں ان کو "خواجہ بے پروا" کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

مجھکو نہایت افسوس اور رنج ہے اور اسی رنج میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں جس دن آپ جانے والے تھے اور وہ رقعہ بھیجا تھا تو اس کو پڑھکر مجھے بیحد افسوس ہوا میں نے دل میں سوچا کہ اب کیا کروں ہے کام بگڑ گیا مجھکو اسی وقت جاکر معذرت کرنا چاہیئے جانے کو بالکل تیار تھا مگر شدت گرد وغبار کی وجہ سے نہ جا سکا پھر شام ہو گئی اور بالکل اندھیرا ہو گیا میں اسی رنج والم میں پڑا رہا مگر سوتا کیا خاک غمزدوں کو کہیں نیند آتی ہے اسی حالت میں صبح ہو گئی اور آفتاب نکل آیا اور میں نے اسی کرب وبے چینی میں دل کا راز زباں پر لانا چاہا ناگاہ اسی عالم تنہائی سے ایک صورت مثل نے کے پیدا ہوئی اور میری مونس وغمخوار بنی۔ میں نے چاہا کہ اپنے نالوں کا اظہار اس کی آواز سے کروں مگر اسکی آواز بھی میرے نالوں کی طرح درد انگیز تھی جس وقت کہ میری سانس اور نے میں کشاکش جاری تھی میں نے ایک سادہ کاغذ اٹھایا اور جو دھواں کہ میرے دل سے اس وقت اٹھ رہا تھا وہ نقوش کی صورت میں کاغذ پر جم گیا اور ایک تحریر کی صورت اس نے اختیار کر لی۔ اس کاغذ کو جو میرا دلی راز اور نیز دلی نیاز تھا میں نے خط سمجھکر موڑا اور فوراً اس کو لفافہ میں بند کر کے اور پتہ لکھ کے آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہر چند کہ جانتا ہوں کہ آپ کی شان شایان بے پروائی و استغنا ہے مگر پھر بھی کسی کا عذر نہ قبول کرنا اچھی چیز نہیں ہے آج میرے عزیز وحبیب نواب ضیاء الدین خاں نیر آئے تھے اور دیوان نظامی مجھے دکھانے لائے تھے اس میں ایک ایسی دلکش چیز نظر پڑی کہ اسی طرز پر یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اکبر خاں صاحب کو میرا سلام پہنچے۔

رقعہ غالب در نثر مرجئہ ابلینگ ورس)

ہاں خواجہ بے پروا! من بندہ کہ غمناکم، وز غصہ جگر چاکم، خواہم سخنے گفتن، آں روز کہ می رفتند، آں نامہ فرستادند، کز دیدن آں خوں شد، دل تا جگر آزاندہ، گفتم چہ کنم غالب، چوں کار دگرگوں شد، بیبایدم اینک رفت، تا عذر سخن خواہم، چوں گرد غبارے بود، رفتن نتوانستم، آں روز بشام آمد، یکسر تیرہ تر شد، سر ماندہ ببالیں بر، چوں غمزدگاں خفتم، ہے ہے چہ توانند خفت، آں خستہ کہ غمخوارش، بر زخم نمک ریزد، وز دیدہ بیدارش، شورابہ رواں باشد، چوں از افق شرقی، خورشید درخشندہ، ناگاہ میرے بر زد، آتش بجہاں در زد، مرغ سحری پر زد، رفتم بجگر کاوی، واں راز نہانی را، از دل بزباں دادم، وز صورت تنہائی، بے پردہ چو ہمرازاں، نے آمد و ہمدم شد، چنداں کہ دم اندر سینے، از مہر دمیدم من، چوں من بنوا آمد، زاں نالہ کہ بر لب بود، از باطن نے سر زد، آں دم کہ نفس با نے، زیں گونہ کشاکش کرد، یک کاغذ نوشتہ، بود است بدستم در، چوں نالہ نمودے داشت، زاں شعلہ کہ دودے داشت، بر صفحہ نشاں ماند، گفتم مگر ایں صفحہ، غمنامۂ راز استے، فہرست نیاز استے، باید کہ فرو پیچم، وانگہ بہ تنا منمدی، زی خواجہ رواں سازم، کوتاہ کنم گفتن، آں نامہ کہ من گفتم، صحابے در والا، بردند و رواں کردند، ہر چند در اندیشہ پیدا است کہ خوش باشد، با خواجگی استغنا، با ایں ہمہ خوش نبود، پوزش نہ پذیرفتن،

امروز سحرگاہاں، روشن گہر آں نیر، کش روح رواں وانم، بل خوشتر ازاں وانم، دیوان نظامی را، آوردہ بسوئے من، زیں گونہ نوا ہا بود، در پردۂ گفتارش، کز ذوق بہنجارش، ایں زمزمہ سر کردم،

والا گہر اکبر خاں، خوانند سلام از من

نمبر ۶۰

"دستنبو" کیونکر شروع ہوئی ؛ من آن دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت [1] کی شرح

بندہ پرور ۔ آپ کا تفقد نامہ محررہ پندرہ نومبر آج پنجشنبہ کے دن اٹھارہ نومبر کو یہاں پہونچا ۔ مارہرہ کا خط دلی چوتھے دن آیا ۔ پھر دلی کا خط مارہرہ دیر میں کیوں پہونچتا ہے ۔ تو تمہاری خوسی اب کی یہ خط بیرنگ بھیجتا ہوں ۔ مگر مجھ کو اطلاع دیجئے گا کہ کس دن پہونچا ۔

"دستنبو" کیونکر شروع ہوئی ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا میں نے اسی دن گھر کا دروازہ بند اور آنا جانا موقوف کر دیا بے شغل زندگی بسر نہیں ہوتی اپنی سرگذشت لکھنا شروع کی جو سنا یا گیا وہ بھی ضمیمہ سرگذشت کرتا گیا مگر بطریق لزوم مالایلزم اس کا التزام کیا ہے کہ بزبان فارسی قدیم جو دساتیر کی زبان ہے اس میں یہ نسخہ لکھا جائے اور سوائے اسماء کے کہ وہ نہیں بدلے جاتے کوئی لغت عربی اس میں نہ آئے چنانچہ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں مگر یہ نذر ہے جناب قبلہ و کعبہ حضرت صاحب عالم کی ، اور چونکہ وہ آپ کے بزرگ ہیں جرأت نہ کر سکا کہ آپ کی نذر کروں اور ہیں ان کو مشترک رکھوں ۔ نذر ان کی ہے اور فیضیابی آپ کی مطالعہ سے ۔ پیہات یہ کاتب اساتذہ کے کلام کو کیا بگاڑ دیتے ہیں گویا مسخ کر دیتے ہیں ۔ آن سے بعید نہیں لیکن تم سے اور حضرت صاحب سے بعید ہے کہ سہو کاتب کا نہ سمجھ لیا ۔

من آن دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت الخ | دو کانوں کا علی التواتر آنا دوسری بات ہے

---

[1] عرفی کے ایک قصیدہ نعتیہ کا اڑتالیسواں شعر ہے ۔ من آن دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت ÷ کہ تسکین است موج انگیز و آرام است طوفانش ۔ یہ قصیدہ خاقانی کے اس قصیدہ کے جواب میں ہے جس کا مطلع ہے ۔ دل من پیر تعلیم است و من طفل زبان دانش الخ

"دریائے آشوب" کیا ٹکسال باہر لفظ ہے استعارہ بالکنایہ صحیح مگر یہ محل نہیں ہے یہاں تو دریا چاہیئے بے شائبہ استعارہ و کنایہ۔ عیاذاً باللہ عرفی اگر ایک بڑا قدح بھنگ کا یا ایک بوتل شراب کی پیئے ہوئے ہوتا تو بھی یوں نہ لکھتا۔ اس غریب کا مصرعہ یوں ہے سے "من آں دریا پر آشوبم کہ از تاثیر خاصیت" "دریا" موصوف "پر آشوب" صفت۔ دوسرے مصرعہ کا کاف صفت کی تاثیر۔

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۴

قتیل کی نسبت رائے "کدہ" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ نثر مرجز اور نثر مقفٰے کا فرق۔ نظامی اور ظہوری کی نثروں کے اوزان۔ اقسام نثر مسجع اور مرصع کا فرق "حاشا" اور "حاش اللہ" اس کی نسبت علیشی کی رائے "ہمہ عالم" کے اعتراض کا جواب "انتظار" اور "انتظاری"

اب خطاب جناب حضرت صاحب عالم صاحب کی طرف ہے پیر و مرشد قلم کا کام زبان سے لینا یعنی تحریر کے مطالب کو پڑھنا اور پڑھا دینا آسان ہے اور زبان کا کام قلم سے لینا دشوار ہے یعنی جو کچھ کہا چاہیئے اس کو کیونکر لکھا چاہیئے وہ بات کہاں کہ کچھ میں نے عرض کیا کچھ آپ نے فرمایا دو چار باتوں میں جھگڑے نے انجام پایا۔ خیر دولت ہمزبانی کہاں میسر۔ آپ کے حکم بجا لانے کو اپنا شرف جانتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ نظامی اب ایسا ہوا کہ جب تک فرید آباد کا کھتری دیوان سنگھ۔

قتیل اسم تخلص قتیل جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے اس کی تصدیق نہ کرے تب تک اس کا کلام قابل استناد نہو قتیل اساتذہ سلف کے کلام سے قطعاً آشنا ہی نہیں اس کے علم فارسی کا ماخذ ان لوگوں کی تقریر ہے جو کہ نواب سعادت علیخاں کے

وقت میں ممالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے اور ہنگامہ آرا ہوئے بیشتر سادہ کشمیری یا کابلی و قندھاری و ہراتی احیاناً عامۂ اہل ایران میں سے بھی کوئی ہو مانا کہ عظمائے ایران سے بھی کوئی ہو گا۔ تقریر اور ہے تحریر اور ہے اگر تقریر بعینہ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ بقراط اور شرف الدین علی یزدی اور ملا حسین واعظ کاشفی اور طاہر وحید یہ سب نثروں میں کیوں خون جگر کھایا کرتے وہ سب اس طرح کی نثریں جو لالہ دیوان سنگھ قتیل نے بتقلید اہل ایران لکھی ہیں نہ رقم فرمایا کرتے۔

"کدہ" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ | یہ شخص مدعی ہے کہ "کدہ" کا لفظ سوائے پانچ چار اسم کے اور اسم کے ساتھ ترکیب نہیں پاتا پس "آرزو کدہ" اور "دیوکدہ" اور "نشتر کدہ" اور امثال اس کے ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے وہ نادرست ہے یا اور آپ بیٹھیں اور اس کے خرافات پڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں اس پر حضرت غور فرمائیں تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسی دانی سے کتنا بیگانہ ہے

نثر مرجز اور نثر مقفیٰ | آمدم بر سر مدعا نثر مرجز اس کو کہتے ہیں کہ وزن ہو اور قافیہ نہ ہو۔ مقابل مقفیٰ کے قافیہ ہو اور وزن نہ ہو۔ اور یہاں یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ وزن میں قید نظامی اور ظہوری کی نثر کے اوزان منظور نہیں مثلاً حضرت نظامی علیہ الرحمۃ کی نثر کا وزن یہ ہے مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن حضرت ظہوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، رانیش سرو بن گلشن فتح، ہنجرش ماہی دریائے ظفر۔ یہ نثر مرجز ہے وزن اس کا فعلاتن فعلاتن فعلن، انہوں نے مقفیٰ کرنے کے واسطے صورت بدل دی ہے اور کچھ تصرف کیا ہے کہ نثر نہ مرجز رہی نہ مقفیٰ چنانچہ اساتذہ "لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا" اس آیت سراسر ہدایت اثر کو نثر مرجز کہتے ہیں اور اس کا وزن یہ ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلن "ویرزقہ من حیث لا یحتسب" اس کا وزن فعولن فعولن فعولن فعل ہے۔

اقسام نثر | بندہ کی تحقیقات یہی ہے کہ نثر تین قسم پر ہے مقفیٰ قافیہ ہے اور وزن نہیں۔ مرجز وزن ہے اور قافیہ نہیں عاری نہ وزن ہے نہ قافیہ۔ مسجع ہی مقفیٰ ہے کہ دونوں فقروں میں الفاظ ملائم اور مناسب ہمدگر ہوں۔

مسجع اور مرصع کا فرق | نظم میں یہ صنعت آپڑے تو اس کو مرصع کہتے ہیں اور نثر اس صنعت پر مشتمل ہو تو اس کو مسجع کہتے ہیں۔ اس قاعدہ کو نہ عبدالرزاق بدل سکتا ہے نہ صاحب "قلزم ہفتگانہ" نہ یہ قطرہ ہی بے سروپا۔

حاشا اور حاش للہ | "حاشا و حاش للہ" کلام اہل عرب میں اسی طرح ہے جس طرح آپ فرماتے ہیں مگر پارسیوں نے ازراہ تصرف کے بمعنی "زنہار" قرار دیا ہے یعنی تاکید اگر منفی پر آئے تو نفی کی تاکید اور مثبت پر آئے تو اثبات کی تاکید میں کسی کلمہ کا استعمال نہیں کرتا جبتک کہ اہل زبان کے کلام میں نہیں دیکھتا۔

اس کی نسبت علیشی کی رائے | علیشی بیچارہ اس کے لائق نہیں کہ مستند علیہ ٹھیرے مگر یہ لفظ غلط نہیں لکھا ہے اس عزیز نے حضرت قبلہ فارسیوں کے تصرفات اگر دیکھئے تو حیران رہ جائیے۔ مجکو اس وقت کہاں یاد ہے اور کتاب کے نام تو کوئی ورق بھی لکھا ہوا میرے پاس نہیں۔ "حاشا" کا کوئی شعر مؤکد نفی اگر یاد آجائے گا تو آپ کو لکھا جائے گا۔ سبزہ متاب و پئے جادہ شناساں بردار ہاے کہ درراہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت +

یہ مثنوی جس میں یہ مصرعہ ہے ع۔ حاش للہ کہ بدہنی گویم + کلکتہ میں میں نے لکھی ہے پانچہزار آدمی فراہم تھے اور جو اعتراض مجھ پر کئے تھے اس میں سے۔

"ہمہ عالم" کے اعتراض کا جواب | ایک اعتراض یہ تھا کہ "ہمہ عالم" غلط ہے یعنی "ہمہ" کا لفظ "عالم" کے ساتھ ربط نہیں پا سکتا۔ قتیل کا حکم یوں ہے عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے ع۔ ہمہ عالم گواہ عصمت اوست + سعدی کہتا ہے ع۔

عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از دست۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ مثنوی وہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بگرامی اور مولوی عبدالقادر رام پوری اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے امثال اور نظائر کے پاس بھیجی گئی۔ اگر یہ لوگ جگہ پاتے تو میری کھال ادھیڑ ڈالتے۔

اب ایک نسخہ ہے "ابطال ضرورت" اگرچہ صاحب اس کا ہندی ہے بلکہ ہندو ہے مگر قابل اچھا ہے دیکھئے اساتذ کیا کیا تصرفات نمایاں کر گئے ہیں۔

"انتظار اور انتظاری" میں نے آج تک اردو میں "انتظاری" بمعنے "انتظار" نہ آپ لکھا نہ اپنے شاگردوں کو لکھنے دیا۔ اساتذۂ مسلم الثبوت کے ہاں فارسی میں موجود ہے حاشا ایسا نہیں کہ ان میں فارسی والوں کو تامل ہو۔ زیادہ حدِ ادب

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۵

مرزا اہل زبان کے پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کے منکر ہیں "قاطع برہان" کی تیاری "انگبیں و شہد نار" اور "حرص و آز" کی تصحیح "کمیاب"، "نایاب" "کم" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ "اندک" بمعنے "کم" نثر مرجز اور نثر مسجع اقسام ثلاثہ نثر۔ صاحب "دستور شگرف" اور ملا غیاث الدین کی رائے کی تنقید در باب "وزن" اور "سجع"

یہاں سے روئے سخن صاحب عالم صاحب کی طرف ہے جناب رفعت مآب مولائی و مرشدی تسلیم قبول کریں۔ اور اس تحریر سے جو آپ میرے پاس بھیجی ہے مجھکو شاداں اور اپنے بخت اور قسمت پر نازاں تصور فرما دیں سب سمجھا اور سب مطالب کا جواب لکھتا ہوں پہلے اپنا ایک شعر کمال گستاخی کو کار فرما کر لکھتا ہوں اور یہ نہیں لکھتا کہ یہ شعر میں نے کیوں لکھا ہے شعر یہ ہے ؎

مرا بہ غیر ز یک جنس در شمار آورد ۔ فغاں کہ نیست ز بر دانہ فرق تا کشش

مرزا اہل زبان کے پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کے منکر ہیں

بہر حال حضرت کو یہ معلوم ہے کہ میں اہل زبان کا پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کا منکر ہوں جب تک قدما یا متاخرین میں مثل صائب و کلیم و اسیر و حزیں کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا اس کو نظم یا نثر میں نہیں لکھتا۔ جن لوگوں کے محقق ہونے پر اتفاق ہے۔ جمہور کو، ان کا حال کیا گذارش کروں ایک ان میں سے صاحب "برہان قاطع" ہے۔ اب ان دنوں میں برہان قاطع دیکھ رہا ہوں اور اس کے فہم کی غلطیاں نکال رہا ہوں اگر زیست باقی ہے تو ان نکات کو جمع کر کے اس نسخہ کا نام "قاطع برہان" رکھوں گا۔

"قاطع برہان" کی تیاری، "انگبین و شہد ناب" اور "حرص و آز" کی تصحیح

کجا بود منزل کجا تاختم، شعر فردوسی میں "انگبین و شہد" اور شعر استاد میں "حرص و آز" واقعی بادی النظر میں زائد معلوم ہوتا ہے "شیر ناب" بہتر ہے لیکن حرص و آز کو کیا کیجئے میں عرض کرتا ہوں کہ وہاں بھی "خشم و آز" ہے ہرگز حرص و آز نہیں۔ حکما اور صوفیہ قوت غضبی اور قوت شہوی کی تعدیل میں محنتیں کرتے ہیں۔ قوت غضبی کی اصلاح سے فضیلت شجاعت اور قوت شہوی کی اصلاح سے فضیلت عفت حاصل ہے اور یہ مسئلہ علم اخلاق میں مبرہن ہے۔ "و دیدہ من حرص و آز" بے معنی محض۔ استاد کو بد نام کیا۔ ایک اسم سے دو مسمے تراشے۔ واحد حقیقی کا تثنیہ۔ اس سے علاوہ مرد عارف حکیم نے قوت شہوی کی اصلاح کا ذکر کیا اور قوت غضبی کا مذکور ہی نہ کیا ہیں لئے خود "خشم و آز" دیکھا ہے اور یہی بجا ہے شہد کی جگہ شیر اور حرص کی جگہ خشم درست میری رائے آپ کی

رائے کے مطابق۔

"کمیاب" اور "نایاب" اگر گوگرد سرخ" اور "پیل سفید" میں ساکت ہوں یہ تقریر کہ گوگرد سرخ "کمیاب اور "پیل سفید" نایاب ہے میرے دلنشین نہ ہوئی۔ کبریت احمر اور کیمیا اور عنقا ان سب کا ایک حکم ہے۔ نظر اس قاعدہ پر "لعل سفید" بہتر ہے اور "کبریت احمر" اور "پیل سفید" بے جوڑ ہے جیسے امیر خسرو کی انملیاں۔

"کم" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ ایک قاعدہ اور عرض کرتا ہوں "کم" کا لفظ اہل فارس کی منطق میں کہیں افادۂ معنی سلب کلی بھی کرتا ہے جیسے "کم آزار" یعنی بیازار نندہ نہ یہ کہ کم آزار ندہ "کم ہمتا" یعنی بے ہمتا بلکہ اندک کا لفظ بھی اسی طرح آتا ہے جیسا کہ میر اخداوند نعمت نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتا ہے ؎

"اندک بمعنے کم" الیس و پیش چون آفتابم یکے ست ٭ فروغم فراوان فریب اندکے ست

یعنی فریب بالکل نہیں نہ یہ کہ کچھ ہے۔ پس کمیاب اور نایاب ایک چیز ہے نظامی نے "لعل سپید" کہا ہے کسی صاحب طبع نے اس کو غلط سمجھ کر "پیل سپید" بنا دیا ہے۔ انگبین و شہد ناب" شاید مثل غم و اندوہ مسرت و فرحت ہو یا نہ ہو "شیر ناب" ہی ہو بلکہ "شیر ناب" بہتر ہے لیکن "حرص و آز" تو کسی طرح درست نہیں معارف کا دعوی ناقص اور لغو رہا جاتا ہے اگر یہ قباحت لازم نہ آتی تو ہم حرص و آز کو مسلم نہ رکھتے کس واسطے کہ غلام کا شبہ بکمال وضوح غم و اندوہ و عدم و وداد کا نظیر نہیں ہو سکتا۔ ہاں انگبیں و شہد کے جواز میں ہم مضائقہ نہ کریں گے مگر "شیر ناب" کو اس سے اچھا سمجھیں گے "شہد میوے کی حلاوت کے واسطے اور شیر انفرالمش لطافت کے واسطے "حاشا" و "حاش للہ" کا جواب آغاز تحریر میں لکھ چکا آپ کی اس نظیر لکھنے سے اس کے جواز پر میرا یقین نہ بڑھا "لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا"

نثر مرجز اور نثر مسجع

نثر مرجز کے باب میں پیر و مرشد کو اتنا تامل کیوں ہے یہ جو نثریں آپ نے لکھی ہیں سوائے اس نثر کے کہ جس کو آگے لکھوں گا یہ تو سب مسجع ہیں یعنی پہلے فقرہ کا ہر لفظ وزن میں موافق ہو دوسرے فقرے کے لفظ سے نظم میں یہ صنعت آپڑے تو نظم کو مرصع کہیں گے اور نثر میں واقع ہو تو نثر کو مسجع کہیں گے جو حضرات کہ اس نثر کو مرجز کہتے ہیں وہ نثر مسجع کی مثال ہم کو دیں زنہار زنہار یہ نثر مرجز نہیں مسجع ہے ہاں یہ نثر مرجز ہے "صاحبا مشفقا شفیق دنی زید الطافکم الی الابد۔ بعد تبلیغ بندگی و نیاز بر ضمیر منیر روشن باد" اگر وہ نثر کہ جس کو میں نے مسجع کہا ہے مرجز ہے تو اس کمبخت نثر کا کیا نام ہے نہیں وہ مسجع ہے اور یہ مرجز ہے۔

اقسام ثلاثہ نثر

میں تو بہت مختصر مفید لکھ چکا ہوں آپ نہ مانیں تو کیا کروں وزن نہ ہو قافیہ ہو وہ مقفےٰ۔ وزن ہو قافیہ نہ ہو وہ مرجز ہے الفاظ قرینتین وزن میں برابر ہوں وہ مسجع۔ اس صنعت کو بیشتر نثر مقفےٰ میں صرف کرتے ہیں اور چاہو قافیہ کا التزام نہ کرو بہر رنگ اقسام ثلاثہ یہی ہے حضرت نے نثر مسجع کو مرجز کہا ہے جواب یہی ہے کہ اگر مرجز یہ ہے تو مسجع کس نثر کو کہتے ہیں اس سے زیادہ نہ مجھکو علم نہ یارا کے کلام قتیل لکھنوی اور غیاث الدین ملائے مکتبی رامپوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا شخص میرا معتقد ہو اور میرے قول کو معتقد سمجھے بعد اتمام خط کی تحریر کے خیال آیا شاید کسی بات کا جواب رہ نہ گیا ہو میں نے آپ کے خط کو دیکھا اور ایک بات "دستور شگرف" کی عبارت میں نظر آئی "مرجز کلامیست

صاحب دستور شگرف اور ملا غیاث الدین کی رائے کی تنقید درباب "وزن" اور "مسجع"

منثور کہ وزن دارد سجع نہ دارد" اس تعریف کو دیکھئے اور نمونہ نثر کو دیکھئے وہ موزون کہاں ہے جو "وزن دارد" اس پر صادق آئے۔ وزن بمعنی تقطیع شعر مفقود سجع ندارد خدا جانے یہ بزرگ سجع کس کو کہتا ہے سجع ہموزن ہونا دو لفظوں کا قرینتین میں یا

مصرعین میں۔ سوا اس نثر میں موجود ہے۔ موجود کو مفقود اور مفقود کو موجود لکھا ہے
اور مہمل کلام اس کا مقبول ہے۔ اللہ اللہ، ملا غیاث الدین لکھتا ہے " پس مرجز
نثرے باشد کہ کلمات فقرتین اکثر جاہا ہموزن باشد در تقابل یکدیگر بدون رعایت
سجع" خدا کے واسطے سجع تو اسی کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین یا مصرعین ہموزن یکدیگر ہوں
سوا اس نثر میں موجود ہے "بدون رعایت سجع" کے کیا معنی مگر یہ دونوں صاحب وزن
کو برابر ہونا کلمات کا سمجھتے ہیں اور سجع تقطیع شعر کو کہتے ہیں۔ اس عقیدہ کی رکاکت
اظہر من الشمس ہے صاحب "دستور شگرف" کا کلام نص اور مولوی غیاث الدین کا
کلام حدیث نہیں ہے آپ بھی غور فرمائیے اور انصاف کیجیے۔

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۶

نصیر الدین طوسی مخصوص حروف فارسی عبدالواسع ہانسوی "بے مراد" و
"نامراد" قافیہ شایگان۔ ایطا مع امثلہ۔ ایطاے جلی و خفی۔ ملا غیاث الدین
وغیرہم سے خفگی۔

میکنم عرض گو مکرر باشد۔ پیر و مرشد آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور صاحب
کے نام روانہ کیا ہے اور اس خیال سے کہ وہ گرمی ہنگامہ شادی میں اس خط کا آپ
کی نظر سے گزرانا بھول نہ جائیں یہ خط جداگانہ آپ کو آج ہی بھیجتا ہوں۔ اصحاب
ثلثہ کی عبارت نثر مرجز کے باب میں اتنی ہی ہے " وزن دارد سجع ندارد" خدا
کے واسطے وزن تقطیع شعر کو کہتے ہیں وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے۔ سجع اسکو کہتے ہیں کہ
کلمات کے فقرتین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صنعت مثال کی نثر میں موجود ہے جو ہے اس کا
ساجع نہیں اس کا ثبوت کیونکر مانوں۔ کیا آپ کی یہ مرضی ہے کہ الفاظ کے ہموزن
ہونے کو وزن اور تقطیع شعر کو سجع مان لوں میں تو نہ مانوں گا آپ کو اختیار ہے یہ کلام

معصوم کا نہیں کہ اس کے مسلّم نہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جائے۔ زبان فارسی مرد کے
کامل ہے عرب کے ہاتھ بطریق یغما آیا ہے جس طرح چاہیں صرف کریں۔

نصیر الدین طوسی خواجہ نصیر الدین طوسی آٹھ حرف کا زبان فارسی میں نہ آنا لکھتے
ہیں اور ذال نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے اِلّا کوئی لغت فارسی ایسا بتائیے کہ

مخصوص حروف فارسی جس میں ذال آئی ہو۔ گذاشتن و گزشتن و پذیرفتن سب نے
سے ہے کاغذ ذال مہملہ سے ہے اس کا دال سے لکھنا اور کواغذ کو اس کی جمع قرار دینا
تعریب ہے بہ تحقیق اور اسم آتش (آذر) بدال ابجد ہے نہ بذال ثخذ۔ کوئی لفظ متحد
المخرج فارسی میں نہیں بلکہ قریب المخرج بھی نہیں رکھتے ہیں طوے نہیں سین ہے تے
نہیں اور صاد نہیں اور ضاد نہیں۔ ہائے ہوز ہے حائے حطی نہیں یہاں تک کہ قاف نہیں
اس راہ سے کہ غین متحد المخرج بنا۔ قریب المخرج ہے زے کے ہوتے ذال کیونکر۔

عبد الواسع ہانسوی وہ میاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے جناب
عبد الواسع فرماتے ہیں کہ "بے مراد" صحیح اور "نامراد" غلط۔ ائے تیرا ستیاناس جائے
بے مراد اور نامراد میں وہ فرق ہے جو زمین اور آسمان میں ہے۔

"بے مراد" اور "نامراد" نامراد وہ ہے کہ جس کی کوئی مراد کوئی خواہش کوئی آرزو نہ بر آئے
بے مراد وہ کہ جس کا صفحۂ ضمیر نقش مدعا سے سادہ ہو از قسم "بے مدعا" و "بے غرض و
مطلب"۔ حیف لشتان دونوں امروں میں اتنا فرق ہے "ناپروا" اور "ناکام" اور "نادرست"
اور "ناچار" کہ یہ مختلف "ناچار" اور "ناہار" کہ یہ مخفف "نا اہار" ہے اور "نامرد" اور
"ناانصاف" یہ سب درست ہیں ہائے کہاں گئے ہانسی والے معلم۔

قافیہ شائگان قافیہ شائگان کہ جس کو عرب ایطا کہتا ہے وہ دو طرح پر ہے خفی و جلی
اہل نحو نے خاک اڑائی ہے اور بات بنائی ہے خفی و جلی کی تفسیر میں وہ کچھ لکھا ہے کہ
صاحب طبع سلیم کبھی اس کو نہ سمجھے چہ جائے آنکہ مانے۔

ایطاء کی اصل | اصل یہ ہے کہ ایطا وہ قافیہ ہے کہ جو دو حرف ایک صورت کے ہوں جیسے الف
فاعل گویا و بینا و شنوا و رشعر امیر ہے لے دانۂ تسبیح خیالات دل دانا ہے سر حلقۂ مستان رخت
دیدۂ بینا۔ اور نون و دال مضارع کا جیسا استاد کے اس مطلع میں ہے

دل شیشہ و چشمان تو ہر گوشہ برندش مست ست مبادا کہ بیا گہ شکنندش

اور ایسا ہی الف نون جمع کا مثل "چراغان" و "جوانان" اور ایسا ہی الف نون حالیہ
مانند "گریان" و "خندان" پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو ایطائے جلی ہے اگر غزل یا
ایطائے جلی و خفی | قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ میں آپڑے تو ایطائے خفی ہے۔
ائمۂ فن نے جو کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر قابل تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور
کرو اور یہ عبدالواسع اور غیاث الدین اور عبدالرزاق ان ناموں کی شوکت نظر میں ہے
تو تم جانو ایک شخص بھیک مانگتا ہے باپ نے اس کا نام میر بادشاہ رکھ دیا اصل فارسی
کو اس کھتری بچہ قتیل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔

ملا غیاث الدین وغیرہم سے خفگی | رہا سہا غیاث الدین رامپوری نے کھو دیا ان کی قسمت
کہاں سے لاؤں جو صاحب عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں۔ خالصاً للہ غور کرو کہ وہ خران نا
شخص کیا کہتے ہیں اور میں خستہ و درد مند کیا بکتا ہوں۔ واللہ نہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے
اور نہ غیاث فارسی جانتا ہے میرا یہ خط پڑھو یہ نہیں کہتا کہ خواہی نہ خواہی پڑھو تو تیرہ
سے کام لو ان غولوں پر لعنت کرو سیدھی راہ پر آجاؤ اگر نہیں آتے تو تم جانو اور
تمہاری بزرگی یا دعرزا الفتہ کی نسبت پر نظر کر کے لکھا ہے نہیں کہتا کہ خواہی نہ خواہی میری
تحریر کو مانو مگر اس کھتری بچہ اور اس معلّم سے مجھ کو کہ نہ جانے عربی کا صرف۔ اور نہ جانے فارسی
کا قاعدہ اور نہ سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے عقل کو کام فرماؤ غور کرو۔ مجھو عبدالواسع پیغمبر نہ
تھا۔ قتیل برحق نہ تھا۔ واقف غوث الاعظم نہ تھا۔ میں یزید نہیں ہوں شمر نہیں ہوں مانتے ہو
تو مانو نہ مانو تم جانو۔

(بنام صاحب عالم صاحب)

نمبر اے

تکرار بعض الفاظ "پرفضا" اور "پرفزا" ضمائر متصل واحد غائب وہ احد متکلم

تکرار بعض الفاظ "پرفضا" اور "پرفزا" | جناب عالی چہاچہا" ترجمہ ہندی۔ ایک بار "چہا" کفایت

کرتا ہے "الزاع الزاع" ہماری آپ کی بول چال میں ہے لیکن تحریر میں درست نہیں۔

"چمن پرفضا" "چمن پرفزا" "زائے ہوز" سے کیوں لکھا۔

ضمائر متصل واحد غائب وحاضر متکلم | خطاب واحد غائب فقط شین ہے نہ اش یاں

اگر آخر لفظ مبنی ہائے انتہائی کر حرکت پر ہو مثل غمزہ و چشمہ و خانہ و دانہ تو اس کو

یوں لکھتے ہیں چشمہ اش غمزہ اش، خانہ اش دانہ اش اور باقی سب الفاظ کا حرف

آخر شین سے ملتا ہے خطاب واحد حاضر خطاب واحد غائب خطاب واحد متکلم ت

ش م ہے۔ الف کو یہاں کیا دخل، اور وہ جو دکھنی لوہرہ یعنی جامع برہان قاطع ات

اش ام لکھتا ہے غلط کرتا ہے۔

جہاں تم نے بعد اپنے نام کے یہ اشعار لکھے ہیں سہ پریشان ترز تو لیشم واتبا نے است الخ

وہاں ربط کلام جاتا رہا تھا۔ ایک جملہ فاصل کردیا ہے یعنی "مدیں اشعار زمزمہ سرا است"

یہ خبر اس کاف توصیفی کی ہے۔ اور آگے جو شعر ہے اس کا فاعل وہی مصنف ہے۔

(بنام چودھری عبد الغفور سرور)

نمبر

ندامت اور خجالت کا فرق۔ طرح لبکون را اور طرح بفتحہ را کا فرق۔ رخشت

الفاظ تخلص کے لئے سہانے ہیں۔

میرے مشفق کو میرا سلام پہونچے۔ دونوں مخمس بعد اصلاح پہونچتے ہیں۔ نثار

اصلاح سمجھ لیجئے۔ سید عالی نسب وسرور والا حسبی یہ افتتاح کلام اور ابتدائے خطاب ہے

کے دو نخوردہ تھا مصرعہ ثالث اس کی جگہ رکھ دیا گیا دوسرے بند کی دو طرح پر تخمیس ہے

دونوں بے عیب ہیں اور مزید لطف کسی میں نہیں۔ جن مصرعوں کو چاہو رہنے دو "گزشت از افلاک" و "از افلاک گزشت" ایک فارسی رہا اور دوسرا ہندی۔ حضرت نے دونوں فارسی میں لکھے تھے۔

ندامت اور خجالت کا فرق ندامت فعل پر مرتب ہوا کرتی ہے۔ ترجمہ اس کا پشیمانی۔ حضرت یوسف کو ندامت کیوں ہو مگر خجالت اس کا ترجمہ شرمندگی۔ آپ غور کیجئے کہ ندامت اور خجالت میں کتنا فرق ہے جہاں آپ نے "عرق ریز ندامت" لکھا وہ محل خجالت کا تھا آپ نے ندامت کیوں لکھا بہر حال وہ مصرعہ تو بدل گیا لیکن اطلاع ضرور تھی۔

طرح بسکون را اور طرح بفتحہ را کا فرق مؤنث الفاظ تخلص کے لئے جائز ہیں طرح بفتح اول و سکون ثانی بمعنی فریب ہے اور تصویر کے خاکے کو بھی کہتے ہیں اور بمعنی آسائش دنیا بھی مجاز ہے مرادف طرز و روش بھی طرح ہے بفتحتین اس کا تفرقہ منظور رہا کرے۔ نسیم تخلص اچھا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ نسیم مؤنث ہے جواب اس کا یہ ہے کہ جرأت اور وحشت اور ایسے بہت تخلص ہیں کہ وہ مؤنث ہیں۔ بایں ہمہ اگر بدلا چاہیئے تو اس کا ہموزن "سلام" و "تسلیم" اور "خیال" بھی ہے اس میں سے جو پسند آئے۔ آپ کے عم عالی مقدار اور آپ کے بزرگ آموزگار کو میرا سلام پہونچے۔

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۹

ظہوری کے بعض اشعار کے معنی سمجھاتے ہیں اور ظہوری کی تعریف کرتے ہیں

حضرت چودھری صاحب عنایت نامۂ سابق سے تھا تو خط، پر نہ تھا جواب طلب، کوئی اس کا جواب کیا لکھتا۔ آج دوپہر کو یہ خط پہونچا آج ہی آخر روز جواب لکھ کر رکھ چھوڑتا ہوں، کل صبح کو بشرط حیات ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ قاطع برہان کے جو مجلدات بموجب توقیع خریداری میری ملک ہیں وہ اول جولائی میں میرے

پاس اور ان میں سے دو جلد آخر جولائی میں آپ کے پاس پہونچیں گے ایک آپ رہنے دیں گے اور ایک پیر و مرشد کی نذر کریں گے انشاء اللہ العلی العظیم ؎

حبذا فیض تعلق معجز کلکش نگر ۔ گر رود صد سالہ رہ پیش نظر باشد ہما

یہ شعر مولانا نور الدین ظہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ممدوح کی خوشنودی کی تعریف میں ہے مبالغہ سرحد تبلیغ اور غلو کو پہونچ گیا ہے خلاصہ یہ کہ اس کا لکھا ہوا قطعہ یا کوئی عبارت، سو برس کی راہ پر سے آدمی کو نظر آتا ہے، وجہ اس کی یہ کہ حرف بہت روشن صاف و جلی ہیں اور چونکہ یہ امر بحسب عادت و عقل ممتنع ہے اس رو سے اس کو "معجزۂ قلم" کہا۔ اور چونکہ معجزہ خرق عادت ہے اور خرق عادت ایک امر ہے مسلمات جمہور میں سے پس منکر کو گنجائش انکار نہ رہی۔ یہاں یہ خیال آئے گا کہ "فیض تعلق" بیکار رہتا ہے میں کہتا ہوں کہ وہ حسن ایہام ہے یعنی نگاہ کو، از انجا کہ باصرہ مشتاق حسن ہے، اس خط سے وہ تعلق بہم پہونچا ہے کہ اگر وہ خط سو برس کی راہ پر ہو تو بھی نگاہ اس سے متعلق رہتی ہے جیسے طائر کو اپنا آشیانہ اور مسافر کو اپنا وطن اور عاشق کو معشوق کا خد و خال مسافت بعیدہ سے پیش نظر رہتا ہے چاہو ایک معلول کی دو علت سمجھو۔

"فیض تعلق" مذکور اور "حسن خط" مقدر۔ چاہو "فیض تعلق" کو ادعا کہو اور "حسن خط" جو تقدیر میں ہے اس کو سبب سمجھو تعلق کا اور موکد چاہو تو ادعا کا۔ سنو دعوی کے واسطے دلیل موضوع ہے ادعا کو دلیل ضرور نہیں ہے ہاں ادعا پر تاکید طریقت بلاغت ہے یہ لطافت معنوی خاص اس بزرگ کے حصہ میں آئی ہے میں جانتا ہوں مشتری اور عطارد نے مل کر ایک صورت پکڑی تھی اس کا اسم نور الدین اور تخلص ظہوری تھا۔

اللہ اللہ فرماتا ہے ؎ مروت کرد شہا پر تو سیر بام و در لازم + نمی باشد

چراغ خانہائے بینوایاں (ظہوری کا ممدوح اور عاشق ایک ہے یعنی سلطان)
جلیل القدر ابراہیم عادل شاہ۔ بادشاہوں کے منظر بلند ہوتے ہیں اور کیا بعید ہے
کہ رعایا ملازمین میں سے کچھ لوگ زیر قصر رہتے ہوں اس واسطے بادشاہوں کو اس
منظر بلند پر نہیں چڑھتا کہ مبادا رعیت یا ملازموں کی جورو بیٹیاں نظر آئیں۔ رات
کو ان کے گھر تاریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بلند مکان پر چڑھا تو کچھ نظر نہ آوے گا۔ یہ
مدح ہوئی عفت کی اور عفت ایک فضیلت ہے فضائل اربعہ میں سے اب
ابہام کو سوچیئے۔ ممدوح نے راتوں کو کوٹھے پر چڑھنا اپنے اوپر لازم کیا ہے اس
واسطے کہ ان کے گھروں میں چراغ نہیں اگر کسی کو کسی کپڑے میں پیوند لگانا یا کوئی
پھٹے کی چیز ٹانکنی یا کسی مریض کا تفحص حال منظور ہو تو وہ گھر اس ممدوح کے
پرتو جمال سے روشن ہو جاوے چراغ کی حاجت باقی نہ رہے جو کام جو شخص چاہتا ہے
وہ کرلے "مروت" کے لفظ کا مزہ وجدانی ہے سوائے اس لفظ کے کوئی لفظ یہاں
کام نہیں آتا اگر حفظ ناموس رعایا ہے تو مروت ہے، اور اگر مفلسوں کی کاربرآری
ہے تو مروت ہے قالب معنی کی جان ہے ظہوری۔ ناطقہ کی سرفرازی کا
نشان ہے ظہوری زیادہ کیا لکھوں۔

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۱

(ہندوستان کے فارسی شعرا کی نسبت مرزا کی رائے قتیل کے بعض مسلمات کی پامالی)

۱؎ مرزا نے جو پرلطف معنی اس شعر کے بیان کئے ہیں وہ قابل داد ضرور ہیں مگر تاویل بعید دور کر کے سیدھے معنی تو یہ ہیں کہ مروت نے تجھ پر لازم کر دیا کہ راتوں کو لوگوں کے بام و در یعنی مکانوں کو دیکھتا کہ تجھ کو معلوم ہو کہ غریبوں کے گھر میں چراغ نہیں جلتا۔

اب روئے سخن حضرت صاحب عالم کی طرف ہے خدمت خدام مخدوم،
مخدوم خادم نواز میں بعد تسلیم معروض ہے تفقد نامۂ نامی میں صورت عز و شرف
نظر آئی۔ اللہ اللہ تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی حضرت کی قدر دانی کی
کیا بات ہے آپ کا التفات موجب مباہات ہے یہ بات بطریق طے لسان زبان
پر آئی ہے ورنہ قدر دانی کیسی یہ قدر افزائی ہے نظیری علیہ الرحمۃ کا شعر ایک کاغذ پر لکھ کر
میرے گلے میں ڈال دیجئے اور زمرۂ شعرا میں سے مجھ کو نکال دیجئے۔ شعر یہ ہے ؎

جوہر بینش من در تہِ زنگار بماند آنکہ آئینۂ من ساخت نپرداخت دریغ

دعویٰ اور چیز ہے اور کمال اور ہے علم عربی اور شے ہے اور فارسی کی حقیقت حال
اور ہے جلالائے طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے سعد اللہ ہندی کو ایک رقعہ لکھا عبارت
اس وقت یاد نہیں آتی مگر یہ مضمون اس کا ہے کہ ایک دن مولانائے عرفی علیہ الرحمۃ
اور ابو الفضل میں مباحثہ ہوا شیخ نے اعتراض سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بسر حد افراط
پہونچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا عرفی نے کہا کہ اس کو کیا کروگے کہ ہم نے
جب سے ہوش سنبھالا ہے گھر کے بڈھوں سے اور بڈھیوں سے جو بات سنی فارسی
میں سنی شیخ گفت "ما فارسی از انوری و خاقانی فرا گرفتہ ایم و شما از پیرزالان آموختہ
اید" عرفی فرمود "انوری و خاقانی نیز از پیرزنان آموختہ باشند"

ہندوستان کے فارسی شعرا کی نسبت مرزا کی رائے

غالب کہتا ہے کہ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ کے سوا کوئی استاد مسلم الثبوت نہیں ہوا
خسرو کشور قلمرو سخن طرازی ہے یا ہم چشم نظامی گنجوی و ہم طرح سعدی شیرازی
ہے پھر فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے کلام اس کا پسندیدہ جمہور ہے دیکھو عبد القادر
بدایونی کیا لکھتا ہے "فیضی سپاہی فالیز" آرزو و فقیر اور رشید اور بہار وغیرہم
انھیں میں آگئے ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا۔ ہر ایک کا کلام

بنظر انصاف دیکھئے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا منت اور مکین اور واقف اور قتیل یہ
تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجئے ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں
خیر ہوں فاضل کہلائیں کلام میں ان کے مزا کہاں ایرانیوں کی سی ادا کہاں فارسی
کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے اس میں پیروی قیاس ایک بلائے عام ہے وارستہ
سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے
با اینہمہ وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے منھ کی کھاتا ہے مولوی احسان اللہ
ممتاز کو صنائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی اس شیوہ و روش کو خوب برتتے گئے
فارسی وہ کیا جانیں قاضی محمد صادق اختر عالم ہوں گے شاعری سے ان کو کیا علاقہ۔

قتیل کے بعض مسلمات کی غلطیاں | ایک بات حضرت کو اور معلوم رہے کہ ہندی فارسی
والوں نے کمال کو وہم میں منحصر رکھا ہے۔ کالپی کے نواب زادوں میں سے ایک صاحب
قتیل کے شاگرد تھے میں نے ایک رقعہ قتیل کا ان کے نام دیکھا ہے کہ قتیل انکو لکھتا ہے
کہ جامہ گذاشتن بمعنے مُردن مُسلّم لیکن بہت احتیاط کیا کرو۔ موقع دیکھ لیا کرو جب لکھا
کرو میں کہتا ہوں کہ احتیاط کیا اور موقع کیا "فلاں مُرد" جہاں "جامہ گذاشت" پھر وہ
کہتا ہے کہ "کدہ" کے ساتھ سوائے پانچ سات لفظ کے اور لفظ کو ترکیب نہ دو
پھر فرماتا ہے کہ "ہمہ" کے لفظ کو جمع کے ساتھ لانا منکر ہے نہ ملاؤ میں نے مثنوی میں
لکھا ہے کہ "ہمہ کس داند" ایک شخص نے کہ وہ بھی مولوی کہلاتا ہے بڑی غنیمت
میں کہا کہ "ہمہ کس داند" کیا ترکیب ہے ایک لڑکا میرا شاگرد وہاں موجود تھا اس نے
کہا کہ یہ ترکیب بعینہ صائب کی ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے ؎

ہمہ کس طالب آن سرو رواں است اینجا   آب حیواں و نفس سوختگان است اینجا

اس نے کہا کہ تمھارا استاد حاشا کو ماقبل کلمہ منفی لایا ہے اور یہ جائز نہیں ع

حاش للہ کہ بدہمی گویم

میرے شاگرد نے کہا کہ یہ ترکیب انوریؔ کی ہے ؎

حاش للہ نہ مرا بلکہ ملک را نبود   پاسگِ کوئے تو ایں زہرہ و یارا و مجال

مولوی ہدایت علی تمکینؔ کا آجتک میں نے نام نہیں سنا تھا چھپے ہوئے رستم ہیں۔ صائبؔ اگرچہ اصفہانی نژاد تھا مگر وارد شاہجہاں آباد تھا۔ انتقام کشیدن و انتقام گرفتن دونوں بول گیا۔ مولوی صاحب کچھ فارسی بولتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ

کلیم بروزن فعیل صیغۂ اسم فاعل ہے مثل کریم و رحیم و سمیع و بصیر کہ اسمائے الٰہی ہیں کلیم[1] اگر بمعنے ہم کلام لیجئے تو اسم الٰہی اس کو کیونکر قرار دیجئے حضرت کا مصرعہ ع ہست کلامے زکلام کلیم مخدوش البتہ ہے یعنی یا "کلمہ از کلام کلیم" یا "کلامے از کلمات کلیم" چاہیئے "کلامے از کلام" مفرد میں سے مفرد کو نکالا چاہیئے۔ گو جائز ہو۔ "گو باش" و "گو باشد" ہرگز محل تردد نہیں اوہام و وسواس قواعد میں پیش نہیں جاتے۔

ع۔ اے کریمے کہ از خزانۂ غیب۔ ہرگز یائے معروف نہیں یائے مجہول ہے یائے معروف یہاں نامقبول ہے ع خدائے کہ بالا و پست آفرید الیا خدا الیا کریم۔ اس تحتانی کو یائے وحدت کہو۔ توصیف کہو، یائے تعظیم کہو جس طرح کہو مجہول آئے گی

(بنام چودھری عبدالغفور سرورؔ)

نمبر ۱۱

۱۱۹۶۱۰

ہندی فارسی گویوں کے کلام کا اہل زبان سے مقابلہ اہل زبان کے تین گروہ اور انکے

---

[1] قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے یہ مصرعہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پر لگایا ہوگا جس سے "کلیم" اسمائے الٰہی میں سے ثابت ہوتا ہے۔ غالبؔ کا اعتراض ہے کہ "کلیم اللہ" میں "کلیم" بمعنے "ہمکلام خدا" ہے پس اسمائے الٰہی میں سے کیونکر قرار پا سکتا ہے

علحدہ علحدہ طرز بعض ہندی شعرا کے چیدہ اشعار۔

ہندی فارسی گویوں کے کلام کا اہل زبان سے مقابلہ

میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد صاحب عالم مجھ سے آزردہ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل و واقف سے لیکر بیدل و ناصر علی تک اس میزان میں تولیں میزان یہ ہے کہ رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے سعدی و جامی و ہلالی یہ اشخاص متعدد نہیں فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا خیالہائے نازک و معانی بلند اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چرچا دیا صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہے۔

اہل زبان کے تین گروہ اور ان کے علحدہ علحدہ طرز

رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کے طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں (۱) خاقانی اسکے اقران (۲) ظہوری اسکے امثال (۳) صائب اسکے نظائر۔ خالصاً للہ ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے بے شبہ فرماؤ گے کہ یہ طرز اور ہی ہے پس تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے کیا کہنا ہے خوب طرز ہے۔ اچھی طرز ہے مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے۔ دار الضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ٹکسال باہر ہے۔ داد! داد! انصاف انصاف!

نظم

اگرچہ شاعران نغز گفتار ۔ ز یک جام اند در بزم سخن مست

وے بابادہ بعضے حریفاں خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم ورائے شاعری چیزے دگر ہست

بعض ہندی شعراء کے چیدہ اشعار | وہ چیز نہ حصے میں سب پارسیوں کے آئی ہے

ہاں اردو زبان میں بعض اہل ہند نے بھی وہ چیز پائی ہے میر تقی علیہ الرحمۃ ؎

بدنام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو — رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

سودا ؎ دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار — خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم ؎ قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں — ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بدآموز نہیں

مومن خاں ؎ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے یہاں کمتر آتش کے یہاں بیشتر یہ چیز نشتر ہیں مگر مجھے اُن کا کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آتا یاد کیا آوے لیٹا ہوا ہوں۔ دم بدم پاؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اڑائے دیتی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۱۲

قبلہ حاجات قصیدہ دوبارہ پہونچا چونکہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی ناچار اس کو ایک دو ورقے پر لکھوایا اور حضور میں گزرانا اور اپنی تمنائے دیرینہ حاصل کی یعنی دستخط خاص مشتمل اظہار خوشنودی طبع اقدس ہوگئے احترام الدولہ بہادر میرے ہمزبان اور آپ کے ثناخوان رہے گویا اس امر خاص میں وہ شریک غالب ہیں ہم بطریق کسرۂ اضافی اور ہم بسبیل کسرۂ توصیفی پروردگار اس بزرگوار کو سلامت رکھے قدردان کمال حق تو یوں ہے کہ خیر محض ہے۔

مولف غیاث اللغات وغیرہ کی نسبت رائے | غیاث اللغات ایک نام موقر اور مغز جیسے الفربہ خواہ نخواہ مرد آدمی آپ جانتے بھی ہیں یہ کون ہے ایک معلم فرومایہ امپو

کا رہنے والا۔ فارسی سے ناآشنا محض اور صرف ونحو میں ناتمام۔ انشائے خلیفہ و منشآت مادھورام کا پڑھانے والا چنانچہ دیباچہ میں اپنا ماخذ بھی اس نے شاہ خلیفہ محمد و مادھو رام و غنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ راہ سخن کے غول ہیں آدمی کے گمراہ کرنے والے یہ فارسی کو کیا جانیں ہاں طبع موزوں رکھتے تھے شعر کہتے تھے۔

ہرزہ مشتاب و پے جادہ شناساں بردار　　اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

(بنام نواب انور الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق)

نمبر ۱۳

"ارنی" کی رکی سکون وحرکت۔ تہذیب کے ساتھ اصلاح۔

للہ الشکر کہ پیر و مرشد کا مزاج اقدس بخیر و عافیت ہے پہلے نوازشنامہ کا جواب باآنکہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا ہنوز جواب نہیں لکھنے پایا کہ کل اور ایک مکرمت نامہ آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے کہ مسہل میں ہوں چنانچہ کل میرا مسہل ہوگا اس سبب سے اس توقیع کا پاسخ نگار نہ ہو سکا تھا اور لکھتا بھی تو یہی لکھتا جو آپ نے لکھا ہے "ارنی" کی رے کی سکون و حرکت کے باب میں قول فیصل

"ارنی" کی رکی سکون وحرکت

یہی ہے جو حضرت نے لکھا ہے اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے اور "ارنی" بروزن "چمنی" گنجائش پائے تو نعم الاتفاق ورنہ قاعدۂ تصرف مقتضی جواز ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل سے جو رسی بطور ہمت ارنی بگو و بگذر

کہ نیز زاں تمنا بجواب لن ترانی[1]

[1] غالباً اسی مضمون سے یہ مضمون نکالا گیا ہے ۔ بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا۔ مگر اس مضمون کو عرفی نے اس طرح پہ کہا ہے۔

وقت عرفی خوش کہ نہ کشودند چوں در بزرگش　　بر در نہ کشودہ ساکن شد در دیگر نزد

اسداللہ بیگ غالب ؎

رفت آنکہ ما ز حسن مدارا طلب کنیم — سر رشتہ در کفِ ارنی گوئے طور بود

تہذیب کے ساتھ اصلاح

زوائد سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہائے کیا غزل لکھی ہے قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے۔ کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرزِ بیان۔ کیا میں سخن ناشناس اور نا انصاف ہوں کہ ایسے کلام کی حکّ و اصلاح پر جراٗت کروں۔

ع چہ حاجت است بمشاطہ روئے زیبارا ✤ ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں

ع اے مطربِ جادوفن یا زم رہ ہوشم زن ✤ دو میم آپڑے ہیں ایک میم محض بیکار "دیگر" کی جگہ آپ "یا زم" لکھ گئے ہیں ع اے مطربِ جادوفن دیگر رہِ ہوشم زن

(بنام نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق)

نمبر ۱۴

میرن صاحب کے انتقال کی تاریخ نئے طرز سے تجربہ

آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا۔ یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے۔ نام ان کا سید حسین اور خطاب سید العلماء۔ نقش نگین "میر حسین ابن علی" میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی "غم حسین علی" اس میں پانچ بڑھتے تھے یعنی ۱۲۷۸ ہوتے تھے تجربہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا میں تو جانتا ہوں اچھا ہے دیکھوں پسند فرماتے ہیں یا نہیں۔

حسین ابن علی آبروئے علم و عمل — کہ سید العلما نقش خاتمش بودے

نماند و ماندے اگر زندہ پنج سالِ دگر — "غم حسین علی" سالِ ماتمش بودے

زیادہ حدِ ادب۔

(بنام نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق)

پیر و مرشد آداب۔ تتمہ غلط نامۂ قاطع برہان کو بھیجے ہوئے تین دن اور آپ کی خیر و عافیت مولوی حافظ عزیز الدین کی زبانی سنے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ کل آپ کا نوازش نامہ پہونچا قاطع برہان کے پہونچنے سے اطلاع پائی معتقدان برہان قاطع برچھیاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

دو اعتراضوں کا جواب ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہونچے ہیں ایک تو یہ کہ ”قاطع برہان“ غلط ہے یعنی یہ ترکیب خلاف قاعدہ ہے کلام قطع کیا جاتا ہے برہان قاطع نہیں ہو سکتی (صاحب ”برہان قاطع“ صحیح اور ”قاطع برہان“ غلط۔ مگر برہان قاطع فاعل ہو سکتی ہے۔ اور قطع کا فعل آپ نہیں قبول کرتی ”قاطع برہان“ میں جو برہان کا لفظ ہے۔ یہ مخفف برہان قاطع ہے ”برہان قاطع“ کے رد کو قطع سمجھ کر ”قاطع برہان“ نام رکھا تو کیا گناہ ہوا دوسرا ایراد یہ ہے کہ ع یا انگلستان ستیز بیجا + انگلس کا نون تلفظ میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ خدا کے واسطے انگلس اور انگریز کا نون باعلان کہاں ہے اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل ڈالتے ہیں اور اگر انگلس کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا۔

(بنام نواب نور الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق)

نمبر ۱۴

رلوا اور عزلو کا قافیہ ”سالس“ مذکور ”سیف عدو کش“ ”زلف شبرنگ سخن بالفتح و بالضم حرف ثانی ”تبہ خشخاش“

موتیوں کا چھنکا البتہ بہت مناسب ہے خیر موتیوں کا لونا بھی سہی۔ حافظ کے شعر کی حقیقت جب سمجھو گے جب قواعد مقررۂ اہل سخن دریافت کرو گے قاعدہ یہ ہے کہ اگر مطلع میں یا اور اشعار میں قصیدہ کی احتیاج آ پڑے اور اس کی اطلاع ایک شعر میں کر دیں تو وہ عیب جاتا رہتا ہے جیسے استاد کا قطعہ ہے اس میں

ریوا اور عزیو کا قافیہ | ریوا اور عزیو کا لیو کا قافیہ ہے اور شعر اخیر قطعہ کا یہ ہے ؎
غلط کردم دریں معنی کہ گفتم ؏ زنخدان نگار خویش را سیو۔ حالانکہ صحیح "سیب" ہے
بیاے موحدہ۔ شاعر نے اطلاع دی کہ میں نے غلط کیا جو "سیو" لکھا اسی طرح حافظ
فرماتا ہے ؏ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ حاصل اس کا یہ کہ دیکھ کتنا
تفاوت ہے ایک جگہ حرف روی ساکن اور ایک جگہ متحرک۔ مگر یہاں ابھی معترض
کو گنجائش ہے کہ وہ یہ کہے کہ ہاں تفاوت کو ہم بھی جانتے ہیں سوال یہ ہے کہ
تفاوت تم نے کیوں رکھا اس کا جواب پہلا مصرعہ ہے۔
؏ صلاح کار کجا و من خراب کجا۔ یعنی حافظ فرماتا ہے کہ میں عاشق زار دیوانہ
ہوں صلاح کار سے مجھ کو کیا کام۔

"سانس" مذکر | پورب کے ملک میں جہاں تک چلے جاؤ گے تذکیر و تانیث کا جھگڑا
بہت پاؤ گے۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے لیکن اگر کوئی مؤنث بولے گا تو میں
اس کو منع نہیں کرسکتا خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا۔

سیف عدو کش | سیف کو عدو کش اور کمند کو عدو بند۔ سیف عدو بند نہیں ہو سکتی
تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو "عدو بند" نہ کہو کوئی اور اگر کہے تو اس سے نہ لڑو۔

زلف شبرنگ | زلف کو "شبرنگ" اور "شبگوں" کہتے ہیں۔ "شبگیر" زلف کی صفت ہرگز
نہیں ہو سکتی۔ "شبگیر" اس سحر کو کہتے ہیں کہ پچھلی گھڑی رات رہے چلدیں۔ "نالۂ شبگیر"
آہ و زاری آخر شب کو کہتے ہیں۔ "زلف شبگیر" نہ مسموع نہ معقول۔

"سخن" بالفتح و بالضم حرف ثانی | "سخن" کا قافیہ "تن" بھی درست ہے اور "تن" بھی
جائز ہے یعنی "سخن" کا دوسرا حرف مضموم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے اور اس پر
متقدمین اور متاخرین اور اہل ایران اور اہل ہند کو اتفاق ہے

قبۂ خشخاش | "قبۂ خشخاش" پوست کے ڈوڈے کو کہتے ہیں اس میں کچھ تامل نہ چاہیے

تم اپنے تکمیل کی فکر میں رہا کرو۔ زنہار کسی پر اعتراض نہ کیا کرو۔ والدعا۔

(بنام مرزا یوسف علیخاں عزیز)

نمبر ۱۷

نور اور خورشید۔ خور کا قافیہ جمشید۔

<u>نور اور خورشید</u> میری جان وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ، جمشید و کیخسرو کے عہد میں مروج تھی اس میں "خور" بجائے مضموم نور قاہر کو کہتے ہیں اور چونکہ پارسیوں کی دید و دانست میں بعد خدا کے آفتاب سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں ہے اسی واسطے آفتاب کو "خور" لکھا اور "شید" کا لفظ بڑھا دیا۔ "شید" بشین مکسور و یائے معروف بروزن عید روشنی کو کہتے ہیں یعنی اس نور قاہر ایزدی کی روشنی ہے خور اور خورشید یہ دونوں اسم آفتاب کے ٹھہرے۔ جب عرب و عجم مل گئے تو اکابر عرب نے کہ وہ منبع علوم ہوئے واسطے رفع التباس کے خور میں واو معدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا۔ ہر آئینہ متاخرین نے اس قاعدے کو پسند کیا اور منظور کیا اور فی الحقیقت یہ قاعدہ بہت مستحسن ہے فقیر خور جہاں بے اضافہ لفظ شید لکھتا ہے موافق قانون عظمائے عرب بواو معدولہ لکھتا ہے یعنی خور اور جہاں باضافہ لفظ شید لکھتا ہے وہاں پیروی بزرگان پارسی سر بسر لفظ خور کو بے واو لکھتا ہے یعنی خرشید۔

<u>خور کا قافیہ</u> خور کا قافیہ دَر اور بَر کے ساتھ جائز اور روا ہے خور میں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا۔ وہاں میں بے واو کیوں لکھوں۔ رہا خورشید چاہو بے واو لکھو چاہو مع الواو لکھو میں بے واو لکھتا ہوں مگر مع الواو کو غلط نہیں جانتا اور خور کو کبھی بے واو نہ لکھوں گا قافیہ ہو یا نہ ہو۔ یعنی نظم میں وسط شعر میں آ پڑے یا نثر کی عبارت میں واقع ہو خور لکھوں گا۔

جمشید یہ بات بھی تم کو معلوم رہے کہ جس طرح خور ترجمہ نور قاہر کا ہے۔

اسی طرح جمّ ترجمہ قادر کا ہے کہ باضافہ لفظ شید اسم شہنشاہ وقت قرار پایا ہے

(بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۱۸

دہلی اور لکھنؤ کا فرق۔ شہر دہلی کی تباہی کی حالت

دہلی اور لکھنؤ کا فرق | جان غالب تمھارا خط پہونچا۔ غزل اصلاح کے بعد پہونچتی ہے ہے۔ ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے مصرعہ بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہو گیا اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی ہے۔ میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے ارے اب اہل دہلی یا اہل ہنود ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔

خس کی ٹٹی پروا ہوا کا اب کہاں لطف وہ تو اسی مکان میں تھا اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ جہت وہ سمت بدلی ہوئی ہے بہر حال می گذرد مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔ لال ڈگی کے کنویں یک قلم کھاری ہو گئے خیر کھاری

شہر دہلی کی تباہی کی حالت | ہی پانی پیتے۔ گرم پانی نکلتا ہے پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال معلوم کرنے گیا تھا مسجد جامع ہوتا ہوا راج گھاٹ دروازہ کو چلا مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازے تک بلا مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اور جالے جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے یاد کرو مرزا گوہر کے باغیچہ کی اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا اب وہ باغیچہ کے صحن کے برابر ہو گیا یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں باقی سب اٹ گیا کشمیری دروازے کا حال تم دیکھ گئے ہو اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازے سے کابلی دروازہ تک

میدان ہو گیا۔ پنجابی کٹرہ دھوبی داس کا واڑہ۔ رامجی گنج سعادت خاں کا کٹرہ جرنیل کی بی بی کی حویلی رام جی داس گودام والے کے مکانات صاحب رام کا باغ و حویلی ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا۔ اب جو کنوئیں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا اللہ اللہ دلی نہ رہی اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد۔ ارے بندۂ خدا اردوئے بازار نہ رہا اردو کہاں دلی اب شہر نہیں ہے کمپ چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔

(بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۱۹

بنا بہ آب رسیدن اور بنا بہ آب رسانیدن۔ خراب اور خرابہ۔

قبلہ کل خط آیا آج جواب لکھتا ہوں پہلے آپ کا ایک فقرہ لکھ کر اتنا ہنسوں کہ پیٹ میں بل پڑ جائیں اور آنکھ سے آنسو نکل آئیں فقرہ "بڑھاپے میں کیا جانئے کہاں کی حرارت مزاج میں آگئی ہے" فقط

کیوں صاحب تم نے بڈھوں میں اپنا نام لکھوایا تو مجھ کو لازم ہے کہ اپنے کو اموات میں گنوں تمہاری عمر میرے نزدیک پچاس سے متجاوز نہ ہو گی۔ اگر تجاوز کیا ہو گا تو دو تین برس سے وہ تجاوز زیادہ نہ ہو گا۔ بھائی ضیاءالدین خاں اور تم ہم عمر ہو وہ کچھ کم پچاس اور تم کچھ اوپر پچاس ابھی تم دونوں صاحبوں کو ایک سو بیس میں سے ستر برس یا کچھ کم ستر برس باقی ہیں۔

بنا بہ آب رسیدن اور بنا بہ آب رسانیدن

"بنا بہ آب رسیدن" لازمی اور "بنا بہ آب رسانیدن" متعدی باجماع جمہور اضداد میں سے ہے ہم معنی استحکام و ہم بمعنی انہدام۔ و صورت استحکام نیو کا گہرا کھونا ملحوظ ہے۔ اور در صورت

انہدام لطمۂ امواج سیلاب مدنظر ہے آپؐ کے لکھے ہوئے دونوں شعر مفید معنی خرابی ہیں صائب ؎ بنائے عمر مسیح و خضر بآب رسید۔ یعنے ویران ہو گئی ڈھے گئی حال آنکہ وہ یقیناً جاودانی تھی ؎ ہنوز تشنۂ خونست تیغ مژگانش۔ باآنکہ تیغ مژہ نے دو زندۂ جاوید کو مارا اگر اب تک تشنۂ خون ہے "تشنہ" بمعنی مشتاق اور "خون" بمعنی قتل اور "بنائے عمر بآب رساندن" استعارہ ہلاک سے ہزار میکدہ را محتسب بآب رساند ؎ بنائے صومعہ شد ہمچناں برپاست "بنائے میکدہ" غلط "ہزار میکدہ" صحیح ہے کلیم کے دیوان میں موجود یعنی محتسب نے ہزار میکدے ڈھا دیئے دریا برد کردیے صومعہ زرق و ریا اب تک معمور و موجود ہے بمعنی استحکام نعمت خاں عالی کہتا ہے ؎ نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا بآب ؎ چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد مبیدانیم ما۔ صائبؒ کہتا ہے

چگونہ شمع تجلی ز رشک نگدازد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ رُخ تو خانۂ آئینہ را بآب رساند

بنوں موقوف غالبؔ کہتا ہے کہ اساتذہ کے کلام کے مشاہدہ میں اگر توغل ہے تو ہزارہا بات نئی معلوم ہوتی ہے۔

خراب، اور خرابہ | میں نے سات شعر امیر خسرو کی غزل پر لکھ کر ایک مطرب کو دیئے وہ مجلسوں میں گانے لگا۔ اکبرآباد و لکھنؤ تک مشہور ہوئے۔

وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے۔ مطلع

از جسم بجاں نقاب تا کے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ایں گنج دریں خراب تا کے

ایک صاحب آگرہ میں اور ایک صاحب لکھنؤ میں معترض ہوئے کہ گنج در خرابہ باید نہ در خراب۔ ہر چند کہا کہ خرابہ مزید علیہ اور اصل لغت خراب عربی الاصل بمعنی ویران ویرانہ ہے جس کی ہندی اوجڑ۔ معترض مصر رہا صائبؒ کے دیوان میں سے یہ مطلع نکالا

بہ فکر دل نہ فتادی بہیچ باب دریغ ‌‌ ‌ بگنج راہ نبردی دریں خراب دریغ
(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۰

شگفتی اور شگفت۔ شفق۔ خراب بمعنی خرابہ۔ ویران ویرانہ۔ موج و موجہ

جناب بھائی صاحب قبلہ یقین ہے کہ آپ مع الخیر اپنی دارالریاست میں پہنچ گئے ہوں اور جمعیت خاطر روزہ رکھتے ہوں۔ یاں سکے خیال اور مولوی الطاف حسین کے فراق کے سوا کوئی وجہ ملال نہ ہو۔ خدا کرے تم کو یاد آجائے کہ۔

شگفتی اور شگفت | آکہ صفحی ہے "شگفتی" کو "شگفت" کا مزید علیہ مسلّم نہیں جانتے تھے سکندرنامہ میں دیکھا ہے

بسے در شگفتی نمودن طواف ‌ ‌ عنان سخن راکشد در گزاف

شفق | صہبائی شفق صبح کو غلط اور اس رنگ کو مخصوص بشام جانتا تھا۔ محمد سعید اشرف مازندرانی کے کلام میں نظر پڑا ہے۔ ہمچو صبح شفق آلودہ رخش سرخ و سفید۔
اب جو فقیر کا یہ مطلع مشہور ہوا ہے از جسم بجان نقاب تاکے + ایں گنج دریں خراب تاکے حضرات کو اس میں تامل ہے خرابہ کی جگہ خراب کو نہیں مانتے۔

خراب بمعنی خرابہ | آیا نہیں جانتے کہ لغت عربی اصل خراب کو اور خرابہ مزید علیہ

ویران و ویرانہ موج و موجہ | ویران لغت فارسی اصل اور "ویرانہ" مزید علیہ ہے "موج" لغت عربی اصل اور "موجہ" مزید علیہ ہے، مزید علیہ جائز اور لغت اصلی ناجائز کیوں ہو۔

یہ ایک مصرعہ قدما میں سے کسی کا ہے مگر پیش مصرعہ مجھے یاد نہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کس کا ہے ع۔ چوں مہر درکسوفم و چوں گنج در خراب

میں خود کہتا ہوں کہ اس کو نہ مانو اس راہ سے کہ میں قائل کا نام نہیں بتا سکتا یہ مطلع مرزا محمد علی صائب علیہ الرحمۃ کا ہے اور اس کے دیوان میں موجود ہے ؎

بفکر دل نقادی بہ ہیچ باب و دریغ   بگنج راہ نبردی درین خراب دریغ

گنج و خراب، گنج و خرابہ۔ گنج و ویران۔ گنج و ویرانہ مستعمل اہل ایران ہے اس بات میں متردد ہونا محض عدم اعتنا ہے والسلام صبح شنبہ دہم ماہ صیام سال غافر پیے اہل اسلام ۱۲

(بنام نواب مصطفیٰ خان شیفتہ)

نمبر ۲۱

"آب در بنا رسیدن" اور "آب در بنا رساندن" از جسم بجاں نقاب تا کے +
این گنج درین خراب تا کے اس پر عارف علی شاہ خراسانی کا اعتراض

اور دخل

قبلہ آج تیسرا دن ہے کہ میں "بنا بہ آب رسیدن" و "آب رساندن" کی حقیقت باستناد اشعار اساتذہ لکھ کر بسبیل ڈاک بھیج چکا ہوں۔ آج اس وقت بھائی ضیاء الدین خان صاحب آئے اور اس امر خاص میں کلام کیے۔

| "آب در بنا رسیدن" اور "آب در بنا رساندن" |

بادی ہوئے میری تقریر سن کر کہنے لگے کہ "آب در بنا رسیدن" و "آب در بنا رساندن" کے باب میں متردد ہیں کہ آیا یہ ترکیب جائز ہے یا نہیں؟ اب میں متنبہ ہوا کہ واقعی جو میں نے لکھا وہ سوال دیگر اور جواب دیگر تھا[1]۔ ستر برس کا پیر خرف ہو اس

---

[1] دیکھو خط نمبر ۱۹

معترض تلفت اگرچہ سوال کو غلط سمجھا لیکن جواب غلط نہیں لکھا۔ "رسیدن بنا آب" ہم بمعنے استحکام بنا و ہم بمعنے انہدام بنا درست۔ فقط

اب آپ "در بنا رسیدن" "در ساندن" کی کیفیت سنیئے فقیر نے اساتذہ کے کلام میں کہیں یہ ترکیب نہیں دیکھی۔ پس میں اس کی صحت اور غلطی میں کلام نہیں کرسکتا جانب غلطی میرے نزدیک راجح ہے آپ جبتک کلام اہل زبان میں نہ دیکھ لیں اس کو جائز نہ جانیے گا۔ مگر کلام سعدی و نظامی و خسرو ہیں اور ان کے امثال و نظائر کا معتمد علیہ ہے نہ آرزو اور نہ واقف اور قتیل وغیرہم کا۔

از جسم بجاں نقاب تا کے / ایں گنج دریں خراب تا کے

میرا ایک مطلع ہے ؎ از جسم بجاں نقاب تا کے ٭ ایں گنج دریں خراب تا کے ایک گروہ معارض ہوا کہ گنج کو "خرانہ" کہو "نہ خراب"۔ میں متحیر کہ یارب کس سے کہوں "خرانہ" "مزید علیہ" "خراب" ہے مثل ویران و ویرانہ و موج و موجہ۔ الحاق بائے ہوز سے لغت دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ ہمارے صائب کے دیوان میں ایک مطلع نظر آیا ؎

بفکر دل نہ فتادے یہ ہیچ باب دریغ ‏ یہ گنج راہ نہ بردی دریں خراب دریغ

یہ مطلع لکھ کر معترض صاحبوں کو بھیجا کہ غالب کو درد سر نہ دیجیے جو پوچھنا ہے وہ صائب سے پوچھ لیجئے

عارف علی شاہ خراسانی کا اعتراض اور دخل

عارف علی شاہ خراسانی نے اسی مطلع پر ؎ از جسم بجاں نقاب تا کے ٭ ایں گنج دریں خراب تا کے تین اعتراض کیئے تھے۔ پہلا نقاب کے ساتھ عارض و رُخ کا ذکر بھی ضرور تھا۔ وہ نہیں ہے دوسرا گنج تو ویرانے ہی میں ہوتا ہے پھر اس پر تاسف کیا جو کہتے ہیں "تا کے" تیسرا ویرانہ کو خرابہ کہتے ہیں نہ خراب۔ اور وہاں ان اعتراضوں کے بعد انھوں نے دخل کیا تھا ؎ از جسم بجاں حجاب تا کے ٭ گل پر رخ آفتاب تا کے

خراب اور خرابہ کا جواب تو صائب کا مطلع اوپر کے خطوں میں لکھ چکا یہ خط[1]
بقیہ اعتراضوں کے جواب اور دو نقل کے لیے جا ہونے کے اظہار میں ہے۔
(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۲

از جسم بجاں نقاب تا کے ﴿ ایں گنج دریں خراب تا کے کے اعتراضوں کا
جواب اور اس شعر کے معنی سمجھاتے ہیں فاتخر مکین۔

قبلہ دیکھئے ہم عارف ہیں در دو نامہ سے پہلے جواب نامہ لکھتے ہیں دن
بھول گیا ہوں غالب ہے کہ آج تیسرا دن ہو۔ صبح کو میں نے "آب در بنا رسیدن
کی بحث میں خلاصہ تحقیق لکھ کر ارسال کیا اسی دن شام کو آپ کا خط آیا بقیہ
جواب اب لکھتا ہوں۔

از جسم بجاں نقاب تا کے الخ کے اعتراضوں کا جواب | نقاب اس شعر میں بمعنے حائل ہے جو ل کو وجہ و رخ کی خصوصیت نہیں۔ دو چیزوں کے بیچ میں جو شے آجائے بلکہ اس سے بڑھکر یہ بات ہے کہ جو چیز ایک چیز کی مانع نظارہ ہو وہ نقاب ہے اس شے نامرئی کا رُخ بمناسبت نقاب مقدر ہے اور یہ تقدیر جائز اور بلیغ ہے "حجاب" کا یہاں اور پری یعنے بے محل اور نا ملائم ہونا بشرط عقل سلیم و طبع لطیف ظاہر ہے "گل" "خاک بآب آمیختہ" کو کہتے ہیں وہ رخ آفتاب تک کہاں پہونچے ہاں گرد و غبار میں آفتاب چھپ جاتا ہے اس کا استعمال از روے مجاز جائز ہے "گنج در ویرانہ تا کے" یہ بہت لطیف بات ہے یعنی افسوس کیا جاتا ہے اس

---

[1] یعنی خط نمبر ۲۲

گنج کے بیکار ہونے کا۔ "گنج" سے غرض یہی تو نہیں کہ جنگل میں مدفون رہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مدفن سے نکلے اور صرف ہو اور لوگ اس کے وجود سے تمتع پائیں۔ یہاں ایک اور دقیقہ ہے کہ اس شعر میں گنج مشبہ بہ اور روح انسانی مشبہ ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ روح کا تعلق جسم سے جاودانی نہیں پس کیا قباحت ہے اگر ایک غمزدہ ستم زدہ قطع تعلق روح کا منتظر اور مشتاق ہو مثلاً ایک میعادی محبوس بحسرت تمنا یہ کہے کہ آہی وہ دن کب آئے گا کہ میں قید سے نجات پاؤں کب تک سڑک کاٹوں کب تک رنج اٹھاؤں۔

<u>فاخر مکین</u> | فاخر مکین ایک شاعر تھا۔ شجاع الدولہ و آصف الدولہ کے عہد میں اس نے سعدی و نظامی و حزیں کے اشعار کو اصلاحیں دی ہیں جب ایک ہندوستانی بے علم تنک مایہ اساتذۂ نامی عجم کے کلام کو اصلاح دے اگر ایک عالم خراسانی نے ایک ہندی کے مطلع میں تصرف کیا تو کیا قباحت لازم آئی خدا کا شکر کہ مجھ کو ستر برس کی عمر میں پچاس برس کی مشق کے بعد استاد میسر آیا۔

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۳

جناب مرزا صاحب دلی کا حال تو یہ ہے ؎

گھر میں کیا تھا جو ترا غم اسے غارت کرتا   وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لوٹے گا وہ خبر محض غلط ہے اگر کچھ ہے تو بدیں نمط ہے کہ چند روز چند لوگوں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم اور اہل فوج نے بالانصاف رائے ہمدگر ایسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا اب امن و امان ہے۔

<u>ناسخ کی نسبت مرزا کی رائے</u> | ناسخ مرحوم جو تمھارے استاد تھے میرے بھی دوست

صادق الوداد تھے مگر یک فنی تھے صرف غزل کہتے تھے قصیدہ اور مثنوی سے ان کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا مثنوی کے اشعار جو ہیں نے دیکھے کیا کہوں کیا خط اٹھایا ہے خدا سے میں بھی چاہتا ہوں ازرہ مہر + فروغ میرزا حاتم علی مہر۔ اگر اسی انداز پر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کارنامہ اردو کہلائے گی خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ معیار الشعراء میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا ہے تمہارے ہاتھ کیا آیا ہے سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو تو امتیاز کیا رہے۔

(بنام مرزا حاتم علی مہر)

نمبر ۲۴

جناب عالی کل میرے شفیق مکرم منشی نواب جان کلبۂ احزان میں تشریف لائے آپ کا سلام کہا معلوم ہوا خواجہ صدرالدین صاحب لشکر کے ساتھ گئے ہیں اس فصل میں کہ ابھی سے رات دن آگ برستی ہے اچھا ہوا کہ زحمت سفر نہ کھینچی۔

مرزا اپنے رقعات چھپوانے کے خواہشمند ہیں اور خواجہ غلام غوث بیخبر سے اپنے رقعات یا ان کی نقل طلب کرتے ہیں۔	ابھی حضرت یہ منشی ممتاز علی کیا کر رہے ہیں رقعے جمع کئے اور نہ چھپوائے۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں ان کی بڑی خواہش ہے

جانتا ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ ان سے کہیں مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپ کو پہونچے ہیں وہ سب یا ان سب کی نقل بطریق پارسل آپ مجھ کو بھیج دیں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب بھی پارسل ہو۔ تم سلامت رہو قیامت تک۔

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۵

نامراد اور بے مراد۔ نامرادی کے معنی ۔ عاقلان از بے مرادیہائے خویش
باخبر گشتند از مولائے خویش۔

نامراد اور بے مراد حضرت پیر و مرشد۔ ۔ ۔ ناظرین "قاطع برہان" پر روشن ہوگا کہ "نامراد" اور "بے مراد" کا ذکر مبنی اس پر ہے کہ عبدالواسع ہانسوی "بے مراد" کو صحیح اور "نامراد" کو غلط لکھتا ہے میں لکھتا ہوں کہ ترکیبیں دونوں صحیح لیکن "بے مراد" غنی کو کہتے ہیں اور "نامراد" محتاج کو۔ آپ کے نزدیک اگر ان دونوں کا محل استعمال ایک ہی ہو تو میرا مدعائے اصلی، یعنی "نامرادی" کی ترکیب کا علی الرغم عبدالواسع کے صحیح ہونا فوت نہیں شعر میرزا صائب ؎

نامرادی زندگی بر خویش آساں کردہ است ترک جمعیت دل خود را پریشاں کردہ است

نامرادی کے معنی یہاں "نامرادی" "بے مرادی" کے معنے کیونکر دیگی۔ اغنیا خواہ اہل توکل خواہ اہل تمول متمولین پر بھی کام آسان نہیں ہوتا بلکہ مفلسوں سے زیادہ ان پر مشکلیں ہیں۔ لیے سے اہل توکل ان کی صفتیں اور ہیں وہ اہل اللہ ہیں مقربان بارگاہ کبریا ہیں۔ دنیا پر پشت پا مارے ہوئے ہیں کام ان پر کب مشکل تھا۔ کہ انھوں نے اس کو آسان کر دیا۔ "نامراد" صیغۂ مفرد ہے مساکین کا۔ اضافت مساکین کی شرح ضرور نہیں سختی کشی و بینوائی و تہیدستی و گدائی یہ اوصاف ہیں مساکین کے۔ ان صفات میں سے ایک صفت جس میں پائی جاوے وہ مسکین نامراد۔ البتہ مساکین پر نہ ایک کام بلکہ سب کام آسان ہیں نہ پاس ناموس و عزت نہ حبّ جاہ و تمکنت نہ کسی کے مدعی نہ کسی کے مدعا علیہ دن رات میں دو بار روٹی ملی بہت خوش، ایک بار ملی بہر حال خوش، خدا کے واسطے مولانا

صائب کے شعر میں سے "نامراد" بمعنی "کسے کہ ہیچ مراد نداشتہ باشد" کیونکر ثابت ہوتا ہے۔ مساکین کی زندگی جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں آسان گذرتی ہے یا اغنیا کی؟ رہا مولوی معنوی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر ع عاقلاں از بے مرادیہائے خویش ۔ باخبر گشتند از مولائے خویش

عاقلاں از بے مرادیہائے خویش
باخبر گشتند از مولائے خویش

میں نے مثنوی کے ایک نسخہ میں "عاقلاں" کی جگہ "عاشقاں" دیکھا ہے۔ بہر صورت معنی یہ ہیں کہ عشاق یا عقلا بعد ریاضت شاقہ ماسوائے اللہ سے اعراض کر کے بے مراد اور بے مدعا ہو گئے یہ پایۂ تسلیم و رضا ہے۔ البتہ اس رتبہ کے آدمی کو خدا سے لگاؤ پیدا ہو گا ع باخبر گشتند از مولائے خویش یہاں بھی بے مرادی سے نامرادی کے معنی نہیں لئے جاتے مگر ہاں ع بے مرادی مومناں از نیک و بد۔ دوسرا مصرعہ ع در بکلی بے مرادت داشتہ ان دونوں مصرعوں میں نامراد اور بے مرادی کے معنی میں خلط واقع ہو گیا ہے یعنی "بے مراد" اور "نامراد" ایک سہی ہر چند دوسرے مصرع مولوی میں "بے مراد" کے معنی "بے حاجت" کے درست ہوتے ہیں مگر ع من کہ رندم شیوۂ من نیست بحث + زیادہ تکرار کیوں کروں مجھ سے مصرعۂ اول کی کچھ توجیہ بھی نہیں کر سکتا۔ "نامراد" کی ترکیب کی صحت علی الرغم عبد الواسع ثابت ہو گئی فقبت الدعا۔ کمال یہ کہ مانند "ناچارہ" و "بیچارہ" اور "ناانصاف" اور "بے انصاف" کے "نامراد" اور "بے مراد" کا بھی مورد استعمال مشترک رہا والسلام ۱۲

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۶

سہل ممتنع کی ترکیب و تعریف ۔ ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا + برسوں پڑھے تو یاد نہ ہووے سبق مرا۔ آب در بنار ساندن اور بنا بہ آب رسانیدن

سہل ممتنع کی ترکیب و تعریف | پیر و مرشد۔ سہل ممتنع میں کسرۂ لام توصیفی ہے۔ سہل موصوف اور ممتنع صفت۔ اگرچہ بسبب ضرورت وزن کسرۂ لام مشبع ہو سکتا ہے لیکن مخل فصاحت ہے اور لام موقوف تو خود سراسر قباحت ہے سہل ممتنع اس نظم ونثر کو کہتے ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اس کا جواب نہ ہو سکے بالجملہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہے اور بلاغت کی نہایت ہے ممتنع درحقیقت ممتنع النظیر ہے شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور رشید وطواط وغیرہ شعرائے سلف نظم میں اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتے ہیں خودستائی ہوتی ہے سخن فہم اگر غور کرے گا تو فقیر کی نظم ونثر میں سہل ممتنع اکثر پائے گا۔

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا ۞ برسوں پڑھے تو یاد نہ ہووے سبق مرا | ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا ۞ برسوں پڑھے تو یاد نہ ہووے سبق مرا[۱]۔ یہ مصرعہ حیرت آور ہے کلام ادق سہل ممتنع کی منافی ہے پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہو سکتی کلام ادق جس کا حفظ دشوار ہو شاید کوئی قسم اقسام کلام میں سے ہو ہاں کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہیں سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یکدیگر ہے۔ مغلق اور ادق سہل ممتنع اور سہل ممتنع مغلق اور ادق کیونکر ہو سکے گا۔ اور

---

[۱] یہ شعر میر انیس مرحوم کا مرزا صاحب کے اعتراض بیجا کا گھائل ہے مرزا صاحب نے اس کے معنی سمجھانے میں غلطی اور اس پر اعتراض وارد کرنے میں زیادتی کی ہے "کلام ادق" سے یہاں یہ مطلب ہے کہ ہر چند باعتبار لفظ کلام بہت سہل مگر بلحاظ معنی بہت دقیق اور باریک ہے اور اسی وجہ سے اسکی نقل و پیروی بہت مشکل ہے وہ عسیر الفہم نہیں بلکہ عسیر النقل ہے اور یہی حقیقی تعریف سہل ممتنع کی ہے "سبق یاد نہ ہوتے" سے بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کلام کا حافظہ میں محفوظ رکھنا مشکل ہے بلکہ برسوں پڑھنے اور رٹنے کے باوجود بھی اس کی نقل دشوار ہے۔

حافظہ میں محفوظ رہنا کلام مغلق اور ادق کی صفت کیونکر پڑے گی ہاں مغلق عسیر الفہم ہو گا پڑھا نہ جائے گا معنی سمجھ میں نہ آئیں گے سہل ممتنع کی صفت وہ تھی جو تقریر اوپر لکھ آیا اس شعر سے مجھ کو کچھ علاقہ نہیں۔

آب در بنا رسیدن اور بنا بہ آب رسانیدن

"آب در بنا رسیدن" بمعنی خرابیٔ بنیاد" قیاسی ہے اساتذہ کے کلام میں میں نے نہیں دیکھا اگر آیا ہو تو درست ہے ہاں "بآب رسانیدن بنا کہ بظاہر آب در بنا رسیدن" کا متعدی معلوم ہوتا ہے بلغا کے کلام میں آیا ہے لیکن اضداد میں سے ہے "بمعنے" ویرانی بنا" مستعمل ہا اور نیز بمعنی استحکام بنا" اگر اس کا لازم ڈھونڈھیے تو "رسیدن بنا بہ آب" ہے نہ "رسیدن آب در بنا" جیسا کہ نعمت خاں عالی کہتا ہے ؎

نیست محکم گر رسید بنیاد دنیا تا بآب چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد میدانیم ما

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "رسیدن بنا تا بآب" موجب استحکام ہے اور شاعر باوجود دلیل استحکام بنا کو نا استوار جانتا ہے صائب کہتا ہے ؎

چگونہ شمع تجلی ز رشک نہ گدازد رخ تو خانۂ آئینہ را بآب رساند

حاجی محمد جان قدسی ؎

بگوش عطائش رساند ایں خطاب کہ بنیاد کاں را رساند بآب

یہ دونوں شعر مفید معنی ویرانی ہیں قصہ مختصر "آب رسیدن بنا" خرابی خانہ "بآب رسانیدن" متعدی اس کا "رسیدن آب در بنا" مسموع نہیں ابھی بیمار ہوں اور بیمار کے واسطے انجام کو غسل صحت ہے یا غسل میت والسلام ۱۲

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۷

خانصاحب عالیشان مردان علی خاں صاحب کو فقیر غالب کا سلام نظم و نثر دیکھکر دل بہت خوش ہوا آج اس فن میں تم یکتا ہو خدا تم کو سلامت رکھے۔

"جفا" کی تذکیر و تانیث | بھائی "جفا" کے مؤنث ہونے میں اہل دہلی و لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ ہتھنی آیا اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم مذکر اور بیداد و جفا مؤنث ہے بے شبہ و شک

والسلام والاکرام ۱۲

(بنام مردان علی خاں رعنا)

نمبر ۲۸

خانصاحب مشفق عالیشان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ پہونچا رام پور

اصلاح شعر | کا لفافہ آج رام پور کو روانہ ہوگا کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔

گزرا ہے مرا نالہ ورِ چرخ کہن سے　　تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

"نالہ دل" بنا دیا۔ نواب صاحب اردو کا تذکرہ لکھتے ہیں فارسی غزل تم نے بیفائدہ لکھی۔ دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتہ لکھا سو میں نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے سے ملے بہت

منشی نولکشور کے متعلق مرزا کی رائے | خوبصورت اور خوش سیرت سعادتمند اور معقول پسند آدمی ہیں وہ تمہارے مداح اور میں ان کا ثناخواں۔ خدا تم کو اور ان کو سلامت رکھے۔

(بنام مردان علی خاں رعنا)

نمبر ۲۵

بخدمت مشفقی مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ قلبہ بالاسرار و علیہم

بالالوار سخنے چند گفتہ میشود ــ

نہ در منطق پارسی و دری ہیں ہندی سادہ و سرسری

جس طرح توحید میں نفی ماسوے اللہ دستور ہے۔ مجھ کو تحریر میں حذف زوائد منظور ہے عزم مقابلہ نہیں قصد مجادلہ نہیں سرتاسر دوستانہ حکایت ہے خاتمہ میں ایک شکایت ہے شکوہ دردمندانہ منافی شیوۂ ادب نہیں معہذا اظہار درد دل مراد ہے کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسانمند ہوں آپ کا کہ آپ نے منشی سجاد علی کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا۔ ان کے حسن ظن کے مطابق مجھ کو معشوق میرے استاد کا نہ لکھا۔ اور اگر ایک جگہ یہ الفاظ کہ۔ بقول غالب (با کدام خرس در جوال شدہ ام) بہم کئے اور دو چار جگہ کلمہ توہین رقم کئے ہیں لنے اپنے لطف طبع اور حسن عقیدت سے پہلے فقرے کا مفہوم یوں اپنے دل نشین کیا "با خرس در جوال شدن" عبارت ہے صحبت سے خواہی مداہنت کے واسطے ہو خواہی محبت سے مجھ کو اس کا قرب بسبیل آویزش ہے تم کو اس کا قرب از روئے آمیزش ہے دوسرے فقرے کے معنی یہ ٹھہرائے بلکہ بے تکلف میرے ضمیر میں آئے کہ خرس کی مدد دینے سے کوفت حاصل ہوئی اور وہ کوفت باعث درد دل ہوئی۔ شدت درد میں آدمی چیختا ہے، چلاتا ہے ہائے وائے کرتا ہے، غل مچاتا ہے، جیسا کہ سعدی کی بوستاں کی اس حکایت میں جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ع۔ شنیدم زبیت فکرت ہمی سوختم + فرماتا ہے ع۔ کہ ناچار فریاد خیزد ز درد۔

برہان قاطع کے متعلق | جناب مرزا صاحب کیا تم نہیں جانتے کیونکر نہیں جانتے بے شبہ جانتے ہو گے کہ اکابر امت کو امور دینی میں کیا کیا منازعتیں باہم واقع

ہوتی ہیں کہ نوبت بہ تکفیر یکدیگر پہونچی ہے۔ اگر فن لغت میں ایک شخص دوسرے کا
معتقد نہ ہوا یہاں تک کہ اس کی تحقیق بھی کی تو اور مدعیان علم و عقل اس مسکین کے جگر
تشنۂ خوں کیوں ہو جائیں، اور جب تک نقش ہستی اس کا صفحۂ دہر سے نہ مٹائیں
آرام نہ پائیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے قاطع برہان میں لکھا ہے نہ اس کو سمجھے
ہیں اور نہ کچھ آپ لکھتے ہیں نہ اس کے معنی سمجھتے ہیں سوال دیگر جواب دیگر یہ دائرہ ہے
خارج از بحث اقوال کی تکرار ہے برہان قاطع والے کی محبت سے دل بھر رہا ہے فرط غیظ
و غضب سے بدن رعشہ دار ہے منشی سعادت علی نہ ناظم ہے نہ نثار ہے بموجب اس مصرعہ
کے یعنی "مقتضائے طبیعتش اینست" ناچار ہم کو معرض تحریر میں تحمل اور تامل چاہیئے۔
سخن پروری و جانبداری ہے، تو غل چاہیئے بحسب اختلاف طبائع مانو یا نہ مانو مگر یہ تو
جانو کہ غالب سوختہ اختر کا فرہنگ نویسوں کے باب میں۔

فرہنگ نویسوں کے متعلق مرزا کا عقیدہ

کیا عقیدہ ہے اگرچہ قاطع برہان میں جا بجا لکھتا آیا ہوں مگر
اب ہندی کی چندی کرکے لکھتا ہوں کہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ فرہنگ
لکھنے والے جتنے گزرے ہیں سب ہندی نژاد ہیں ہاں علم صرف و نحو عربی میں بقدر
تحصیل مسلم اور استاد ہیں علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں جس نے چاہا اس نے
استاد سے ان کتب کو پڑھ لیا۔ فارسی کی جو فرہنگیں حضرت نے لکھی ہیں مطالب
مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں اور اس کا علم کس استاد سے حاصل کیا ہے آخر
مقاصد صرف و نحو عربی بھی تو صرف مطالعہ کتب سے نہیں نکالے ہیں پہلے تعلیم تعلم
ہے پھر کتب قواعد کے جا بجا حوالے ہیں قواعد فارسی کا رسالہ اہل زبان میں سے
کس نے لکھا ہے اور ان ہوس پیشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضل عجم
سے پڑھا ہے شیدائے ہندی سکوری نے حاجی محمد جان قدسی علیہ الرحمۃ کے ایک
شعر پر اعتراض کیا ہے مرزا جلالائے طباطبائی علیہ الرحمۃ نے شیدا کو خط لکھا ہے

سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ اور برساند ردیف ہے شعر اخیر
کا مصرع ثانی یاد رہ گیا ہے یعنی بہادیو مقوی برساند + خلاصہ مضمون خط یہ کہ نہ تو
صاحب زبان ہے نہ زبان دان ہے یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایران ہے حاجی
محمد جان کے کلام کو سند پکڑے تجھے کس نے کہا ہے کہ اس سے لڑا کیا تو نے سنا نہیں
جو عرفی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور موتمن الدولہ شیخ ابوالفضل کے روبرو
ہوئی ہے۔ لغات فارسی اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا۔ مولانا جمال الدین عرفی
رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور نطق آشنا ہو گیا
ہوں اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغات فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا رہتا ہوں
فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے وہ ہم نے خاقانی اور انوری
سے اخذ کیا ہے حضرت عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف خاقانی و انوری کا ماخذ بھی
تو منطق گھر کی پیر زالوں کا ہے۔ ہائے اہل تمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھیں کہ یہ حال
قلمرو ہند کے صاحب کمالوں کا ہے قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو۔ مجرد تقدم زمانہ کا
اعتبار دیکھو مانا کہ عرفی تحصیل علوم عربیہ میں ان سے کمتر ہے صاحب زبان اور ایرانی
ہونے میں برابر ہے کیا عرفی کیا انوری کیا خاقانی۔ ایک شیرازی ایک خاوری ایک شروانی
اگر مجھ سے کوئی کہے کہ غالب تو بھی مولد ہندوستان ہے میری طرف سے جواب یہ
ہے کہ بندۂ ہندی مولد و پارسی زبان ہے ؎

ہر چہ از دست گہ پارس بہ یغما بردند   تا بنالم ہم ازاں جملہ زبانم دادند

زبان دانی فارسی میری ازلی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص منجانب اللہ ہے

مرزا کو فارسی کا خداداد ملکہ

فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے مشق کا کمال
میں نے استاد سے حاصل کیا ہے ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے نغز گو اور
معنی یاب ہیں لیکن یہ کون احمق کہے گا کہ یہ لوگ دعویٰ زباندانی کے قابل ہیں

رہے فرہنگ لکھنے والے۔ خدا ان کے پیچ سے نکالے۔ اشعار قدما آگے دھر لئے اور اپنے قیاس کے مطابق چل دیئے وہ بھی نہ کوئی ہم قدم نہ ہمراہ، بلکہ تشو بشو پراگندہ تباہ رہنما ہو تو راہ بتائے۔ استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے نہ آپ شیرازی نہ استاد رضائی۔ نہ ہے رگ گردن وہ ہے دعوی زباندانی میرا یہ قول خاص ہے نہ عام ہے۔ مجموع فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں کلام ہے یہ کیا بات ہے کہ جامع برہان کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجو میں کیا پیری ہے قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہونا اگر منشاے برتری ہے تو بیچارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری ہے۔

لطیفہ | ایک لطیفہ لکھتا ہوں اگر خفا نہ ہو جاؤ گے تو خط اٹھاؤ گے جتنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع مانند پیاز ہیں۔ تو بتو لباس در لباس۔ وہم در وہم اور قیاس در قیاس۔ پیاز کے چھلکے جس قدر اتارتے جاؤ گے چھلکوں کا ڈھیر لگ جائے گا مغز نہ پاؤ گے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے جائیے لباس ہی لباس دیکھو گے شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو ورق ہی ورق نظر آئیں گے معنی موہوم۔ نظر اذنت پیدار تحقیق نہیں ہے۔ آپ کی خاطر نشین کرتا ہوں جو میرے دلنشین ہے۔ فرہنگ نویسوں کا قیاس معنی لغات فارسی میں نہ سراسر غلط ہے البتہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔

جامع برہان قاطع کی نسبت رائے | خصوصاً دکنی تو عجیب جانا نہ ہے لچر ہے پوچ ہے پاگل ہے دیوانہ ہے وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یائے اصلی کیا ہے اور یائے زائد کیا ہے حیران ہوں کہ اس کی جانبداری میں فائدہ کیا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ میں یک رنگ ہوں مگر دکنی کے جانب داروں کا چور رنگ ہوں۔

جو چاہو سو کہو اوروں سے تم کیوں لڑتے ہو کہیں جامع "لطائف غیبی" کو برا کہتے ہو کہیں نگارندۂ "دافع ہذیان" سے جھگڑتے ہو۔ جانتا ہوں کہ دکنی کی عبارت کی خامی، اس کی رائے کی کجی، اس کے قیاس کی غلطی، اگرنہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ سچ جانتے ہو مگر یہ میں نہیں جانتا کہ اتنی محنت کرنی اور اس کے رفع تخطیہ کے واسطے توجیہات باردہ ڈھونڈھنی کس واسطے ایسا اس کو کیا مانتے ہو۔ مجھ پر جدا منہ آتے ہو۔ مولوی نجف علی اور میاں داد خاں سے جدا بگڑتے ہو۔ بھائی صاحب عقل بچپن پر آ گئے گویا لڑتے ہو۔ سچ ہے غالب آگندہ گوش ہے کسی کی نہیں سنتا۔ اسی سے آپ کے مقرر کئے ہوئے قاعدے کے موافق بجلدت کہتا ہوں کہ قاطع برہان و دافع ہذیان و لطائف غیبی کو ہرگز نہیں دیکھا۔

آویزہ و افسوس | "آویزہ" و "افسوس" کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اس کا اقرار اور میرا دوست میاں داد خاں شرمسار ہے۔ جو کچھ اس مصنف نے اس باب میں لکھا وہ قول فیصل اور کافی ہے۔ ماننا یا نہ ماننا ناظرین کو اختیار ہے۔

گلہری | بکاف فارسی مکسور بوزن اکہری لغت ہندی الاصل اس کی شرح میں جداگانہ ایک فصل۔ کاف فارسی مکسور کی جگہ کاف عربی مفتوح اعراب کا بوزن تشری موضوع مجھے اور میرے دوست سیف الحق کو دو سہو طبی پر استبداد ہوا خواہان بوہرہ دکنی کو اغلاط متواتر کے جواز پر اصرار فاعتبروا یا اولی الابصار۔ تیسرے واؤ بمعنی لوز اور خوردہ مع الواؤ بمعنی جذام۔ ویزہ بمعنی پاک۔ آویزہ بمعنی ناپاک ایک یہ اور ہزار ایسے اغلاط سند اور مقبول اور منظور۔ گویا یہ مصرعہ جو حمد میں ہے "ہے کند ہر چہ خواہد بر و حکم نیست" اس کی شان میں صادق سمجھ لیا ہے۔ ختم پر دور

اب چاہیے کہ اس کے پوچھنے والے اس کے بعد "جل جلالہ" لکھیں۔ اور اگر اتنی جرأت نہ کریں تو نظر بافادہ و استفادہ "عم نوالہ" لکھیں۔ ستر برس کی عمر کانوں سے بہرا جمعیت کم تفرقہ زیادہ اور پھر خودداری اور کسر نفس اور استغنا خداداد بیہودہ بکنے میں اوقات کیوں صرف کروں۔ یا سخن نگاری کیوں لفظاً بلفظ و حرف بحرف کروں۔ آپ کو اپنی نمود اور شہرت منظور ہے۔ خردہ گیری و عیب جوئی سے مجھ کو نفرت ہے اور یہ ادائی ہے زیادہ کوئی سے آپ کے حسن کلمات طیبات سے قطع نظر کر کے ناظرین منصف کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہوں اور شکایت موعودہ سے پہلے تین امر ضروری لکھ لیتا ہوں ۔۔

"صہیل" بمعنی آواز اسپ زنہار نیست) اس کے صحیح ہونے میں کیا کلام ہے "صہیل" جو "صہیل" سے آواز اسپ مراد رکھے وہ ناقص ہے اور خام ہے کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے شکر تمہارا ذہن وقاد نقاد وہاں جا لڑا۔ لعنت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور پھر عرفی جیسا شاعر دیدہ و بازپس میں پکڑا جائے۔ تمہارا محبوب لوہرہ و کنی شین منقوطہ مع التحتانی کے بیان میں "شیہہ" کو گھوڑے کے ہنہانے کی فارسی بتاتا ہے۔

"صہیل" ..... عربی میں گھوڑے کے ہنہانے کو "صہیل" بوزن دلیل کہتے ہیں "شیہہ" بوزن بیضہ عموماً بمعنی ہر صدائے ہولناک و مہیب آتا ہے کیونکہ فرہنگ نگاروں کے [illegible] نگاروں کے قیاس کو وحی سمجھوں [illegible] کیوں کر کتابوں کے الفاظ [illegible] مجید کی طرح سر پر دھر لوں [illegible] لکھا ہے کہیں اپنے کو بیاد و بنات فرض کروں پیرم و خطا بے بلوغ [illegible] جناب است" ہم آپ کو مخاطب بالفتح ٹھہرا کر یہی فقرہ [illegible] ہو رہتا ہوں۔ [illegible] ہم بیارے تھا [illegible] سمجھتا ہوں

یعقوب کو تبعیز لہجہ انگریزی زبان میں جاکوب کہتے ہیں، کہاں میرا منہ کہاں تعبیر لہجہ حضرت آپ جو کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ کودک کا ترجمہ طفل نہیں مانتے اور پھر خاتمہ میں زید گان بصیغہ جمع لکھواتے ہو واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو بہ نیز روئے بصر نہیں بلکہ از روئے سمع لکھواتے ہو۔

خط تمام ہوا اب مستغیث کی عرضی کی سماعت ہو لیکن سماعت از روئے انصاف بالائے طاعت ہو۔ عرضی گذراننے سے پہلے مستغیث پوچھتا ہے کہ آپ کے محکمۂ عالیہ کا سررشتہ دار دیانت دار بھی ہے یا نہیں؟ سخن فہم و ہوشیار ہے یا نہیں؟ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امین نہ ہو۔ دلیل سن لیجئے اگر یقین نہ ہو (صیحہ یہ بھی آواز اسپ زنہار نیست) اس کے ماقبل اور بھی عبارت ہے سنانے والے نے نہ پڑھی ہو کتنا بعید ہے کس واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ نہ رکھنا اور محمد اکرم پنجابی کا شعر تو قابل التفات نہیں مگر مولانا جمال الدین عرفی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بہ تتبع کاتب غلط لکھوا دینا تم سے ایسا بعید ہے انشا میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو۔ املا میں کاتبوں کی غلطی کیوں نہ قائل ہو انشا، و املا و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ قائل ہو تقصیر معاف [illegible] استغنا و بکلام عرفی عالی مراتب ہے بلکہ پیروی [illegible] غالب ہے کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرہ کا دماغ نہ ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے فراغ [illegible] بہت نہیں [illegible] توقع [illegible] شعر اردو میرے ورد زبان اور اس ناہنجار سے [illegible]

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب جو اصلاح حال و حصول مطالب سے دل مایوس ہے [illegible] غزل کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ　　مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا رونا رزق کا ہے جب معاش مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے ناصاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھا لیا پانی پی لیا اور چین سے سو رہے آدمی عموماً اور صاحبان ننگ و ناموس خصوصاً باوجود فراغ معاش ایسی جانگداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے۔ یہ حال تو یا صاحب واقعہ جانے یا خدا جانے دوسرے سے یہ کار افتادہ کیوں کہے اور بغیر کہے دوسرا کیا جانے۔ مناظرہ کا تو ہرگز ارادہ نہیں اگر مردہ دل نہ ہوتا تو باتیں کہتا زیادہ نہیں۔ وہ بھی ازروئے بحث و تکرار نہ باندازِ استفسار۔ اظہار سے مقصود نفس اظہار ہے آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے کتنے محققین نے ان کو اپنا امام مان لیا ہے جب تک نہ اجماع محققین کا ہوگا یہ خطاب یا جماع اہل عقل ناجائز و ناروا ہوگا۔ وہ فرماں روائے عہد شہنشاہ کہلائے گا کئی بادشاہ جس کے فرمان پذیر ہو جائیں گے۔ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا یہ میر شہنشاہ صاحب کیونکر شاہجہاں، جہانگیر ہو جائیں گے اگر حضرت بفتح قاف ثانی بصیغہ تثنیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوتے اور نرائن داس تنبولی دوسرا ہوتا۔

ساطع برہان کے تیرھویں صفحہ کی نویں سطر میں آپ لکھتے ہیں "فہمیدہ بر افراط و تفریط تو صنیع را کار بندہ نہ شدہ اند کہ بداں حروف گیری تواند کرد" "تواند" توانستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغہ واحد غائب ہے فاعل چاہتا ہے خواہی معرفہ جیسے احمد محمود خواہی نکرہ جیسے یہاں کسے یا شخصے مرد یا انسانے اور اگر فاعل مذکور نہ ہو تو اس صورت میں "تواں کرد" چاہیے کہ تواں بالعموم فاعلہ ہے کرامت تو مجھے حاصل نہیں ہاں از روئے حسن عقیدت کہتا ہوں کہ

یا آپ نے یوں لکھا ہے کہ (کسے بداں حرف گیری تواند کرد) یا "تواند" کی جگہ "توان" رقم فرمایا ہے۔ دیکھئے آپ نے بیل کے چھکڑے کا بوجھ میری گردن پر رکھ دیا۔ اور میں نے ایک بیل کا بوجھ پشت مبارک سے اٹھا لیا۔ ادا اسد اللہ داد خواہ جلد آ اور اپنی عرضی لا۔ حضرت آیا اور عرضی لایا۔ پہلے پانچ کاغذوں کی نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں پھر سررشتہ دار صاحب بکمال امانت و دیانت عرضی سنا دیں۔

نقل عبارت برہان قاطع | "آب دہ دست" بکسر دال ابجد و ہائے ہوز اشارہ بحضرت رسول صلوٰت اللہ علیہ است خصوصاً و شخصے را نیز گویند کہ بزرگ مجلس بود و آرائش صدر و زینت از و باشد عموماً۔

نقل عبارت قاطع برہان | از خامی عبارت چشم می پوشم و می خروشم کہ "آب دہ دست" مرکب از آب، و دہ کہ صیغۂ امر ست از دادن و دست کہ با وجود معانی دیگر مسند را نیز گویند یعنی ترکیبی رونق دہندۂ مسند ہر آئینہ تا مسند را الطرف نبوت یا رسالت یا ہدایت مضاف نگردانند بمقام نعت نیارند بلکہ در مدائح اکابر و صدور نیز بے اضافہ لفظ امارت و شوکت و امثال اینہا ننگارند نہ بینی کہ تنہا "آب دہ دست" افادہ معنی شو یانندۂ دست میکند و آں خود اہانتے ست قبیح بیچارہ در نظم و نثر لغت "آب دہ دست رسالت" دیدہ است و تتمۂ مضمون را لغت اندیشیدہ است۔

نقل عبارت ساطع برہان | "آب دہ دست" خدا نہ کند کہ ایں اعتراض از جانب مرزائے من باشد۔ کورسوائے ہیچمن گفتہ باشد بخاطر داشت آں درج کتاب کرد ورنہ این کنایہ قابل اعتراض نیست چہ "آب دہ دست" جملہ ترکیبی ست دست کہ در عربی و فارسی بمعنی مسند است مضاف و مضاف الیہ

معنی محذوف باید دانست بلکہ کلامیست مستقل تبرا و تف بالا و ست مضاف
ومضاف الیہ کہ معنی صدر و مسند بزرگ قوم باشد۔ صاحب مؤید الفضلا در لغت
فارسی این لغت را لبند و کتاب کہ آداب و قاعدہ باشد ہمیں صورت و صحت
بہمیں معنی نگاشتہ۔ و در مدار نیز و صاحب رشیدی آوردہ کہ "آب دہ دست"
بمعنی بزرگ مجلس و معنی ترکیبی آن رونق دہ صدر و مسند قولہ بیچارہ در نظم و نثر
لغت آب دہ دست رسالت دیدہ و نیز مضمون را لغت اندیشیدہ انتہی
اقوال جامع این کنایہ را در نظم و نثر بے اضافۂ رسالت دیدہ است
و ہمچنان در رشتۂ تحریر کشیدہ است، خاقانی گوید ؎

دست آب دہ مجاورانش　　ارزان دہ برج کوترانش

تبصرہ پس گردان جناب اگر فراموش نہ کنند در شرح "ماہی چشمۂ خضر" دریاب
المیم جو بیند کہ می گویند کہ "آب دہ دست" استعارہ برائے آنحضرت از خاقانی
خالی از رکاکت نیست۔ والے بریں عقیدت کہ او را بہ پیمبری بر داشتند و باز
در نشیب رکاکت سرنگوں انداختند۔

نقل عبارت برہان قاطع | "ماہی چشمۂ خضر" کنایہ از زبان و دہان معشوق ست
قاطع برہان | یا رب "ماہی چشمۂ خضر" کدام لغت است من در کتاب منطبعہ بدیں
صورت دیدہ ام مع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید، در ضمیری گذرد کہ "ماہی چشمۂ
ماہی چشمۂ خضر | خضر" خواہد بود و آن خود مضمونیست بطریق استعارہ یا لکنایہ کہ
سخنوریبا خون جگر خوردہ باشد تا در نظم و نثر خویش آوردہ باشد پس ہرکہ این را
در گفتار خویش آرد سرقہ خواہد بود از لغات مستقلہ و کنایہہائے مشہورہ نیست
کہ بیکار و بیران روزگار آید۔

[illegible] | شیر خدا کہ ترجمۂ اسد اللہ است گوئی یکے از نامہائے جناب

ولایت پناہ است ۔ صد ہزار کس در کلام خویش آوردہ باشد و سرقہ نیست دکنی
در بحث نشین مع الیا "شیرشرزہ غالب" اسم حضرت امیر علیہ السلام نوشتہ
و آن مضمونے ست کہ خاقانی در قصیدہ قسمیہ بہم رسانیدہ "شیر شرزہ" خود صفت
است عام کہ برہر مرد شجاع و سرہنگ جنگجو اطلاق توان کرد "غالب" بمعنی چیرہ
نیستان است ہر آئینہ این صفت نہ سزاوار شان اسد اللہی باشد ۔ خاقانی
خود بطریق تنزل گفتہ است ۔ این چنین صفت اسم کسے کہ بعد از خدا و رسول
او را بہ بزرگی توان ستود چگونہ روا تواند بود ۔ ہمچنیں "آب و دست" در باب
الف ممدودہ اسم حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ علیہ قرار دادہ است و این
لفظیست در غایتہ رکاکت (رکیک نہایت منع کرتا ہے یہ بات دکنی کو کہ لفظ
رکیک آنحضرت کے حق میں صرف نہ کرے) چنانکہ ہمہ دان فصل منفصل نوشتہ ایم
مقصود ما نیست کہ ایں چنیں مضامین لغت مستقل و کتابے مشمول چیز اقرار
باید و چیز در شرح اشعار است کہ حاوی ایں کلمات باشد چرا نگارش پذیرد
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔

اب ترجمہ "آب" کا ہندی جس کی پانی اور بمعنی رونق و لطافت بھی آتا ہے
اور اسلحہ کی تیزی اور جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں ۔ دست ترجمہ یہ ہے
جس کی ہندی ہاتھ اور بمعنی قسم و نوع اور بمعنی مسند بھی مستعمل ہے ہم کو اس قسم
میں "آب" بمعنی "پانی" اور "دست" بمعنی "ہاتھ" اور اس کی ترکیب یعنی "آب
دست" اور اس کی مقلوب یعنی "دست آب" کے باب میں کلام ہے "آب دست"

لہ یہ سطر اردو کی دو فارسی عبارتوں کے درمیان کتاب مطبوعہ میں اسی طرح ہے اس کا
ربط سمجھ میں نہیں آتا ۱۲ ۔

بحرکت و سکون موحدہ عموماً ترجمہ "غسالہ" یہ ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں
تعمیم کی سند استاد کا شعر

بے تکلف رو بساقی کن اگر دل خستۂ	کا بدست او شفا بخشِ ہمہ بیمار ہاست

تخصیص کی سند نام حق کی بیت سے

آب دست و نماز باید کرد	دل مقام گداز باید کرد

عرف میں آب دست کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔ پس آب دست" اور "دست آب دہ" کے معنی وضو کروانے والا اور ہاتھ دھلانے والا۔ "آب" بمعنی زدلق اور "دست" بمعنی "سند" کا یہاں اور خیال محض جہل اور صرف اہمال۔ یہ تو میرا قول ہے کہ "آب دہ دست رسالت" رسول کو کہتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط "آب دہ دست" کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ علم نہ فہم اس نے اس قباحت کو نہ جانا۔ مرزا رحیم بیگ صاحب افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں برہان قاطع والے کے قول کو کیوں مانا ہے سراسر بے پردہ اشرف الانبیاء علیہ و آلہ السلام کی تذلیل اور توہین ہے اور پیغمبر کو ایسا کہے وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد اور مردود و بے دین ہے بلکہ مخالفین بھی جو مسلمان اپنے پیغمبر کو برا کہے اس کو برا جانیں گے یقین ہے پس پیغمبر کا "آب دہ دست" نام رکھنے والا مورد لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ہے۔

خاقانی کے شعر کے لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے یہ شعر قطعہ بند اور اس کا پہلا شعر مجھ کو یاد ہے پہلے پوچھتا ہوں کہ "دست آبدہ" کا فاعل اور شین کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان اس میں بطریق مذکور یا مقدر کہاں پایا۔ جب اس مصرع کی رو سے مجھ، دست آبدہ مجا ورانش ہا "دست آبدہ"

پیمبر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق ع۔ ارزن دہ برج کو ترانش + "ارزن دہ" کا خطاب بھی حضرت پر صادق آیا سبحان اللہ یہاں مصطفٰے و مجتبیٰ و رحمۃ للعالمین و خاتم المرسلین آپ کے القاب ہیں وہاں "آب دہ دست" بھی آپ کا لقب ٹھہرا مرزا جی میں ترک جاہل ہوں بجا ہے اگر مجھ کو گالیاں از رہِ عتاب دوگے خدا کے واسطے پیمبر کو کیا جواب دوگے بندہ پرور خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے ؎

روح از پے آبروے خود را   خلد از پے رنگ و بوے خود را
دست آب دہ مجاورانش   ارزن دہ برج کو ترانش[1]

اوپر کے دونوں مصرعوں میں "را" کا لفظ زائد پہلا مصرع تیسرے مصرع سے اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق۔ نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے روح از پے آبروے خود دست آب دہ مجاوران اوست و خلد از پے رنگ و بوے خود ارزن کبوتران اوست یہ دونوں شعر کعبہ معظمہ کی تعریف اور دونوں شینوں کی ضمیر بطرف کعبہ راجع۔ اس اظہار کی تصدیق تحفۃ العراقین سے کیجئے اور ہندی کی چندی غالب سے سن لیجئے۔ روح اپنی افزائش آبرو کے واسطے وضو

---

[1] یہ قطعہ لف و نشر مرتب ہے اگرچہ بظاہر خاقانی کے یہ اشعار کعبۂ معظمہ کی تعریف میں ہیں اور دونوں شینوں کی ضمیر اسی کعبہ کی طرف راجع ہے۔ مگر یہ دونوں شعر تحفۃ العراقین میں کعبۂ دل کی تعریف میں بطریق استعارہ لکھے گئے ہیں جس کا عنوان بیان یہ ہے "در صفت عالم کل یعنی کعبۂ دل" اور ابتدائی شعر یہ ہیں ؎ آں کعبہ کہ از سکوں معاف است   آنرا ہمہ گرد خود طواف است

آں کعبہ کہ خانۂ قدم بود   آں وقت کہ وقت در عدم بود
نے بر سر راہش ام غیلاں   نے گرد درش سپاہ فیلاں
داد یش ہزار سالہ راہ ست   لیک از رہ عشق نیم گاہ است

کا پانی دیتی ہے کعبہ کے مجاوروں کو اور ہمارے اندر رنگ ولی کے واسطے دانہ کھلاتا ہے کعبہ کے کبوتروں کو۔ وضو کا پانی دینا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ہے خدا کے واسطے مخدوم کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت ہے یعنی خاقانی کے اس مصرع سے "دست آبدہ" پیمبر کو سمجھنا بے اعتنائی اور غفلت ہے۔ خاقانی نے روح کو "دست آبدہ" کا فاعل مانا۔ تم نے پیمبر کو معاً اس فعل کا فاعل اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیونکر جائز جانا۔

"قافلہ شد یعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت کہ کنایہ از فوت شدن پیمبر باشد صلوات اللہ علیہ" یہ قات مع الالف میں کلام اسی مستہین رسول کا ہے "دست آب دہ" کی شرح میں تحقیر اور "قافلہ شد" میں استہزا ہے برہان قاطع والا اگر یہ قباحتیں نہیں سمجھتا تو احمق ہے اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر مطلق ہے۔ اب میرے خونناۂ زخم دل کی روانی اور قلم کی خونابہ فشانی دیکھئے۔

تبصرہ | مندرجہ حاشیہ ساطع برہان کے حق میں کیا فرماتے ہو اور اس فقرہ اختر کو "باز در نشیب رکاکت سرنگوں اند اختند" کس کا لکھا بتاتے ہو سنو فخر الفضلا وختم العلما امیر الدولہ مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے رد عقائد وہابیہ میں بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علما کی اس پر مہریں ہیں۔ اس رسالہ میں جناب مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت مجامعت بہت تھی حالانکہ یہ امر واقعی ہے یا یہ کہے کہ آپ کی روا میلی تھی اگرچہ اس وقت میں ہو لیکن چونکہ ایک گونہ سوء ادب اور اہانت ہے حاکم اہل اسلام کو چاہیئے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہل شہر پر عزل حاکم

واجب ہے اور اگر اہل شہر ایسا نہ کریں تو وہ شہر دار الحرب ہے پس بموجب فتوائے علمائے
اسلام فقرۂ مذکور کا لکھنے والا اکفر ہے شداد سے اشد اور کذب میں مسیلمۂ کذاب سے سوا ہے
غیر عقبیٰ میں وہ خالق کا مقہور اور دنیا میں اہل خلق کا مطعون ہوگا۔ مجھ کو کیا مجھے تم پر ہنسی
آتی ہے بعض بات سمجھی نہیں جاتی ہے خاقانی روح کو "آبدست وہ مجاوران حرم" کہتا ہے تم کہتے ہو کہ
خاقانی "دست آب دہ" اسم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے مولوی امام بخش نے تم کو بہت
کچھ پڑھایا مگر طریقۂ استنباطِ معنی نہ بتایا یا میرے حق میں جو کہتے ہو خود بھی نہیں سمجھتے کہ کیا
کہتے ہو۔ میں نے اس کے سوا کہ "خاقانی بطریق تنزل گفتہ است" اور کیا کہا ہے جو مجھے
برا کہتے ہو۔ وہ بھی ذکر "شیر شرزہ غاب" میں نہ "دست آب دہ" کے باب میں اس نے
جناب امیر المومنین کے واسطے ایک لفظ سہل سرسری لکھا میں نے قبول نہ کیا اور اس کے
قول کا تنزل ظاہر کر دیا۔ آنحضرت کو اس نے "آب دہ دست" یا "دست آب دہ"
کہاں لکھا اور کیوں لکھتا نہ احمق تھا نہ بے ادب جب اس نے نہیں لکھا تو میں اس سے
کیوں الجھوں اور کب الجھا نہ کج فہم ہوں نہ مغلوب الغضب۔

"آب دہ دست" کے پرزے کھل گئے بے اضافہ لفظ آخر "دست" بمعنی
"مسند" نہ آئے گا، "آب دہ دست" ہاتھ دھلانے والا کہلائے گا۔ ہاں ایک طور
ہے تم نے اس کو اور طور سے لکھا ہے میں بطریق ابلغ و احسن لکھتا ہوں یعنی تخت
اور اورنگ سلاطین کے جلوس کے واسطے اور سادہ مسند امرا کے جلوس کے واسطے
موضوع ہے بنظر اس عمل پر سلطان کو زیب افزائے اورنگ بے اضافہ لفظ سلطنت
اور امیر کو زینت بخش مسند بے افزائش لفظ امارت لکھو۔ انبیا خصوصاً
سید المرسلین مسند پر کب بیٹھے تھے ان کے غلاموں کو امارت ننگ ہے اور زمزمہ
"الفقر فخری" بلند آہنگ ہے میرے خداوند کا فرش حصیر گلیم ردائے صحابہ سطح
خاک میں محرم اپنے خداوند کو جس کی شان میں یہ مصرع اگرچہ ہیچ مجمل ہے

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

لیکن قول فیصل ہے "آب دہ دست و زینت بخش مسند" کیونکر سمجھوں بلکہ مجموعہ اہل اسلام بشرط فہم صحیح و طبع سلیم گوارا نہ کریں گے کہ وہ صفت عام جو دنیاداروں کے واسطے ہے قبلۂ دین و دنیا پر صادق آئے۔

دکنی اور اس کے فضلہ خوار قابل خطاب نہیں۔ ایہا الاخ المکرم "فضلہ خوار" جواب ہے "پس گرداں" جناب کا یہ کلمہ مستوجب جیب عتاب نہیں یقین کہ آپ نے اب تو از روئے دلالت لفظ و معنی جان لیا ہوگا اور اس فقیر حقیر کو نظر بہ قومیت ترک و پیشہ آبائی سپاہ گری "محسن المحققین" خطاب دیا ہوگا۔ جاننا اس امر کا کہ "آب دہ دست" میں اگر آب سے پانی اور دست سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو اسم پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر "آب" کو بمعنی رونق اور "دست" کو بمعنی مسند پائیں تو بے الحاق لفظ نبوت و ہدایت حضرت کو اس ترکیب کا مشار الیہ سمجھنا کیسی بوالعجبی ہے "آب دہ دست" "رونق بخش مسند" صفت ہے عموماً منعمان مالدار کی۔ یہاں تک اصطلاح سے تعریف کر سکتے ہیں ہمزبانان و ہاہو کاران بلا دو امصار کی۔

میں اب قطع کلام کرتا ہوں اور آپ کو بکمال تعظیم سلام کرتا ہوں پیمبر کی تحقیر کو مسلم رکھتے ہوئے تم جانو اور سید ابرار۔ خاقانی پر بہتان کرتے ہو تم جانو اور وہ میدان معانی کا شہسوار۔ مجھ کو تم نے جس قدر لکھا ہے یا کوئی اور لکھ رہا ہے اگرچہ وہ سب لغو اور جھوٹ ہے منقول اور ناراست نہیں لیکن واللہ مجھ کو عرصۂ محشر میں اس کی بازخواست نہیں۔

زمین عشق بکو نیست صلح کل کردیم
تو خصم باش و ز ما دوستی تماشا کن

نمبر ۳۰

اصلاح کا طریقہ | "سرشار" بمعنی لبریز۔ "رندِ عالم سوز" بمعنی رندِ بے نام و ننگ

مخدوم مکرم مظہرِ لطف و کرم جناب مولوی صاحب اشرف الوکلا[1]۔ درویش گوشہ نشین غالب حزیں کا سلام۔ آپ کے عنایت نامہ کے ورود سے میں آپ کا احسان مند ہوا اور دل سے آپ کو دعائیں دیں۔ کیوں حضرت آپ حیران ہوئے ہوں گے کہ یہ شخص اتنا فضول اور لغو کیوں ہے خط کے پہونچنے سے اظہارِ منت پذیری اگر گزاف نہیں تو کیا ہے اب اس خوشی اور دعائیں دینے کی وجہ سنئے یعنی آپ کے سبب سے میں نے اپنے والا پدر از جان عزیز تر۔ بدل نزدیک از دیدہ دور۔ نا مہربان بجو معزز میر قاسم علی خان کا رقعہ اپنے نام کا پایا۔ اللہ اللہ اگر آپ باعث نہ ہوتے تو بھائی صاحب کا ہے کو مجھکو خط لکھتے۔ انھیں سے پوچھیئے کہ کبھی تم نے اسد کو خط لکھا ہے بس بعد اس توضیح کے آپ کی تحریر کا جواب لکھتا ہوں۔

اصلاح کا طریقہ | آپ کا واسطے اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف موجب نازش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے اس کو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں اسکی وجہ خاطر نشان کر دیتا ہوں تاکہ آئندہ صاحبِ کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصلح رہے۔

اصلاح | مطلع کا یہ مصرع "سرخوش و سرشار ستم ملئے" لسان فارسی میں "سرشار"

---

[1] "اشرف الوکلا" اس وجہ سے لکھا کہ ان کی وکالت یعنی کوشش سے میر قاسم علی خاں نے جنھوں نے مرزا سے خط و کتابت چھوڑ دی تھی مرزا کو خط لکھا۔

صفت ہے "پیالے" کی معنی لفظی اس کے لبریز۔ پس شارب کو لبریز کیونکر کہیں گے

"سرشار" بمعنی لبریز

اور یہ جو اردو مست و سرشار مترادف المعنی استعمال میں آتے ہیں امر جداگانہ ہے فارسی میں تتبع اردو کا ناجائز۔

رند عالم سوز بمعنی رند بے نام و ننگ

"رند عالم سوز" شعرائے عجم میں بمعنی "رند بے نام و ننگ" آیا ہے جیسا کہ استاد کہتا ہے۔ ۳

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

حسن مطلع "مست تھا میر سد بر بادہ الخ پرشیشہ" یہاں انسب ہے از لحد چوں خاک جستم "خاک کو جستن سے کیا علاقہ؟ "نقد جاں را مہر بستم ملا لے" تو قید موثوق ہے "طالب عہد الستم" یعنی "عہد الست" کس سے مانگتا ہے؟ ہاں "سر خوش عہد الست" بمحل و بموقع ۱۲۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۱

آخر عمر میں فارسی میں خط لکھنا موقوف کر دیا تھا۔ تھارے کلام کی دعا و امید۔

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد عبدالرزاق صاحب شاکر کی خدمت میں بعد سلام یہ التماس ہے کہ مولوی صاحب عالی شان مولوی مفتی اسداللہ خاں بہادر کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچائیے میں تو آپ سے عرض کرتا ہوں مگر آپ مفتی صاحب سے کہیے کہ مجھ کو باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے جھالے کے اجڑاؤ! اٹھا کر میں نے آپ کے سامنے ایک غزل اپنی پڑھی تھی جس کے دو شعر قطعہ بند

لہ انگیز از یک جہاں مستی صبوحی کردہ ایم آفتاب صبح محشر ساغر سرشار ما

غالب

یہ ہیں۔ قطعہ

ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست — خود را بخاک رہ گذر حیدر افگنم
منصور فرقۂ علی اللہیاں منم — آوازۂ انا اسد اللہ در افگنم

خدا کرے حضرت کو بھی یہ واقعہ یاد ہو۔ اتحاد اسمی دلیل مودت روحانی[1] ہے۔

آخر عمر میں فارسی میں خط لکھنا موقوف کر دیا تھا | پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام ہے۔ اشعار بعد سلک و اصلاح کے پہونچتے ہیں یہ رتبہ میری ارزش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ نواز زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب — وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اردو ہی میں نیاز نامہ لکھا کرتا ہوں جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتب لکھے اور بھیجے تھے ان میں جو صاحب الی الآن ذی حیات و موجود ہیں ان سے بھی عند الضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبہ و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارسی مکتوبوں اور رسالوں و نسخوں و کتابوں کے مجموع شیرازہ بستہ چھاپا ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے حال کی نثروں کو کون فراہم کرنے جائے جان کنی کے خیالات نے مجھ کو ان کی تحریر و تعلق دیار سے دست بردار و آزاد و سبکدوش کر دیا۔

بقائے کلام کی دعا و امید | جو نثریں کہ مجموع یکجا ہو کر جہاں جہاں منتشر ہو گئی

---

[1] ممکن ہے اسی اتحاد اسمی کی وجہ سے یہ شعر یاد آ گئے ہوں کہ ان کا نام بھی اسد اللہ تھا ۱۲۔

ہیں اور آئندہ ہوں انھیں کو جناب احدیت جلت عظمتہٗ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبائع ارباب فن فرمائے۔ اور میں اپنا تہمائے شعر ناپائیدار کو ہیچ سمجھ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں کچھ یاد خدا بھی چاہیے نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہے گا۔ پس امیدوار ہوں کہ آپ انھیں نذور محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردو سے سادہ و سرسری کو تا امکان غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیں اور درویش دلریش و فرومانده کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں۔ اللہ بس ماسوی ہوس۔

تنقید معنوی کو حضور خود جانتے ہوں گے اس کی توضیح و تفصیل یا تحصیل لاحاصل و تطویل لاطائل کی صورت نظر آتی ہے لہذا خامہ فرسائی بے کار نہیں آتی۔

نمبر ۱۳

حضرت مطالب علمی و شعری کا لکھنا موقوف سوال پر ہے جب حضور کی طرف سے کوئی سوال آئے گا بقدر اپنے معلوم کے جواب لکھا جائے گا۔

اصلاح یافتہ

ہیں اپنے گناہ مزیل امید
ایمان کہاں ہے ایک ڈر ہے

اس شعر میں قصد اچھا ہے مگر بیان ناقص ہے مطلب تو یہ ہے کہ صرف خوف اصل ایمان نہیں رجا کا بھی شمول چاہیے اور یہ بات اس تقریر میں نہیں نکلی۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۳

ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے | پیر و مرشد ۶ اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے [1] | یہ شعر ہے پہلا مصرع ۶ ظلمت کدہ میں میرے

شبِ غم کا جوش ہے۔ یہ مبتدا ہے شبِ غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا ظلمت غلیظ سحر ناپید گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں دلیل صبح کی نور ہے بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھا دیا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھہرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسبابِ تاریکی کے پس دیکھا چاہیے کہ جس گھر میں علامت صبح مؤید ظلمت ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

مقابل ہے مقابل میرا الخ | [2] مقابل ہے مقابل میرا   رک گیا دیکھ روانی میری

تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت شادی و غم راحت و رنج وجود و عدم لفظ "مقابل" اس مصرع میں بمعنی مرجّح ہے جیسے حریف کہ بمعنی دوست کے بھی مستعمل ہے مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست اندیشے خو سے و عادت ضد ہو گئے ہیں وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رک گیا۔

غزل بعد اصلاح کے پہونچتی ہے آپ اپنی طرف سے اس کو استصلاح سمجھتے ہیں اور میں اس کو اپنی جانب سے استفادہ جانتا ہوں۔ والسلام

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

---

[1] اس شعر کے متعلق دیکھو خط نمبر ۳ مضمون ظلمت اس شعر میں بھی اسی قسم کا ہے۔
بیان کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی   شبِ مہ ہو جو رکھ دیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

[2] مرجوح بمعنی مغلوب اور یہ ترجیح دیا گیا یعنی غالب۔ لغات اضداد سے ہے۔

نمبر ۳۴

فقیر اسد اللہ نے اس کاغذ کے لفافہ پر مرسلہ عبد الرزاق جعفری الحیدری اور ٹکٹ پر "شاکر" دیکھ کر دیر تک غور کی کہ یہ دو صاحب ہیں۔ بعد تامل یاد آیا کہ مولوی عبد الرزاق صاحب اسم شریف اور شاکر تخلص ہے۔ غور کیجیے کہ نسیان کا کیا عالم ہے واللہ اگر مجھ کو یاد ہو کہ سابق میں کوئی غزل آپ کی آئی ہے۔ یہ لفافہ لکھا ہوا یکم اگست سال حال کا کل میں نے ڈاک سے پایا۔ آج غزل کو دیکھا کل یہ لفافہ روانہ کروں گا۔

اصلاح:- کوئی آتا نہیں آگے ترے ہٹتا ہو کر — آئینہ جب نظر آتا ہے تو اندھا ہو کر

یہ مطلع دلنشین ہے مگر اتنا تامل ہو کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہیے یا نہیں ؎

مردم چشم سیہ جب نظر آتا ہے ترا — بیٹھ جاتا ہے مرے دل میں سویدا ہو کر

مردم یعنی آنکھ کی پتلی مذکر نہیں معشوق کی قید گیا ضرور۔ دعویٰ حسن پرستی ہے عموماً یہ خوب ہے ؎

نظر آتی ہے جہاں مردمک چشم سیاہ — بیٹھ جاتی ہے [illegible] دل میں سویدا ہو کر

حرمت مے کے لیے پیر مغاں کا ہے یہ حکم — ریش [illegible] ہے پنبۂ مینا ہو کر

یہ شعر بے لطف ہو گیا کس واسطے کہ جب قاضی کی ریش (کہی) تو وہ ایہام ریش قاضی کہاں رہا۔[1]

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے	کارگاہ ہستی میں الخ داغ ساماں مثل "انجم انجمن"
برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے	وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ و ساماں ہو موجود ہے

---

[1] ریش قاضی...... اس صافی کو کہتے ہیں جو شیشہ پر باندھی جائے نیز روئی کی ڈاٹ جو بوتل میں لگائی جائے۔

لالہ کی مخصر نمائش داغ پر ہے ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے بعد اس کے یہ سمجھ لیجیے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا ہے دہقان کے بونے جوتنے پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود برق محض رنج و عنا ہے مزارع کا وہ لہو جو کشت وکار میں گرم ہوا ہے وہی لالہ کی راحت کے خرمن کا برق ہے حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج۔

غنچہ تا[1] شگفتنہا برگ عافیت معلوم باوجود دلجمعی خواب گل پریشاں ہے	غنچہ الخ گل جب تنی نکلے بصورت قلب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول بنے برگ عافیت معلوم ہو۔

یہاں "معلوم" بمعنی معدوم ہے اور "برگ عافیت" بمعنی مایۂ آرام ع
برگ[2] عیشے بگور خویش فرست "برگ" اور "سروبرگ" بمعنی ساز و سامان ہے۔ خواب گل "جمعیت گل باعتبار خوشی و برجا ماندگی" پریشانی ظاہر ہے یعنی شگفتگی وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا غنچہ بصورت دل جمع ہے باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشاں نصیب ہے۔

ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے	ہم سے رنج الخ "پشت دست" مصور عجز اور "خس بدنداں و کاہ بدنداں گرفتن" بمعنی اظہار عجز ہے

یعنی جس عالم میں کہ داغ نے پشت دست زمین پر رکھ دی ہو اور

---

[1] تمام دواوین غالب میں بجائے تا شگفتنہا کے "نا" نون کے ساتھ لکھا گیا ہے حالانکہ مرزا صاحب نے یہاں جو معنی سمجھائے ہیں اس سے "تا" بہ تائے فوقانی صحیح معلوم ہوتا ہے اور دوسری تصریح میں یہ معنی بمقابلہ کرد

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

[2] پورا شعر سعدی کا یہ ہے: برگ عیشے بگور خویش فرست ❊ کس نیارد ز پس تو پیش فرست

شعلے تنکا دانتوں میں لیا ہو ہم سے رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو

مرزا کا ابتدائی طرز اور اس کی تبدیلی

قبلہ۔ ابتدائے فکر سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا — اسد اللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق یک قلم چاک کیے۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دیئے۔

بندہ پرور اصلاح نثر کی ضرورت نہیں آپ کی انشا کی یہ روش خاص دلچسپ اور بے عیب ہے اس وضع کو نہ چھوڑیے اور جو میرا تتبع اور مجھ پر توجہ منظور ہو تو پنج آہنگ وغیرہ میری مصنفات کو بامعان نظر و مرت ہا ملاحظہ فرمایئے اور مشق بڑھایئے چشم بد دور طبیعت حضور کی نہایت عالی اور مناسب اس فن کے ہے میں آپ کی رسائی ذہن اور قوت قلم سے امید قوی رکھتا ہوں کہ عنقریب بہت خوب لکھنے لگا چاہیے اور تمام دوستوں کے فخر اور دشمنوں کے رشک ہو جائیگا ان ہذا الا من برکۃ العلم یا مولانا و بالفضل والکمال اولانا

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۲۵

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

قبلہ پہلے معنی ابیات بے معنی سنیے۔ نقش فریادی الخ ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا۔ پس شاعر خیال کرتا ہے کہ

نقش کس کی شوخیٔ تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے اس کا پیرہن کاغذی ہے یعنی ہستی اگرچہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو موجب رنج و ملال و آزار ہے۔

شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا	"شوق ہر رنگ الخ" رقیب یعنی مخالف یعنی شوق سر و ساماں کا دشمن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قیس جو

زندگی میں ننگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردے میں بھی ننگا ہی رہا لطف یہ ہے کہ مجنوں کی تصویر با تن عریاں ہی کھینچتی ہے جہاں کھنچتی ہے۔

زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یارب تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا	زخم نے داد الخ یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے اپنی نکالی ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک روزن ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب ایک طاق سا کھل جانے کے، زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یعنی زائل نہ کیا تنگی کو "پرافشاں" یعنی بیتاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب حال یعنی تیر بھی تنگیٔ دل کی داد کیا دیتا وہ آخر و تنگیٔ مقام سے گھبرا کر پرافشاں اور سراسیمہ نکل گیا۔

نامۂ غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے دو برس سے اندھا ہو گیا۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا سن لیتا ہے عبارت لکھ نہیں سکتا لکھوا دیتا ہے بلکہ اس کے ہم وطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوت علمی بھی نہیں رکھتا اوروں سے مدد لیتا ہے اہل دہلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اس کو تلمذ نہیں ہے اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے میں کہتا ہوں کہ واسطے اسم بیچ و پوچ ہیچ پر ہیچ کو صہبائی کا تلمذ ہو جب عزیمت قادر ہو۔ رسالہ اس کا "ساطع برہان" دلی پہنچ کر ڈھونڈھونگا اگر مل گیا تو خدمت میں پہونچے گا۔

اصلاح "سیلاب چین" ایک لفظ ہے۔ ہندیان فارسی کا اصل لغت چلیچی" اور یہ لغت ترکی ہے معہذا "حباب آسمان" جب تک کہ آسمان کو بحر یا دریا نہ کہیں "حباب آسمان" نہ مقبول نہ مسموع "دنات" مسموع ہے اگر فتحہ الف کا اشباع جائز ہو ورنہ "دنات پروری" کی جگہ "ادنیٰ پروری" بہتر ہے۔ بلکہ دناف یا دنائت بہر حال صفت ہے۔ پرورش موصوف کی چاہیئے نہ صفت کی۔ والسلام

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۶

قبلہ آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ۸ رجنوری کو فقیر دلی پہونچا۔ تھکا ماندہ خستہ رنجور ہنوز افاقت کلی نہیں پائی۔ آج صبحدم ہوا بند ہے۔ دھوپ تیز ہے پشت آفتاب تکیہ کے سہارے سے بیٹھا ہوا یہ سطریں لکھ رہا ہوں غزل پہونچی ہے گوندیں لتھڑ کر ایک ٹکڑا کاغذ کا لٹ ہو گیا ہے حضرت بہ احتیاط اس کو لفافہ سے نکالیں۔[۵۱]

ہے تمھارا آفتاب آفتاب آسمان ۔۔۔ دیکھ لو اپنی چلیچی میں حباب آسمان[۵۲]

اگر پسند آئے تو اس مطلع کو رہنے دیجئے۔

مولوی نظامی گنجوی علیہ الرحمہ کا ایک شعر طالب علموں کے ہاتھ پڑا انھوں نے از روئے قواعد نحو اس میں کلام کرنا شروع کیا۔ مولوی کے پاس جب وہ کلمات

---

۵۱ یہ ٹکڑا آگے کے خط سے متعلق ہے اسی کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔

۵۲ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالرزاق شاکر نے اس شعر میں "سیلاب چین" لکھا تھا جس کو مرزا نے بدل کر "چلیچی" رکھا

پہونچے تو فرمایا کہ "یاران شعر مرا بمدرسہ کہ برد" جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مجموع
پہلا مصرع مبتدا نہیں ہو سکتا ان سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا آپ اسی پہلے مصرع میں
(ظلمت کدے میں میرے) اس کو مبتدا اور (شب غم کا جوش ہے) اس کو خبر ٹھہراتے
ہیں پس اگر یوں ہو تو بھی مدعا حاصل ہے۔ دوسرا مصرع دوسری خبر سہی آخر یہ بھی
تو مسلمات فن نحو میں سے ہے کہ ایک مبتدا کی دو بلکہ زیادہ خبریں ہو سکتی ہیں۔ ہاں ایک
قاعدہ اور ہے یعنی جملہ فعلیہ کے ماقبل جو عبارت ہوتی ہے اس کو مبتدا نہیں کہتے اس
مطلع کا مصرعہ ثانی جملہ اسمیہ ہے اپنے ماقبل مبتدا کو قبول کرتا ہے اگر ہم نے نقش
دستور پہ مصرع اول کو مبتدا کہا تو بھی قباحت لازم نہیں آتی بہرحال جو وہ صاحب
اسی پہلے مصرع کو قرار دیں، وہ مجھے قبول ہے مگر شعر مہمل نہیں۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۶

اصلاح کے واسطے ہدایتیں | مخدوم و مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجلیل صاحب کی
خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت
میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے دو عنایت نامے آپ کے اوقات مختلف میں پہونچے
پہلے خط کے حاشیہ اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی پھیلی کہ حروف
اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا محتاج
نہیں لیکن تاہم اسکے پڑھنے میں بہت تکلیف کرنی پڑتی ہے۔ علاوہ اس کے جگہ
اصلاح کی باقی نہیں چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ

۱؎ اس شعر کے معنی کے متعلق دیکھیے خط نمبر ۳۳

پتہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینک دیا ہوگا اور مبادا میرا اندیشہ آپ کو بھی ہو جائے آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں اصلاح کہاں دیجائے واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجیے اس میں بین الافراد و بین مصرعہا فاصلہ زیادہ چھوڑیے آپ کے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے حروف اس کے روشن ہیں مگر بین السطور نقطہ اور اصلاح کی جگہ معدوم۔ آپ کی خاطر سے رنج کتابت اٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا اس سے مقابلہ کر کے معلوم کر لیجیے گا کہ کس شعر پہ اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کون سی بیت موقوف ہوئی۔

قلعے کے مشاعرے میں مرزا صاحب کبھی کبھی جاتے ہیں

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا قلعہ میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر لیتے ہیں وہاں کے مصرعہ طرحی کو کیا کیجیے گا اور اس پہ غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے اس کو دوام کہاں کیا معلوم ہے اب نہ ہو اب کی ہو تو آئندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام

(بنام قاضی عبدالجمیل)

نمبر ۳۸

طرح بسکون و بحرکت را

دو باتیں سنیے طرح بسکون راے قرشت بمعنی قریب ہے لیکن یہ لفظ مستعمل نہیں وہ دوسرا لفظ ہے طرح بحرکت راے قرشت بروزن فرح اس کو بسکون راے مہملہ بولنا عوام کا منطق ہے یہاں غزل کی طرح زمین کی طرح، یہ بسکون ہو بمعنی روش و طرز وہ طرح بفتحتین ہے۔ طرح بالفتح بمعنی نمونہ اور بمعنی قریب ہے لیکن طرح بفتحتین اور چیز ہے

مولوی غیاث الدین رام پوری کی نسبت رائے

غیاث الدین رام پور میرا ایک ملاّ نے مکتبی تھا

تاقل نا عاقل جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہوگا اس کا فن لغت میں کیا فرجام ہوگا۔ (۱۲۷۷ھ)

"کیستم من کہ تا ابد بزیم" لاحول ولا قوۃ یہ مصرع میرا نہیں "تا ابد بزیم" یہ فارسی لالہ قتیل کی ہے میرا قطعہ یہ ہے ؎

کیستم من کہ جاوداں باشم　　چوں نظیری نماند و طالب مُرد

ور بگویند در کدامیں سال　　مرد غالب بگو کہ غالب مُرد (۱۲۷۷ھ)

یہ مادہ تاریخ از روئے نجوم نہیں بلکہ از روئے کشف ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

(بنام قاضی عبدالجمیل)

نمبر ۳۹

بعض اشعار سے ابا پیر و مرشد، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں چنانچہ انھیں دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجیے "اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں" میں نے کہا لاحول ولا قوۃ اگر یہ میرا کلام ہو تو مجھ پر لعنت اسی طرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی　　مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اس پر بقول اسکے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور شیر اور بت اور خدا اور جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے۔

(بنام قاضی عبدالجمیل)

ضمیمہ

شوقیہ خط۔ فارسی کا شوق اس کے ساتھ اپنی طبعی مناسبت

قبلہ! حضرت کا نوازش نامہ آیا میں نے اس کو حرز بازو
بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عز و افتخار ہے
فقیر امیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی سرسری بلکہ سراسر دیکھا جائے نہ پیش نظر دھرا رہے
بلکہ اکثر دیکھا جائے میں نے جو نسخہ وہاں بھیجا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھا دیا ہے
نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی ضد ہے دیباچہ و خاتمے میں جو کچھ لکھ آیا ہوں
سب سچ ہے کلام کی حقیقت کی داد چاہتا ہوں نہ طرز عبارت کی داد چاہتا
ہوں نگارش لطافت سے خالی نہ ہوگی۔ گذارش لطافت سے خالی نہ ہوگی
علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن ۵۵ برس سے محو سخن گزاری ہوں مبدأ فیاض کا
مجھ پر احسان عظیم ہے ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے فارسی کے ساتھ ایک
مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی
لایا ہوں مناسبت خداداد تربیت استاد سے حسن و قبح ترکیب پہچاننے لگا
فارسی کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا قاطع
برہان کا لکھنا کیا ہے گویا باسی کڑھی میں ابال آیا۔ لکھا گیا تھا کہ سہام ملامت
کا ہدف ہوا ہے بیستک مایہ معارض اکا پیلت ہوا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ
قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے عرض کرتا ہوں کہ حضرت برہان قاطع و قاطع برہان
ایک مطلب ہے برہان قاطع نے کیا لکھا تو تیس سکھ قطع کیا ہے جو آپ نے اس کو
قاطع لقب دیا ہے برہان جب تک کسی چیز کی برہان کو قطع نہ کرے گی کیونکر برہان قاطع
نام پائے گی۔ برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریریں کیجئے گا وہ قاطع برہان کی صحت کے ثبوت
کے لئے کام آئے گی

قطعہ تاریخ کا کیا کہنا ہے گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اس کا گہنا ہے جناب نواب صاحب کا نیاز مند اور بندۂ فرمانبردار ہوں۔ بعد عرض سلام، شعر کے پسند آنے کا شکر گذار ہوں آپ کے علم و فضل اور فہم و ادراک کی جو تعریف کی جائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دوکان بے رونق ہے

(بنام مفتی میر عباس)

نمبر ۱۴

قبلہ، فقیر ہمیشہ مورد اعتراضات رہا ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعد دو چار دن کے معترض صاحب کا خط آتا ہے لغت و ترکیب معترض فیہ کی سند کے اشعار حضرت نے اس خط میں درج کئے ہیں۔ اللہ اللہ جو کلکتہ میں شور نشور اٹھا تھا۔

جزوے از عالم و از ہمہ عالم بیشم	میرا شعر ہے جزوے از عالم و از ہمہ عالم بیشم
ہیچو موے کہ بتاں راز میاں برخیزد	ہیچو موے کہ بتاں راز میاں برخیزد (برخیزد گفتہ)

بر اٹھائے اعتراض ہوا ہے منشاء اعتراض یہ کہ "عالم" مفرد ہے اس کا ربط "ہمہ" کے ساتھ بسبب اجتماع و قلیل ممنوع ہے قضارا اس زمانہ میں شاہزادہ کامران درّانی کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا۔ کفایت خاں اس کا نام تھا اس تک یہ قصہ پہونچا اس نے اساتذہ کے پانچ سات شعر ایسے پڑھے جن میں "ہمہ عالم" و "ہمہ روز" و "ہمہ جا" مرقوم تھا اور وہ اشعار قاطع برہان میں مندرج ہیں۔

درفش کاویانی | ہاں صاحب قاطع برہان میں اور مطالب بڑھائے اور ایک دیباچہ دوسرا لکھا ہے اور درفش کاویانی اس کا نام رکھا اور اس کو چھپوایا ایک مجلد اس کا آج اس خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجتا ہوں۔ بعد پہنچنے کے اس کو دیکھئے گا اور اکثر وقت فرصت پیش نظر رکھئے گا۔ اور جس دن پہونچے

اسی دن رسید لکھئے گا اور اگر اور صاحب اس کے طالب اور خریدار ہوں تو مجھ کو لکھئے گا دس پانچ دو چار جلد بھیجدوں گا یہ نسخہ میری طرف سے آپ کی نذر۔ غزل پھر بھیجوں گا۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۴۲

واہ کیا خوبی قسمت ہے میری۔ بہت دن سے دھیان لگا ہوا تھا کہ اب منشی جی کا خط آتا ہے اور ان کی خیر و عافیت معلوم ہوتی ہے۔ خط آیا اور خیر و عافیت معلوم نہ ہوئی یعنی معلوم ہوا کہ خیر نہیں ہے اور پاؤں میں چوٹ لگی ہے۔

نظر شگفتن اور گوش شگفتن | نظر شگفتن اور گوش شگفتن ہم نہیں جانتے اگرچہ منشی ہر گوپال تفتہ اور مولانا نورالدین ظہوری نے لکھا ہو ؎

نظارہ راز خون و لم گل در آستیں   خونش مگو۔ بگو کہ زچشم چمن چکید

از چشم چمن چکیدن | یہ نہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن شگفتن گوش و نظر کی مانند غرابت رکھتا ہے۔ یہ خونفشانی چشم کا استعارہ ہے اور خونفشانی صفت چشم ہو سکتی ہے اگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہوتا تو ہم اس کا استعارہ بہ شگفتگی کر لیتے خوش ہونا جب صفت چشم و گوش نہ ہو تو ہم کیا کریں۔ یاد رہے یہ نکات سوائے تمہارے اور کو میں نہیں بتاتا۔ میری بات کو غور کر کے سمجھ لیا کرو میں پوچھنے سے اور تکرار سے ناخوش نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتا ہوں۔ مگر ہاں ایسی تکرار جیسی بیش اور بیشتر کے باب میں کی تھی ناگوار گذرتی ہے کہ وہ صریح تہمت مجھ پر اگر جو میں آپ لکھوں گا تم کو اس کے لکھنے کو کیوں منع کروں گا ؎

اے صد ہزار راز نہاں اندریں سخن   گر کم سخن توئی نگہت کم سخن مباد

ہرچہ با نفس خود کنم زبدی نیکیش نام می توانم کرد

یہ دونوں شعر بے سقم ہیں رہنے دو۔

اصلاح | سر ناکامیم سلامت باد کام را کام می توانم کرد

میں نہیں سمجھا کہ اسکے معنی کیا ہیں، کام کو کام سب کر سکتے ہیں اس میں لطف کیا ہے۔

زر کتا ئی آن نازنیں سوار ہنوز ز سبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز

مطلع حزیں پر نکتہ چینی | حزیں کے اس مطلع میں واقعی ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہے تتبع کے واسطے سند نہیں ہو سکتا یہ غلط محض ہے یہ سقم ہے۔ یہ عیب ہے اس کی کون پیروی کرے گا حزیں تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبرئیل کا ہوتا تو اس کو سند نہ جانو اور اس کی پیروی نہ کرو۔

اصلاح | بھائی تمھارا مصرعہ اس قبیل سے نہیں ہے اس میں تو مکیند متمم معنی ہے مکیند زائد نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ فارسی رہنے دو تو۔ اور اگر ہندی کرو تو مصرعہ مہمل اور بے معنی ہے ع چہ گل چہ لالہ چہ نسرین چہ نسترن مکیند۔ کیا گلاب کا پھول۔ کیا موتیا۔ کیا چمپا نہ کرو زنہار نہ کرو یعنے کیا نہ کرو۔ اب جب تمھیں کہو کہ صاحب ذکر نہ کرو تب کوئی جانے ورنہ کبھی جانا نہیں جاتا کہ ذکر نہ کرو اے تم نے کہا بھی کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ذکر نہ کرو۔ حضرت ذکر مضاف کیونکر ہو سکتا ہے گل و لالہ و نسرین و نسترن کی طرف کہو گے کہ ذکر کا لفظ نہیں بیان کا لفظ اوپر کے مصرعہ میں ہے۔ وہ بیان کا لفظ رسوں سے اور زنجیروں سے ان چاروں لفظوں سے ربط نہیں پاتا۔ مطلع لکھو قطعہ لکھو۔ ترجیع بند لکھو۔ یہ مصرع معنی دینے ہی کا نہیں مہمل محض ہے۔ والسلام

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۱۴۳

بیش از بیش و کم از کم	بندہ پرور "بیش از بیش و کم از کم" یہ ترکیب بہت فصیح ہے۔ اس کو کون منع کرتا ہے۔ اور جلال اسیر کی یہ بیت بہت پاکیزہ اور خوب ہے

اس کے معنی یہی ہیں کہ "در زبان من مہر بیش از بیش شد و در زمانِ تو وفا کم از کم شد" استاد کیا کہے گا اس میں تو تین ٹکڑے کا لفت و نشر ہے۔ من اور تو، مہر اور وفا بیش از بیش اور کم از کم۔ یاد رہے کہ بیشتر از بیش و کمتر از کم اگرچہ بحسب معنی جائز ہے لیکن فصاحت اس میں کم ہے بیش از بیش و کم از کم افصح ہے وہ شعر تمہارا خوب ہے اور ہمارا دیکھا ہوا ہے ؎

قیس از تو نہ ایم کم دلے صبر — بیش ست ترا کم ست مارا[1]

لیکن ہاں پہلے مصرع میں اگر کمتر ہوتا تو اور اچھا تھا۔ بہر حال اتنا خیال رہے کہ ایسی جگہ تر کا لفظ افصح ہے چنانچہ میرا شعر ہے ؎

جلوہ کن منت منہ از ذرہ کمتر نیستم — حسن با ایں تابناکی آفتابے بیش نیست

؏ ورنہ چشم تو چہ از روزن دلوار کم است۔ یہاں بہت ہی اوپری معلوم ہوتا ہے اور نرا ہندی کا ترجمہ رہ جاتا ہے فارسیت نہیں رہتی

اصلاح | ؏ سہل مشمار زندگانی ہا۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس مطلع کو یوں درست کردیا ہے ؎

رائگاں ست زندگانی ہا — می تواں کرد جانفشانی ہا

اور اس صورت میں یہ مطلع ایسا ہو گیا تھا کہ میرے دل میں آئی تھی کہ تم کو

---

[1] نصیبی گیلانی کا بھی ایک شعر اسی مضمون کا بہت خوب ہے ؎

زندہ در عشق چساں بود نصیبی مجنوں — بیش از ایں عشق مگر ایں ہمہ دشوار نبود

نہ دوں اور خود اس زمین میں غزل لکھوں مگر پھر میں نے نخست نہ کی اور تم کو دیدیا۔

حضرت نے ملاحظہ نہیں فرمایا۔ یہ خط جو مجھے آپ نے لکھا ہے شراب کے نشہ میں لکھا ہے اور وہ اصلاحی اوراق بھی اسی عالم میں ملاحظہ فرمائے ہیں۔ اب یہ گلہ تا کے ز زندگانی ہا۔ اس کو موقوف کیجئے اور وہ مطلع اپنے دیکھئے کہ وہ بہت خوب ہے بعینہ مولانا ظہوری کا معلوم ہوتا ہے بھائی ہمارے اوراق اصلاحی کو غور سے دیکھا کرو ہماری محنت تو ضائع نہ جائے۔

ایامے چند| ایامے چند جمیع الجمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے بلکہ فقیر کے نزدیک جمع الجمع ہی نہیں ہے مثلاً معانی چند اور احکام چند اور اسرار چند یہ آدمی لکھ سکتا ہے مگر ہاں آمال ہا یہ کھلی ٹھوس ٹھ ہے یہ خطائے بزرگاں گرفتن خطا است۔ ہم کو اپنی تہذیب سے کام ہے اغلاط میں سند کیوں ڈھونڈھتے پھریں مثلاً حضرت حافظ نے لکھا ہے ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میری جان ایسے موقع میں یہ چاہیئے کہ بزرگوں کے کلام کو ہم مورد اعتراض نہ کریں۔

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۴

مرزا تفتہ پیر شو و بیاموز۔ تم خوش گو اور زود گو مقرر ہو۔ لیکن جس کو تم تحقیقات کہتے ہو وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں، قیاس دوڑاتے ہو وہ قیاس کہیں مطابق واقع ہوتا ہے کہیں خلاف۔ عرفی کہتا ہے۔

ناشتا| ع روح را ناشتا فرستادی۔ یعنی روح کو تو نے بھوکا بھیجا۔ ناشتا

اس کو کہتے ہیں جس نے کچھ کھایا نہ ہو ہندی اس کی نہار منہ۔ تم لکھتے ہو ع اسے
عجب ناشتا فرستادی یعنی غذا اے صبح جیسا کہ ہندی میں مشہور ہے اس نے
ناشتہ بھی کیا ہے یا نہیں واقف کہتا ہے ؎

نے محرم قفس نہ بہ دام آشنا شدیم — نفریں کنیم ساعت پرواز خویش را

واقف پر اعتراض | یہ بھی ہندی کی فارسی ہے بری گھڑی اور سبھ گھڑی اہل زبان
ایسے موقع پر طالع لکھتے ہیں ع نفریں کنیم طالع پرواز خویش را

قتیل پر اعتراض | قتیل کہتا ہے ؎

یک وجب جائے بکوئے تو زخوں پاک نبود — کشتہ پر کشتہ تپاں بود دگر خاک نبود

یہاں پر "ہیچ نبود" کا محل ہے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں۔

صاحب برہان قاطع پر اعتراض | پھر صاحب برہان قاطع کا کیا ذکر کرتے ہو وہ تو ہر لغت کو
تین حرکتوں سے لکھتا ہے زیر۔ زبر پیش کا تفرقہ منظور نہیں
رکھتا ہے لکھتا ہے کہ یوں بھی آیا ہے۔ اور یوں بھی دیکھا ہے جس لغت کو
کاف عربی سے لکھے گا۔ کاف فارسی سے بھی بیان کرے گا جس لفظ کو طائے
حطی سے لائے گا تائے قرشت سے بھی ضرور لکھے گا فضلائے کلکتہ کے حاشیے دیکھو
کہ وہ اس کی کیا تحمیق کرتے ہیں۔

بعض ہندی ناموں کی تحقیق | بنیا نبوت کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔ امامن امام کے
مشتقات میں سے زنہار نہیں نبی بخش کا مخفف بنیا اور امام کا
متعلق اگر مذکر ہے تو امامی اور اگر مونث ہے تو امامن طرز اپنے ہندی لغت کے
لانے کا التزام کیا ہے ع وقت آں آمد کہ مینا راگ ہندی سر کند۔ اور اساتذہ
کو اس کا التزام منظور نہیں مگر کیا کریں۔ گڑگاؤں نام ہے ایک گاؤں کا اس کو
کیونکر بدل لیں۔ ہاں گر بہ رائے قرشت کہیں گے لکھنؤ نام ہے ایک شہر کا وہ لکھنؤ

بغیر ہائے مخلوط کہیں گے، ہی زمانہ چھاپے کو چھاپ بولتے ہیں۔ عرفی چھکڑ کو چکر
بولتا ہے ع آں بادکہ در ہند گر آید چکر آید۔ رائے ثقیلہ ہائے مخلوط تشدیدیہ
تینوں ثقالتیں ہٹا دیں۔ صاحب برہان قاطع اس لفظ کو فارسی بتاتا ہے۔ اور
زبان علمی اہل ہند میں بھی اس کو مشترک جانتا ہے اپنے کو رسوا اور خلق کو گمراہ
کرتا ہے ؎

ہرزہ مشتاب و پے جادہ شناساں بردار
اے کہ در راہِ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

خسرو اور فیضی اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔
میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹیک نکل جاتی ہے فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر
ہے جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھ دیا۔ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی فرہنگ
ہو تو ہم اس کو مانیں ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں۔ گائے کا بچہ بزدیہ
سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا۔ بنی اسرائیل اس کو خدا سمجھے ایسے جھگڑے قضیے
ارغنوں جانے دو۔ دو باتیں سنو ایک تو یہ کہ ارغنوں کو لغتین مضموم میں نے سہو
سے لکھا۔ در اصل ارغنوں مفتوح اور مخفف اس کا ارغن اور مبدل منہ ارگن ہے
الیوا دوسرے یہ کہ حبیب و کوسی خاں نے الوا ہے کو الیوا لکھا تو اس لفظ کی
صحت میں کچھ تامل نہ رہا۔ نجات کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۵ء

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۵

بھائی یہ مصرع جو تم کو بہم پہونچا ہے فن تاریخ گوئی میں اس کو کرامت اور
اعجاز کہتے ہیں۔ یہ مصرع سلمان ساوجی و ظہیر کا سا ہے چار لفظ اور چاروں واقعہ
کے مناسب۔ یہ مصرع کہکر اور مصرعہ کی فکر کرلی کس واسطے۔ واہ واہ سبحان اللہ

اور یہ جو تم کو فر کے لفظ میں تردد ہوا اور ایک سو کھا سہا شعر ظہوری کا لکھا بڑا تعجب

فر اور فرہ ہے یہ لفظ میرے ہاں پنج آہنگ میں دس ہزار جگہ آیا ہوگا۔ فر اور فرہ

لفظ فارسی ہے مرادف جاہ کے پس جاہ کو اور اس کو کس نے کہا ہے کہ بغیر ترکیب

دیئے نہ لکھیے۔ عالیجاہ اور سکندر جاہ، مظفر فر اور فریدوں فر یوں بھی درست ہے

اور صرف جاہ اور فر یوں بھی درست ہے۔

اور ایک بات تم کو معلوم نہیں ہے کہ اس پورے خطاب کو خطاب بہادری کہنا بہت

مراتب خطاب بیجا ہے سنو خطاب کے مراتب ہیں پہلے تو خانی کا خطاب ہے اور

یہ بہت ضعیف ہے اور بہت کم ہے مثلاً ایک شخص کا نام ہے میر محمد علی یا محمد علی بیگ

اور اس کو خاندانی بھی خانی نہیں حاصل پس جب اس کو بادشاہ وقت محمد علی خان

کہدے تو گویا اس کو خانی کا خطاب ملا۔ اور جو شخص کہ اس کا نام اصلی محمد علی خاں ہے

یا تو وہ قوم افغان ہے یا خانی اس کی خاندانی ہے۔ یا بادشاہ نے اس کو محمد علی خان

بہادر کہا پس یہ خطاب بہادری کا ہے اس کو بہادری کا خطاب کہتے ہیں اس سے

بڑھ کر خطاب دولگی کا ہے یعنی مثلاً محمد علی خاں بہادر اس کو منیر الدولہ محمد علی خاں

بہادر کہا اب یہ خطاب دولگی کا ہوا۔ اس کو بہادری کا خطاب نہیں کہتے اب اس

خطاب پر افزائش جنگ کی ہوتی ہے منیر الدولہ محمد علی خاں بہادر شوکت جنگ

ابھی خطاب پورا نہیں پورا جب ہوگا کہ جب ملک بھی ہو۔ پس پورے خطاب کو

خطاب بہادری لکھنا غلط ہے۔ یہ واسطے تمھارے معلوم رہنے کے لکھا گیا ہے

اب آپ اس سات بیت کے قطعہ کو اپنے دیوان میں داخل و شامل کر لیجیے یعنی

قطعوں میں لکھ دیجئے جب تمھارا دیوان چھاپا جاوے گا یہ قطعہ بھی چھپ جائیگا

مگر ہاں منشی صاحب کے سامنے اس کو پڑھئے اور ان سے استدعا کیجئے کہ تم اس کو آگرے

بھیجیں تاکہ چھاپا ہو جائے اسعد الاخبار میں اور زبدۃ الاخبار میں یقین ہے

کہ وہ تمہارے کہنے سے عمل میں لا دیں گے مجھ کو کیا ضرور ہے کہ میں لکھوں میں نے یہاں صادق الاخبار میں چھپوا دیا ہے

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۶

صاحب! دو زبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی متعارف۔ ایک فارسی ایک عربی ہر چند اس منطق میں لغات ترکی بھی آ جاتے ہیں مگر کمتر۔ میں عربی کا عالم نہیں مگر نرا جاہل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا محقق نہیں۔

مرزا کی عربی اور فارسی قابلیت ہوں علماء سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلب گار رہتا ہوں فارسی میں مبداء فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میری ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولاد میں جوہر

مرزا اور اہل فارسی میں فرق اہل فارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد ہندوستان۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سو دو سو چار سو آٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

جود جود لغت عربی ہے بمعنی بخشش۔ جواد صیغہ ہے صفت مشبہ کا بے تشدید اس وزن پر صیغہ فاعل میری سماعت میں جو نہیں آیا تو میں اس کو خود نہ لکھوں گا مگر جبکہ نظیری شعر میں لایا اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا تو میں نے مانا۔ کیا ہنسی آتی ہے کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھ کو بھی یہ سمجھے ہو کہ استاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا یا اس کے قوافی لکھ لئے اور ان قافیوں پر لفظ جوڑنے لگے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ .. ..

مرزا نے ریختہ کب کہنا شروع کیا اور اس کے کہنے کا طریقہ بچپن میں جب میں نے ریختہ ...

لکھنے لگا ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر اگر میں نے کوئی ریختہ یا اس کے قوافی پیش نظر رکھ لئے ہوں۔ صرف بحر اور ردیف قافیہ دیکھ لیا اور اس زمین میں غزل، قصیدہ لکھنے لگا۔ تم کہتے ہو۔ نظیری کا دیوان وقت تحریر قصیدہ پیش نظر ہوگا اور جو اس کے قافیہ کا شعر دیکھا ہوگا اس پر لکھا ہوگا۔ واللہ اگر تمہاری اس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے چہ جائے آنکہ وہ شعر ہجائے شاعری معنی آفرینی ہے۔ قافیہ پیمائی نہیں ہے۔

زمان | زمان لفظ عربی ازمنہ جمع۔ دونوں طرح فارسی میں مستعمل۔ زمانے۔ یک زمان۔ ہر زمان۔ زمان زمان دریں زمان۔ دران زمان سب صحیح اور فصیح جو اس کو غلط کہے وہ گدھا بلکہ اہل فارس نے مثل سوچ و موجہ یہاں بھی "ہے" بڑھا کر زمانہ استعمال کیا ہے۔ یک زمان کو میں نے بھی کبھی غلط نہ کہا ہوگا۔ سعدی کے شعر لکھنے کی کیا حاجت۔

عبدالواسع اور قتیل کے القاب

سنو میاں میرے ہموطن یعنی ہندی لوگ جو وادی فارسی دانی میں دم مارتے ہیں وہ اپنے قیاس کو دخل دیکر ضوابط ایجاد کرتے ہیں جیسا وہ گھاگس الو عبدالواسع ہانسوی لفظ نامراد کو غلط کہتا ہے اور یہ الو کا پٹھا قتیل صفوتکدہ و شفقکدہ۔ نشترکدہ کو۔ اور ہمہ عالم و ہمہ جا کو غلط کہتا ہے کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو یک زمان کو غلط کہوں گا۔ فارسی کی میزان یعنی ترازو میرے ہاتھ میں ہے للہ الحمد و للہ الشکر۔ مرقومہ چہارشنبہ ۲۷ ماہ اگست ۱۸۶۲ء

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۷

میاں تمہارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا کلام

اچھا نہیں میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و قدرداں نہ ہوگا۔ مگر بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق فنا میں مستغرق ہوں۔ بوعلی سینا کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو تھوڑی سی راحت درکار ہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری

دنیا کی چیزوں سے بیزاری

اور ساحری سب خرافات ہے ہندوؤں میں اگر کوئی او تار ہوا تو کیا۔ اور مسلمانوں میں کوئی نبی ہو تو کیا۔ دنیا میں نام آور ہوئے تو کیا اور گمنام جیئے تو کیا۔ کچھ وجہ معاش ہو اور کچھ صحت جسمانی۔ باقی سب وہم ہے اے یار جانی۔ ہر چند وہ بھی وہم ہے مگر میں ابھی اسی پایہ پر ہوں شاید آگے بڑھکر یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گذر جاؤں۔ عالم نیرنگی میں گزر پاؤں جس سناٹے میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیئے جاتا ہوں اور جس سے جو معاملہ ہے اس کو ویسا ہی برت رہا ہوں لیکن سب کو وہم جانتا ہوں یہ دریا نہیں ہے سراب ہے ہستی نہیں ہے پندار ہے ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور رہیں گے ان کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہم کو تم کو ہوگا۔

قطعات تاریخ آگرہ کیونکر بھیجوں۔ پھر تمہارے پاس بھیجتا ہوں "خالق حی" بمعنی معنی آفریں صحیح اور مسلّم اور جائز۔ لیکن جس طرح اللہ میں مشدد لام کو دو لام کے قائم مقام قرار دیا ہے آلہ اور آلہی میں الف ممدودہ کو دوسرا الف کیونکر سمجھیں قیاس کام نہیں آتا۔ اتفاق سلف شرط ہے۔ جب اور کسی نے آلہی میں دو الف نہیں مانے تو ہم کیونکر مانیں۔ دویم بروزن جحیم غلط۔ دوم ہے بغیر تحتانی یا الفرض

دوم اور دومی

تحتانی بھی لکھیں گے تو دیم پڑھیں گے اگر یہ لکھیں گے دویم واؤ کا

اعلان ٹکسال باہر ہے۔ ہاں وومی درست ہے مگر نہ بہ حرف تحتانی مثل زمین نہ بہ حذف نون بلکہ بطریق قلب بعض۔ دوم کا دومی ہو گیا۔ کنوئیں کی تاریخ کو بے تامل بھیجدو اور تاریخ وفات کا اور مادہ سوچو کس واسطے کہ حب الٰہی میں سے ایک الف لیا تو ایک عدد کم ہو جائے گا۔ والدعا۔ از غالب۔ روز ورود نامہ بلکہ وقت ورود نامہ بعد خواندن نوشتہ شد یکشنبہ۔

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۸

بھائی تمہارے ذہن نے خوب انتقال کیا میں نے جس وقت یہ شعر پڑھا "بہ ہند آمدندے زایراں دیار۔" آمدند کی جگہ آمدندے بصیغۂ استمرار ٹکسال باہر معلوم ہوا۔ "رسیدند در ہند زایراں دیار۔" اس کی جگہ لکھ دیا۔ واقعی پوستین کا بیچارہ میں واقع ہوا۔ پھر "رسیدند در ہند" بیجا۔ تمہارا تصرف مستحسن جس طرح تم نے لکھا ہے اسی طرح رہنے دو۔ صاحب! سنبلستان سے کیوں گھبراتے ہو میں تمہارے گھبرانے سے گھبراتا ہوں۔ رخ کو گل زلف کو سنبل فرض کرتے ہیں سنبلستان میں کیا عیب ہے اور اگر نہیں پسند تو یہ قصہ ہی جانے دو۔

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۹

انگشتری اور خاتم دونوں ایک ہیں تم نے خاتم بمعنے نگین باندھا غلط۔ "جنس وفائے کس مخر" کیا ترکیب ہے "جنس کس مخر وفا" البتہ درست[1] ہے نظر اول میں

---

[1] چونکہ پورا شعر نہیں لکھا لہذا اصلاح یا اصلاح کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا دیکھو نمبر ۵۳

بہ سبب تکدر حواس اور کثرت درد و رم پا کے میں نے خیال نہ کیا ہوگا۔

سبحان اللہ ع دیگر نتوان گفت النقص راکہ اعم است ایں۔ اس کا وزن کب درست ہے۔ کیا فرماتے ہو غور کرو بعد غور کے اسکی ناموزونی کا خود اقرار کروگے

شرف قزوینی کے مطلع میں ساغر غم درکشیدن ایم۔ دوم درکشیدایم۔ دوسرے شعر میں پیمانہائے زہر ستم درکشیدہ ایم | ساغر کشیدن اور سم کشیدن

درکشیدن کو ربط پیمانہ کے ساتھ ہے یا زہر کے ساتھ اگر زہر درکشیدن جائز ہوتا تو وہ سم کے قافیہ کو کیوں چھوڑتا تیسرے شعر میں قلم درکشیدن ہے۔ چوتھے شعر میں آب درکشیدن ہے۔ پانچویں شعر میں سر درکشیدن۔ کیا زہر پانی ہے اگر بمثل زہر آب ہوتا تو روا تھا۔ سبحان اللہ یہ عبارت "جائیکہ شرف قزوینی ساغر و پیمانہ و زہر درکشید" اے برادر شرف زہر کجا درکشید۔ بلکہ پیمانۂ زہر درکشید۔ شما ہم ساغر سم درکشید ستم درکشیدن کجا و پیمانۂ غم درکشیدن کجا" ہم نے تم کو اجازت دی ہے بخیر رہنے دو ہندمیں اس کو کون سمجھے گا چاہو یوں کردو ؎

دانی من و دل آنچہ بہم درکشیدہ ایم دریک نفس دو ساغر سم درکشیدہ ایم

سبحان اللہ تم جانتے ہو کہ میں اب دو مصرع موزوں کرنے پر قادر ہوں جو مجھ سے مطلع مانگتے ہو ؎

گمان زیست بود بر منت زبے دردی بدست مرگ شدے بدتر از گمان تو نیست

خیر شرف قزوینی کی سند پر وہ مطلع رہنے دو۔

میں ایسا جانتا ہوں کہ دراعہ بہ تشدید ہے اور وہ درع بوزن زرع اور اور لغت ہے صاحب! یہ قصیدہ تم نے ایسا لکھا ہے کہ میرا دل جانتا ہے کیا کہنا ہے

؎ دیکھو خط نمبر ۵۳

مفید نصیحت ایک خیال رکھا کرو کہ شعر اخیر میں کوئی بات ایسی آجائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہوا کریں۔

ذرّاعہ کو یہ نہ کہو کہ تشدید نہیں ہے اصل لغت مشدد ہے شعرا اس کو مخفف بھی باندھتے ہیں۔ سعدی کے مصرع سے اتنا مقصود حاصل ہوا کہ ذراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔ یاد رہے جادّہ اور ذرّاعہ دونوں عربی لغت ہیں) وہ دال کی تشدید سے اور یہ رے کی تشدید سے مگر خیر جادہ ذراعہ بھی لکھتے ہیں۔ یہ نہ کہو کہ ذرّاعہ ہرگز نہیں ہے یہ کہو کہ ذرّاعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔ غالب ۱۲ ۳

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۵

"وید مست" یہ لفظ نیا بنایا ہے مقصود تمہارا تو میں نے سمجھ لیا مگر تمہارے اور کوئی نہ سمجھے گا۔ "المعنی فی بطن القائل" کے یہی معنی ہیں پشیمان پر خمار، و پشیمان بیجا ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ ان سب اشعار میں نہ عیب نہ لطف۔ دیکھو صاحب خط میں تم پھر وہی "بیش و بیشتر" کا قصہ لائے چہ جرم و چہ سبب و چہ گناہ پر جو سند لاتے ہو "عشق است و صد ہزار تمنا مرا چہ جرم" اس کی حاجت کیا ہے "جاناں مدے" "یاراں مدے" یہ تمام غزل اسی طرح کی ہے اگر یہ ترکیب درست نہ ہوتی تو میں ساری غزل کیوں نہ کاٹ ڈالتا دیکھو

رضیع السودا کہتا ہے

نہ ضرر کفر نہ دیں کو کوئی نقصاں مجھ سے
باعثِ دشمنی اے گبر و مسلماں مجھ سے

غالب کہتا ہے

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

مقدار الفاظ اور جملے | یعنے اب جو دور مجھ تک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں۔ یہ جملہ سارا مقدر ہے میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا وہ جانے گا جملے کے جملے مقدر چھوڑتا جاتا ہوں مگر ع ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ یہ فرق البتہ و جدائی ہے بیانی نہیں ہے

اگر دریافتی بر دانشت بوس   وگر غافل شدی افسوس افسوس

از اسد اللہ روز جمعہ ۱۳ ر جنوری ۱۸۵۴ء

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۵۱

بھائی کیمیا و سیمیا خرافات ہے۔ اگر ان کی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون
کیمیا اور سیمیا | اور بو علی یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے۔ کیمیا اور سیمیا دو علم شریف ہیں، جو اشیا کی تاثیر سے تعلق رکھے وہ کیمیا اور جو اسماء سے متعلق ہو وہ سیمیا ہے

جان غم سیمیا نہ خورد گہے   دل سوئے کیمیا نیا در دم

مرزا کورانہ تقلید کو منع کرتے ہیں | شعر بامعنی ہو گیا۔ یہ نہ سمجھا کرو کہ اگلے جو لکھ گئے ہیں وہ حق ہے کیا آگے آدمی احمق پیدا نہیں ہوتے تھے۔ زمان و زمانہ کو میں پاگل ہوں جو غلط کہوں گا ہزار جگہ میں نے نظم و نثر میں زمان و زمانہ لکھا ہوگا وہ شعر کس واسطے کاٹا گیا۔ سمجھو پہلا مصرعہ لغو دوسرے مصرعہ میں نبرد کا فاعل معدوم حلقہ زا کی رے سے پر نقطہ نہ تھا میں نے غصہ میں لکھا کہ نہ حلقہ راد رست

دیکھو خط نمبر ۶۴ صفحہ ۱۵۲

نہ حلقہ زاد رست مگر یہ فارسی ہے ولا نہ ہے خیر رہنے دو۔ مرتا ہوں مجھے سمجھاتے ہو "کہ وصد جا در کلام اہل زبان خواہند یافت" مگر میں بانی کلام اصلاح اہل زبان نہیں ع گردش چرخ استخواں سائید۔ اس سے یہ بہتر ہے ع سودہ شد استخواں ز گردش چرخ۔ باقی اور مصرعے سب اچھے بنائے ہیں غالب۔

(بنام منشی ہر گوپال تفتہ)

نمبر ۵۲

مرزا صاحب کی صحت کی حالت

حضرت پرسوں صبح کو تمہارے سب کاغذ ایک لفافہ میں بند کرکے ڈاک گھر بھجوا دیئے۔ سمجھا کہ اب چند روز کو جان بچی۔ اسی دن شام کو ایک خط آپ کا اور پہونچا اس کو بھی روانہ کرتا ہوں اپنا حال پرسوں کے خط میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ اونی بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں وہ لیٹے لیٹے لکھتا ہوں مزے کی بات ہے کہ میرا لکھا ہوا میرا حال باور نہیں اور کسی نے جو کہدیا کہ غالب کے پاؤں کا ورم اچھا ہو گیا اور اب وہ شراب دن کو بھی پیتا ہے تو حضور نے ان باتوں کو یقین جانا بیس برس آگے یہ بات تھی کہ ابر و باراں میں یا پیش از طعام چاشت یا قریب شام تین گلاس پی لیتا تھا اور

دن کی شراب چھوڑ دی

اور شراب شبانہ معمولی میں مجرانہ لیتا تھا اس بیس برس میں بیس برساتیں ہوئیں بڑے بڑے مینہ برسے پینا ایک طرف، دل میں بھی خیال نہ گذرا بلکہ رات کی شراب کی مقدار کم ہو گئی ہے حکما جو دو تین یہاں ہیں ان کی رائے کے مطابق کل سے نیپ کا بھرتا بندہے گا وہ بجالائے گا تا اسکے چھوڑنے کی تدبیر کی جائے گی۔ تلوار زخمی پنڈلی زخمی اگر وہ نامرد بیدرد جھوٹا ہے تو اس پر ہزار لعنت اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر سو ہزار لعنت۔

(بنام منشی ہر گوپال تفتہ)

نمبر ۵۳

اعمّ مرزا تفتہ یہ غلطی تمہارے کلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر ناموزوں ہو بڑی قباحت یہ ہے کہ اعمّ بہ تشدید لفظ عربی ہے ع دیگر نتواں گفت اخص را کہ اعم است[1] ۔ مگر بحر اور ہو جاتی ہے مانا کہ فارسی نویسان عجم نے یوں بھی لکھا کاف کے اسقاط کی کیا توجیہ کروگے اور پھر اس صورت میں بھی تو بحر[2] بدل جاتی ہے ناچار اس شعر کو نکال ڈالو۔ ہمیں نے تمھیں قصائد لکھنے کو کہا تھا اب ہم منع کرتے ہیں کہ عاشقانہ قصائد نہ لکھا کرو مدح لبشرط ضرورت لکھو مگر بہ فکر و غور

غالب۔ ۱۶ر جولائی ۱۸۶۳ء۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۴

برکشیدن اور درکشیدن صاحب کشیدن کی جگہ درکشیدن و برکشیدن بلکہ برکشیدن کی جگہ درکشیدن نہ چاہیئے برآمدن و درآمدن کا استعمال بعض متاخرین نے عام کر دیا ہے۔ یعنے درآید سے برآید کے معنی لئے ہیں لیکن درکشیدن اور بہ اورکشیدن اور ۔ میں قریب بمرگ ہوں پانوں کے ورم نے اور ہاتھ کے پھوڑے نے مار ڈالا ہے۔ باور کرنا اور میرے سب آدمی بلکہ بعض دوست جو روز آتے ہیں وہ بھی گواہ ہیں کہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں خطوط کی تحریر لیٹے لیٹے ہوتی ہے اشعار اصلاح کو بہت جگہ سے آتے تھے سب کو منع کر دیا گیا

---

[1] دیکھو خط نمبر ۴۹

[2] غالباً مرزا نے یہاں زمین مراد لی ہے

رئیس رامپور اور ایک تم ان کی اصلاح رہ گئی

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۵

حضرت اس قصیدے[۵۱] کی جتنی تعریف کروں کم ہے کیا کیا شعر نکالے ہیں لیکن افسوس کہ بے محل اور بیجا ہے۔ اس مدح اور اس ممدوح کا بعینہ وہی حال ہے کہ ایک مزبلہ پر سیب کا یا ہی کا درخت اگ جائے خدا تم کو سلامت رکھے دوکان رونق کے خریدار ہو۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۶

صاحب تم نے تن تن کا ذکر کیوں کیا۔ میں نے اس باب میں کچھ لکھا نہ تھا تن تن اور تننا اصوات ہیں تار کے ہندی و فارسی میں مشترک بنیا اور امامن کے لکھنے کو میں نے منع ہرگز نہیں کیا شوق سے لکھو۔ یہ تم کو سمجھایا تھا کہ بنیا مخفف بنی بخش اور امامن متعلق یہ امام[۵۲] ہے مشتقات میں سے اس کو تصور نہ کرو قاعدہ دانان اشتقاق تم پر ہنسیں گے۔

(بنام مرزا تفتہ)

---

[۵۱] یہ قصیدہ غالباً مرزا تفتہ نے خود مرزا صاحب کی مدح میں لکھ کر بھیجا تھا ۱۲

[۵۲] دیکھو خط نمبر ۴۹

نمبر ۵۷

شعر سے بیزاری

لاحول ولا قوۃ کس ملعون نے بسبب ذوق شعر اشعار کی اصلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بیزار نہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار ہمیں نے تو بطریق قہر درویش بجان درویش لکھا تھا جیسے اچھی جورو برے خاوند کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے میرا تمھارے ساتھ وہی معاملہ ہے

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۸

الوائے اور الوا

الوائے کے جتنے شعر تم نے لکھے ہیں سب مانع ہیں الوا کے اور سند الوائے کی۔ موسوی خاں نے بحسب ضرورت شعر الوا لکھا ہے۔ تہمتن بروزن قلمزن ہے۔ فردوسی نے سو جگہ شاہنامہ میں تہمتن بسکون ہائے ہوز لکھا ہے۔ پس کیا اس لغت کی دو صورتیں قرار پاگئیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ لغت وہی بحرکت ہائے ہوز ہے میں نے کس قدر کلام کو طول دیا۔ صائب کے شعر کی حقیقت شرح و بسط سے لکھی تم نے ہرگز اعتنا نہ کیا۔ الوا کو الگ سمجھے مصیبتاہ کو جدا سمجھے بھلا میرے قول کو گوز شتر سمجھے ہو تو مصیبتا یا حسرتا برہان قاطع میں یا بہار عجم میں ہم کو

واحسرتا وامصیبتا

دکھا دو۔ وہی ولے ہے کہ جب اس کے بعد مصیبتا یا حسرتا یا ویلا آتا ہے تو تحتانی کو حذف کر کے واویلا وغیرہ لکھتے ہیں چاہو یلے واویلا کہو چاہو واویلا لکھو چاہے آخر میں ہائے ہوز لکھو جیسا کہ وامصیبتاہ چاہو بے ہائے ہوز وامصیبتا اور یہی حال ہے حسرت و درد و اسف و دریغ کا جہاں اے کے ساتھ وامصیبتا پاؤ وہاں اے کو حرف ندا اور منادی یعنی ہمنشین اور ہمدم کو مقدر سمجھو فرہنگ لکھنے والوں نے اشعار قدما میں ترکیبیں دیکھیں اپنا قیاس دوڑا کر

اس کی حقیقت ٹھہرائی کہیں ان کا قیاس غلط کہیں صحیح۔ سو اُن میں یہ دکنی ایسا کچھ مہم ہے کہ اس کا قیاس سو لغت میں شاید دس جگہ صحیح ہو۔ میں نے تو صاف لکھدیا تھا کہ موسی خاں کے شعر کی سند پر اپوا کو رہنے دو مگر صائب کے شعر میں اپوا کو الگ اور مصیبتاہ کو جدا نہ سمجھو۔ تمہارے قیاس نے پھر تمھیں کہیں کا کہیں پھینکا اور تم نے بھی کہا کہ صائب نے اپوا لکھا ہے۔ نجات کا طالب غالب۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۹

صاحب قصیدہ پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا آفریں ہے پھر استاد کے شعر تضمین کیوں کرتے ہو نہ اس کی کچھ حاجت نہ اس میں کوئی افزائش حسن تمھاری ایک شعر کو ایک شعر کے بعد رکھدیا ہے تاکہ مقطع کلام ہو جائے۔ پہلا قصیدہ تمھارا ابر آورم در آورم کی ردیف کا سست ہے اس کو ہم نے نامنظور کیا مگر نظر ثانی میں جو شعر قابل رکھنے کے ہوں گے وہ لکھکر تم کو بھیجدیں گے بالفعل ایک شعر کی قباحت تم پر ظاہر کرتے ہیں تاکہ آئندہ اس پالغز سے احتراز کرو۔ ع

نور سعادت از جبہ قاصدم چکد۔ یہ کیا ترکیب ہے جبہہ بروزن چشمہ ہے یعنی دو ہائے ہوز ہیں جبۂ قاصد ایک ہائے ہوز کہاں گئی ع ہر کجا چشمۂ بود شیریں چشمہ کی جگہ چشہ لکھتے ہو۔ یہ بات ہمیشہ کو یاد رہے اتنے بڑے مشاق سے ایسی غلطی بہت تعجب کی بات ہے۔ نیاں ع برگ دینا نہ ساز دنیش بود یہ کوئی لغت نہیں ایک لفظ نہیں کہ کسی فرہنگ میں سے نکل آئے یہ طرز تحریر ہی کس کو یاد ہے کہ اس کا نظیر کہاں موجود ہے۔ اس امر سے قطع نظر وہ شخص ایسا کہاں کا فارسی داں اور عالم ہے کہ میں لڑکوں کی طرح ہست بخشی کروں د و چوتیاں

آپ لگادیں ایک جوتی تم سے لگوادی۔ اب قطع نظر کرو اور سکوت اختیار فرماؤ میں برہان کا خاکہ اڑا رہا ہوں۔ چار شربت اور غیاث اللغات کو ہیچ کالثہ سمجھتا ہوں ایسے گمنام چھوکروں سے کیا مقابلہ کروں گا برہان قاطع کی اغلاط بہت نکالی ہیں دس جزو کا ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام قاطع برہان رکھا ہے اب اسکے چھاپنے کی فکر ہے اگر یہ مدعا حاصل ہو گیا تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیجدوں گا ورنہ کاتب سے نقل کروا کر قلمی ایک جلد بھیجدوں گا بہت سودمند نسخہ ہے۔ غالب جمعہ ۴ اکتوبر ۱۸۶۱ء

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۰

صاحب واقعی سداب کا ذکر کتب طبی میں بھی ہے اور عرفی کے ہاں بھی ہے تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا اس واسطے کاٹ دیا۔ قراب کونسا لفظ غریب ہے جس کو اس طرح پوچھتے ہو۔ خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں اور ہزار جگہ آیا ہے۔ قراب اور سداب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں۔ غالب ۱۲

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۱

دل لبہ داغدار بود نماند   در نظر ہا بہار بود نماند

اگر بود کے آگے واؤ موقوف اور محذوف کروگے تو ہمارے نزدیک کلام

لہ قتیل کی مشہور تصنیف ہے۔

سراسر بلیغ ہو جائے گا میری جان ہو نہ حالت کہ مجھ کو تم سے ہے شاید یہ بسبب عبادت نہ کرنے کے قیامت میں خدا سے بھی نہ ہو گی۔ اور بسبب خلاف شرع کرنے کے پیمبر سے بھی نہ ہو گی مگر خدا ہی جانتا ہے جو میرا حال ہے مرگ ناگاہ کا طالب غالبؔ

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۲

مرزا تفتہ صاحب اس قصیدہ کے باب میں بہت باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنی ہیں پہلے تو یہ کہ خنجر راو گوہر را کو تم نے از قسم تنافر سمجھا اور اس پر اشعار اساتذہ سند لائے یہ خدشہ نہیں پیدا ہوتا مگر لڑکوں کے اور مبتدیوں کے دل میں ؎

شراب نقل نخواہد بگیر ساغر را کہ احتیاج شکر نیست شیر مادر را (تسلیم)

یہ غزل شاہجہاں کے عہد کی طرحی ہے۔ صائبؔ و قدسیؔ و شعرائے ہند نے اس پر غزلیں لکھی ہیں دوسرے یہ کہ ممدوح کا پورا نام بے تکلف آتے ہوئے خالی کیوں اڑادو۔ ضیاء الدین احمد خاں نام ہے۔ ہندی میں رخشاں...... تخلص فارسی میں نیرؔ تخلص ہے ہمانا نیرؔ رخشاں ضیاء الدین احمد خاں دیکھو تو کیا پاکیزہ مصرعہ ہے یہ نہ کہنا کہ شعرا ممدوح کا نام ننگا لکھ جاتے ہیں وہ بسبب ضرورت شعر ہے جس بحر میں پورا نام نہ آئے اس میں شوق سے لکھو جائز روا مستحسن جس بحر میں نام ممدوح کا درست آئے اس میں فرو گذاشت کیوں کرو۔ دو شنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۱ء

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۳

میں تم کو خط بھیج چکا ہوں پہونچا ہوں......... تمھارے شعر میں جو تردد تھا اس کا جواب میں نے یہ لکھا ہے تم کو بھی معلوم رہے ؎

اے دل سخنے ہست نگہدار زبان را
رفت آنچہ بہ منصور شنیدی تو ومن ہم

تردد یہ کہ آنچہ بہ منصور رفت نہیں دیکھا۔ آنچہ بر منصور رفت درست ہے۔ جواب بائے موحدہ علیٰ کے معنی بھی دیتی ہے پس جو کچھ بر سے مراد تھی وہ بائے موحدہ سے حاصل ہو گئی اور اگر بائے موحدہ کے معنی معیت کے لیں تو بھی درست ہے نظیری کہتا ہے ؎

شادی کہ غبن میکشی ودم نمیزنی
در شہر ایں معاملہ باہر گدا رود

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں معاملہ ہے اور اس شعر میں معاملہ کا لفظ نہیں جواب سکا یہ ہو کہ سراسر دونوں شعروں کی صورت ایک ہے نظیری کے ہاں معاملہ مذکور ہے اور تفتہ کے ہاں مقدر ہے۔ رفت کا صلہ اور تعدیہ بائے موحدہ کے ساتھ دونوں جگہ ہے۔ والسلام۔ اسد اللہ

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۴

صاحب دیکھو پھر تم دنگا کرتے ہو وہی بیش و بیشتر کا قصہ نکالا غلطی ہیں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے۔

اقسام یائے تحتانی یاد رکھو یائے تحتانی تین طرح پر ہے (۱) جزو کلمہ جیسے ہمائے بر سر مرغاں ازاں شرف دارد ع۔ اے سیر نامہ نام تو عقل گرہ کشائے را۔ یہ ساری غزل اور مثل اس کے یہاں یائے تحتانی ہے جزو کلمہ ہے اسیر نمبرہ لکھا گویا عقل کو گائی

دینا ہے۔

(۲) تحتانی مضاف ہے صرف اضافت کا کسرہ ہے ہمزہ وہاں بھی مخل ہے جیسے آسیائے چرخ یا آشنائے قدیم توصیفی اضافی۔ بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو ہمزہ نہیں چاہتا۔ فدائے تو شوم رہنمائے تو شوم یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

(۳) دو طرح پر ہے یائے مصدری اور وہ معروف ہوگی دوسری توحید و تنکیر۔ وہ مجہول ہوگی مثلاً مصدری آشنائی یہاں ہمزہ ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور توحیدی آشنائے یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھوگے دانا نہ کہاؤگے۔

نیم گناہ و نیم نگاہ و نیم ناز۔ یہ روزمرہ اہل زبان ہے نیم بمعنی اندک ورنہ گناہ کا آدھا اور نگاہ کا ادھواڑ اور ناز آدھا۔ یہ مہملات میں ہے ان چیزوں کا مناصفہ کیا اگر تم کو نیم گناہ پسند نہیں تازہ گناہ رہنے دو۔

خستہ۔ بستہ۔ تازہ۔ غازہ۔ خانہ۔ دانہ۔ آوارہ۔ بیچارہ۔ روزہ۔ پوزہ۔ ہزار لفظ ہیں کہ ان کے آگے جب یائے توحید آتی ہے تو اس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ زرہ۔ گرہ۔ کلاہ۔ شاہ۔ آگاہ۔ آگہ۔ صبحگاہ۔ صبحگہ۔ ایسے الفاظ کے آگے اگر تحتانی آتی ہے تو زرہے گرہے۔ کلاہے۔ شاہے۔ آگاہے۔ آگہے۔ گاہے۔ گہے لکھ دیتے ہیں ۱۲۔ غالب

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۵

صاحب دوسرا پارسل جس کو تم نے بہ تکلف خط بنا کر بھیجا ہے پہنچا، نہ اصلاح کی جگہ نہ تحریر سطور کا پیچ و تاب سمجھ میں آتا ہے تم نے الگ الگ دو ورقے پر

کیوں نہ لکھا اور پھیدرا پھیدرا کیوں نہ لکھا۔ ایک آدھ ورقہ زیادہ ہو جاتا تو ہو جاتا بہر حال اب مجھے چھنٹے پڑے ہیں سوالات اگر کوئی سوال میری نظر نہ چڑھے اور رہ جائے تو سطور کی موڑ توڑ کا گناہ سمجھنا میرا قصور نہ جاننا۔

بلا ربائے اس میں تامل کیا ہے لفظ صحیح اور پورا تو یہی ہے۔ ربا اس کا مخفف ہے بیخ خار ہا و رہ راہش افشانم کہ چون خواہد شدن۔ بہت خوب اور معقول ہیں اس وقت خدا جانے کس خیال میں تھا۔ چوں خواہد شدن وکنوں خواہد شدن ردیف وقافیہ سمجھا تھا۔ لفظ "بے پیر" تورانی بچہ ہائے ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے جب میں اشعار اردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو شعر فارسی میں کیونکر اجازت دونگا۔ میرزا جلال آسیر علیہ الرحمۃ مختار ہیں۔ اور ان کا کلام سند ہے میری کیا مجال ہے کہ ان کے باندھے ہوئے لفظ کو غلط کہوں لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیرزادۂ ایران ایسا لفظ لکھے۔ شست بستن جب ظہوری کے یہاں ہے تو باندھئے یہ روزمرہ ہے اور ہم روزمرہ میں انکے پیرو ہیں "بے پیر" ایک لفظ ٹکسال باہر ہے ورنہ صاحب زبان ہونے میں آسیر بھی ظہوری سے کم نہیں ؎

زاہدا ایں سخنت ہرزہ کہ گفتی چہ شدی حق عفور ست گناہے شدہ ام تا چہ شود

پہلے زاہد سے یہ سوال غلط کہ چہ شدی ترا چہ شد سوال ہو سکتا ہے پھر گناہے شدہ ام یہ جواب مہمل۔ گناہے کردہ ام جواب ہو سکتا ہے یہاں تم کہو گے کہ ہمہ تن گناہ یا سراپا گناہ یا سراسر گناہ شدہ ام۔ یہ جواب اس جواب سے سراسر بے ربط ہے جب تک ہمہ تن گناہ نہ ہو معنی نہیں بنتے۔ ہرگز ہرگز۔ اصلاح دیئے ہوئے شعر میں مضمون تمہارا ہی رہا اور ٹکسال کے موافق ہو گیا عجب ہے تم سے کہ صرف شدہ ام اور تا چہ شود کے پیوند میں الجھ کر حقیقت معنی سے غافل رہے ؎

بازآر دلِ تو داز چنیں کار   آزار چہ می کنی دلم را

اہلی نے زبردستی کی ہے مگر ہاں اس نے ایک راہ ٹھہرالی ہے یعنی آزردن مصدر اور آزارد۔ مضارع اور آزار امر۔ امر بمعنی اسم جامد آتا ہے اور اسم جامد کردن کے ساتھ پیوند پاتا ہے خیر رہنے دو۔

ع کندآن آہوئے وحشی زبرم فردا رم[لہ] یہ شعر مؤید میرے کلام کا ہے برِدام وزردام وسردام وفردا۔ رم یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں الف ممدودہ کہیں کہیں۔ ہاں بود ارد۔ وروداد۔ فرود آرد تمہارے عقیدے کی تائید کرتا ہے مگر یہ شعر استاد کا نہیں۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے مولانا علاؤالدین ع ما مقیمان کوے دلداریم۔ یہ ترجیع بند انھیں کا ہے ان کو فقیر وفنا وسیر سلوک میں

لہ غالباً مرزا تفتہ نے کسی غزل میں بردارم۔ سردارم قافیہ رکھکر کسی شعر میں الف ممدودہ لائے ہیں جس کو مرزا نے غلط کردیا ہے۔ تفتہ نے اس کی سند میں یہ مصرع پیش کیا ہے اسکو مرزا صاحب نے اپنے دعوے کا مؤید ٹھہرایا ہے اس واسطے کہ اس قافیہ میں معمولیہ ہے اور وہ ممدودہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مرزا تفتہ نے مصنف ما مقیمان کا یہ مطلع پیش کیا ہے

ما مقیمان کوے دلداریم   رخ بدنیا و دیں نمی آریم

جس کا مرزا نے یہ جواب دیا کہ مصنف ما مقیمان تصوف میں مستند ہوں مگر قواعد شاعری میں قابل استناد نہیں ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جس میں تفتہ کے مؤیدین بھی ملتے ہیں مثلاً مومن خاں کی یہ غزل پیار آجائے۔ یار آجائے اور مقطع ہے ؎

حسن انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال   یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

مستند سمجھنا چاہیئے۔ نہ انداز کلام میں۔

ع پر مور ست شمشیرے کہ بر موئے میاں دارد[۱]۔ بھائی یہ مصرع تلوار کی نازکی سند نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک مضمون ہے کہ مور و تلوار۔ پر مور وجہ شبہ علاقہ پر مور یا مور مانند علاقہ شمشیر یا میان نزاکت وجہ تشبیہ کبھی نہیں۔ انصاف شرط ہے۔ تلوار کی خوبی تیزی ہے یا نازکی؟ یہ دھوکا نہ کھاؤ اور تلوار کو نازک نہ باندھو۔ مو میں اور تلوار میں مناسبت نہیں پائی جاتی۔ جانے دو شعر سے ہاتھ اٹھاؤ۔

میاں خمیدن بھی صحیح اور چمیدن بھی صحیح۔ اس میں کس کو تردد ہے۔ مگر لغت اور محاورہ اور اصلاح میں قیاس پیش نہیں جاتا۔ ہندوستان کے باتونی لوگوں کو خم و چم بولتے سنا ہے آج تک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا لفظ پیارا مجھ کو بھی پسند مگر کیا کروں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو اسکو

---

[۱] شاید اپنے کسی شعر میں مرزا تفتہ نے تلوار کو نازک باندھا ہوگا۔ مرزا نے اس شعر کو نظری کر دیا ہوگا کہ تلوار کی صفت تیزی ہے نہ کہ نزاکت۔ مرزا تفتہ نے سنداً یہ مصرعہ پیش کیا مرزا نے اس مصرعہ کے سند ہونے کے غلط معنی سمجھائے یعنی یہ کہ تم شاید سمجھتے ہو کہ جس طرح معشوق کی کمر کو بال سے تشبیہ دی ہے اسی طرح اسکی تلوار کو چیونٹی کا پر ٹھہرایا ہے یعنی اس کی تلوار اتنی پتلی اور نازک ہے جیسے چیونٹی کا پر یہ صحیح نہیں ہے بلکہ شعر کا یہ مطلب ہے کہ جو نسبت تلوار کو کمر کے ساتھ ہے وہی نسبت چیونٹی کے پر کو چیونٹی کے ساتھ ہے۔ یعنی معشوق کی تلوار مثل پر مور کے صحیح نہیں بلکہ پر مور شمشیر مور ہے یعنی چیونٹی کے پر اسکی تلوار ہیں افسوس ہے کہ مرزا نے دوسرا مصرعہ نہیں لکھا ممکن ہے کہ اس سے یہ معنے بھی نکلتے ہیں کہ چیونٹی کے جب پر نکلتے ہیں تو وہ اس کی جان کے لئے شمشیر ہیں۔

کیونکر صحیح جانوں۔ چمید صیغہ ماضی کا ہے۔ چمیدن سے اور چمیدن ایک مصدر ہے صحیح اور مسلم۔ چمد مضارع، چم امر۔ اس میں کیا گفتگو ہے۔ کلام خم و چم میں ہے۔

سوالات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کا جواب لکھ دیا۔ اب اشعار کو دیکھتا ہوں خدا کرے مجھ سے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور تم بھی جب ان اوراق طلسمی کو دیکھو تو کوئی اصلاح کا اشارہ تم سے باقی نہ رہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ اب پھر اس طرح کبھی نہ لکھنا میں بہت گھبراتا ہوں۔

خمید ست و رسید ست میں "تن زنی و ست" یہ قافیہ درست ہے مگر است کا الف سب جگہ اڑا دو۔ اور یاد رہے کہ صرف سین تے کافی ہے الف ضرور نہیں

غالب (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۶

حضرت اس غزل میں پروانہ و پیمانہ و بتخانہ تین قافیے اصلی ہیں، دیوانہ چونکہ علم قرار پا کر ایک لغت جداگانہ مشخص ہو گیا ہے اس کو بھی قافیۂ اصلی سمجھ لیجئے باقی عالمانہ و مستانہ و مردانہ و ترکانہ و دلیرانہ و شکرانہ۔ سب ناجائز و نا مستحسن۔ ایطا۔ اور ایطا بھی قبیح۔ مجھے بہت تعجب ہے کہ انھیں قافیوں میں ایطا کا حال تم کو لکھ چکا ہوں۔ اور پھر تم نے غزل بنی انھیں قوافی پر رکھی کاشانہ و شانہ و افسانہ و جانانہ و فرزانہ یہ قافیے کیوں ترک کئے یاد رہے ساری غزل میں مردانہ یا مستانہ یا ان کے نظائر میں سے ایک جگہ آوے دوسری بیت میں زنہار نہ آوے۔ غزل نظری ہو گئی اور غزل لکھ کر بھیجو نا اصلاح دی جائے ۱۲ عفو کا طالب غالب

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۷

ایک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز   چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ عبارت فولاد کے آئینہ سے ہے ورنہ حلبی آئینوں میں جوہر کہاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل کرو گے بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی اس کو الف صیقل کہتے ہیں جب یہ مقدمہ معلوم ہوا تو اب اس مفہوم کو سمجھئے ع چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا یعنی سن تمیز سے مشق جنوں ہے ابتک کمال فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہو گیا بس وہی ایک لکیر صیقل کی جو ہے سو ہے۔ چاک کی صورت الف کی ہوتی ہے اور چاک جیب آثار جنوں میں سے ہے ۱۲ غالب

(بنام ماسٹر پیارے لال۔ آشوب)

نمبر ۶۸

بندہ پرور آپ کا مہربانی نامہ پہونچا تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا جو آپ کی عبارت سے سمجھ گیا ہوں اس کا جواب لیجئے اور جو نہیں وہ مطابق میری التماس کے مجھے سمجھا دیجئے بعماد عمائد شعرائے قدیم میں سے ہے اسی کے پاس سات بیت کی ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

پائے سر تا نشود راہ تو رفتن نتواں   جز بہ جاروب مژہ کوئے تو رفتن نتواں

پہلے مصرعہ میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافیے ہیں۔ استاد دو مصرعوں میں حرکت ما قبل روی مختلف لایا اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا۔ آیا معترض

صاحب استناد بمثل ونظیر کو نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے۔ یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں قدیم سے ہے۔ بندہ نواز میں نے لکھا کہ مؤید برہان میرے پاس آ گئی ہے اور میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ و سطر ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے بھیجوں گا کہ تم از راہ عنایت مؤید کا جواب لکھو۔ میری نگارش جو پسند آئے اس کو بھی جا بجا درج کرو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں۔ نا کچھ نہ لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھیے اور مزید لکھیے۔ ۱۸ / مارچ ۱۸۶۶ء

(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۶۹

اے عنایت بہ عنایت بہ مشکل۔ آپ کا خط حاوی حل شبہات جس دن پہنچا اس کے دوسرے دن جواب لکھ کر بھیج دیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی۔ دو تین شعروں میں تمہاری رائے مسلم رہی۔ باوجود فقدان حافظہ و استیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے ع چہ غرہ غرہ پیشانی سمند عمر۔ بدل ع چہ غرہ غرہ پیشانی تگادر عمر۔ دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے کہ شگرد و گران رکاب کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے لیے واؤ عاطفہ کچھ تقدیم و تاخیر ہو گیا ہے۔ صبح شنبہ ۳ / ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال ۱۲ غالب

(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۷۰

حضرت مولوی صاحب میں برس دن سے بیمار اور تین مہینے سے صاحب فراش

ہوں۔ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود پھوڑوں سے بدن لالہ زار، پوست سے ہڈیاں نمودار، پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضا پر دس جگہ پھاہے لگتے ہیں ضعف و ناتوانی علاوہ سوز غم ہائے نہانی علاوہ۔ صنعت سہل ممتنع میں میں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ قدردانی نہ فرمائی۔ ردّ فرقہ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی وہ محی الدولہ کو بھیجی رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگرد قتیل وہاں کوس انا ولاغیری بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں ایک کم ستر برس کی میری عمر ہوئی سوائے شہرت خشک کے فن کا کچھ پھل نہ پایا۔ فرمانروایان عصر معتقد ہوئے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا احسنت و مرحبا کا شور سامعہ فرسا ہوا خیر ستائش حق ستائش سے ادا ہوا۔ مختار الملک نے یہ بھی نہ کیا نہ مدح کی داد دی نہ مدح کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا سمجھے۔ محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے۔ کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں ع دیدیم گل و لالہ چہار رنگ بر آورد۔ فقیر کے نزدیک "ودیدیم" زائد اگر یوں ہو تو بہتر ہے۔ ہر یک گل و لالہ

؎ باشد شفقے کاں بلب لعل تو ماند ۔۔ گر چرخ بکام دل ما رنگ بر آورد

باشد مخل معنی ہے اگر اس کی جگہ آرد ہو تو بہتر۔ مگر آرد صیغہ مستقبل کا اور آورد ماضی کا۔ اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ، ہر چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے۔ مگر فارسی گویان ہند نہ مانیں گے پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے ؎

حاشا کہ شفق مثل لب لعل تو باشد ۔۔ گر چرخ بکام دل ما رنگ بر آورد

؎ خون شد دل غم دیدہ الخ۔ یہ شعر ہموار ہے نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا محتاج

۴ اور ۵ یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے ؎ اہل ورع الخ یہ بھی ہموار ہے نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح ؎

گوئی کہ زباں ور دہنم برگ حنا بود تا بوسہ زدم آن کفِ پا. رنگ برآورد

مولوی صاحب یہ بات تو کچھ نہیں زبان چاٹنے کا آلہ ہے نہ چومنے کا،

زبان برگ حنا بن گئی تو بوسہ سے کف پا کیوں حنائی ہو جائے؎

گوئی دہنم لب زرگ برگ حنا داشت تا بوسہ زدم آن کفِ پا رنگ برآورد

مقطع اور اس کے اوپر کا شعر دونوں اچھے۔ روز چہار شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ[1]

مطابق ۲۶ اگست ۱۸۶۳ء

(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۱

صبح سہ شنبہ ۱۳ صفر سال عفی[1] صاحب میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں

اپنا نورِ نظر و لختِ جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبط راز

نہیں کر سکتا اور تم سے رازداری اور امانت میرا ستواری چاہتا ہوں قصیدہ

وغزل میں صلہ و تحسین باقتضائے بخت و قسمت ہے نہ یہ اندازۂ ارزش کلام

ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا اغنیا کو نہ مذاق شعر

سے نسبت نہ مطالعۂ اشعار کی فرصت متوسط نے بقدر سلسلہ جنبانی کی لیکن

مرجح نے نہ قدر دانی کی۔ مولوی غلام غوث خاں بیخبر میر منشی لفٹنٹ گورنر مخلص

خالص لا اخلاص ہیں ہرگز ان کو مدعی[2] سے تلمذ نہیں البتہ اس کو خوش گو جانتے

ہیں اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور قاطع برہان کا جواب لکھیں ع

باطل است آنچہ مدعی گوید۔ مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد

---

[1] یعنی سنہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء۔ [2] غالباً مدعی سے غلام امام شہید مراد ہیں۔

کرتا ہے یہیں امیر علی شیر جیسا محتسب اور مولوی جامی جیسا مفتی کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے اور کاذب کو سزا دے شکر ہے خدا کا کہ تم سخنور اور سخنداں ہو۔ اور یقین ہے کہ قلمرو ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے کہ میرے اور مدعی کے رتبہ کو ممیز ہو سکیں گے ع عید است بادہ شد فلک و ساغر آفتاب، خالصاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے یہ شخص ظرف کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے اسکو کون مسلّم رکھے گا اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے۔ آفتاب و ساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے شراب اور فلک میں یہ تشبیہ کہاں؟ میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں قدر دانی کیونکر کروں قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ نہ استادانہ جو خیال میں آئے گا کہا جائے گا۔ اگر آپ نے اس روش کا یعنی استصلاح کا التزام کیا ہے۔ تو جب تک کہ غزل اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے ما کتب فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجموعۂ کلام سابق اگر بھیج دو گے میں بکمال طیب خاطر اسکو دیکھ کر بھیج دوں گا استجازت کیا ضرور ۱۲ استجابت کا طالب غالب (بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۲

صاحب پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں مضمون لطیف ہے وہ فرد میں خوب آگیا ہے مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا۔ ورنہ کا قافیہ اور شعر میں اور طرح سے بندھ گیا تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا جو شعر بے تصرف بدستور رہا اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔ ساقی ابھی چھنی الخ چھنی لفظ غریب ہے نہ اہل دہلی کی زبان زد نہ گوش زد عزیزاں کو چھلنی کہتے ہیں جس کی فارسی پرویزن ہے اور جس کپڑے میں سالات کو چھانیں فارسی اس کی لاے پالا اور اردو صافی ہے یہ یائے معروف برابر نہ ہوا تھا یہ قافیہ طرح سے درست ہوا ہے جسطرح چاہو رہنے دو ع مرنے کا مرے

وقت مقرر نہ ہوا تھا۔ تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بالکل مہمل ہے مگر ہاں تقرر کا وقت ازل کو قرار دیا جائے۔ یہ مقطع میری پسند نہیں ہے جیسے سر کی قسم اس کو نہ رکھو اور مقطع لکھ لو ۱۲ غالب شنبہ ۴ر نومبر ۱۸۶۳ء

(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۳

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو صاحب

وہم اور چیز ہے اور احتیاط اور چیز ہے۔ کارپردازان ڈاک بیرنگ خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ دبا لیں گے اور میرے خطوط کبھی نہ تلف ہوں گے۔ آدھ آنہ کی جگہ دو دست کا ایک آنہ کیوں کھوؤں گلشن بعض کے نزدیک مؤنث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔ قلم۔ وہی، خلعت ان کا بھی یہی حال ہے کوئی مؤنث کوئی مذکر بولتا ہے میرے نزدیک وہی اور خلعت مذکر ہے۔ اور قلم مشترک چاہو مذکر کہو چاہو مؤنث گلشن البتہ مذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بھائی جہاں الف دبتا ہے میرے کلیجے میں ایک تیر لگتا ہے "رکھتا ہے گلشن بھی" یہ الف دبتا ہوا دیکھ کر میں نے "رکھتی ہے" بنا دیا۔ مگر گلشن مذکر مناسب ہے پھلکی یا پھلکا تمہارے معنی محض ہے۔ ہلکی پھلکی ہلکا پھلکا یوں آئے تو درست ورنہ لغو اور یہ جو پھلکا پتلی چپاتی کو کہتے ہیں۔ یہ دوسرا لغت ہے پھلکی کبھی کوئی نہ بولے گا پانی وانی حقہ وقہ یوں کہیں گے۔ نرا دانی اور نرا دقہ نہ کہیں گے ہلکا پھلکا ہلکی پھلکی، کہیں گے ایک چیز کو نرا پھلکا یا نری پھلکی نہ کہیں گے۔ تذکیر و تانیث کے باب میں مرزا رجب علی بیگ سے مشورہ لیا کرو اور دبتے ہوئے حروف بھی ان سے پوچھ لیا کرو ۱۲ غالب

(بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۴۷

بھائی ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ کے شاگرد ہو جاؤ۔ اور اپنا کلام ان کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث کو ان سے پوچھ لیا کرو۔ دکھن بنگالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص میں دلی لکھنؤ کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا جس لغت میں عین ہو اس کو سمجھنا کہ عربی ہے، بعد معلوم ہونے اس قاعدہ کے یہ سمجھو کہ غربال غین نقطہ دار مکسور اور رائے قرشت اور بائے موحدہ اور لام پر لغت فارسی ہے ہندی اس کی چھلنی اور مرادف اس کی پرویزن یعنی فارسی میں چھلنی کو غربال اور پرویزن کہتے ہیں اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نہ جانے۔ رہا عربال یا عریال عین سعفص یا یائے تحتانی سے فصیح و غیر فصیح کیا بلکہ غلط محض و محض غلط ہے ہاں اگر عربی میں چھلنی کو عریال کہتے ہوں تو فارسی غربال اور عربی عریال۔ مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ غربال کا عربی میں کچھ اور اسم ہو گا عریال نہ کہتے ہوں گے۔ اب تم سنو فن لغت میں ایک امر ہے کہ اس کو تصحیف کہتے ہیں یعنی لفظ کی صورت ایک ہو اور لفظوں میں فرق جیسا کہ سعدی بوستاں میں کہتا ہے ؎

مرا بوسہ گفتا بہ تصحیف دہ   کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

توشہ و بوسہ و نوشہ یہ تین لفظ مصحف یک دگر ہیں۔ حالانکہ معانی میں وہ فرق کہ جیسا زمین و آسمان میں۔ توشہ ترجمہ زاد کا۔ بوسہ ترجمہ قبلہ کا۔ نوشہ اسم دولہا کا صاحبان فرہنگ میں برہان قاطع والا تصحیف میں بہت مبتلا ہے گزر اور گز ر خربزہ اور خربزہ؟ کہتا ہے کہ سدا بہ سین سعفص لفظ فارسی ہے بمعنی آواز اور صدا بہ صاد تعریب ہے۔ جو لغات تم نے لکھے ہیں انہیں لغات کو طورے میں لکھتا

ہے حال آنکہ جس طرح عین فارسی میں نہیں ہے طوئے بھی نہیں ہے مثلاً تشت لغت فارسی الاصل ہے املا اس کی طوئے سے غلط ہے برہان قاطع والا اسکو تے سے بھی لایا ہے اور طوئے سے بھی محققین جانتے ہیں کہ صدا بمعنی آواز لغت عربی الاصل ہے نہ معرب اور سدا سین سے ہرگز فارسی میں آواز کو نہیں کہتے۔ ہاں اردو کے محاورہ میں بمعنی ہمیشہ کے مستعمل ہے قصہ کوتاہ غربال بمعنی چھلنی کے لفظ فارسی الاصل صحیح اور فصیح ہے اور غربال اگر کسی اور فرہنگ عربی میں مثل قاموس اور صراح وغیرہ کے بمعنی چھلنی کے نکلے تو اس کو مانو ورنہ یہ برہان قاطع والے کی خرافات میں سے ہے

نجات کا طالب غالب ۱۲-۲۷ فروری

(بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۴۵

منشی صاحب تمہارے خط پہونچنے کی تم کو اطلاع دیتا ہوں اور مطالب مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں اور اپنے دوست روحانی مرزا رجب علی بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں، کہہ دیجئے گا بلکہ یہ رقعہ دکھا دیجئے گا بعض لوگ "آن بان"[له] بولتے ہیں مگر فقیر کے نزدیک "آن تان" صحیح ہے اور یہی فصیح ہے پر بمعنی لیکن لفظ مشہور ہے اور پہ اس کا مخفف ہے اس میں شاید کسی کو کلام نہ ہو۔ کوئی اور لکھے یا نہ لکھے میرے اردو کے دیوان میں سو دو سو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا مجھ کو بنگالے سے آئے ۳۲-۳۳ برس ہوئے بہت احباب مر گئے بہت متفرق ہو گئے۔ اب ایسا وہاں کوئی نہیں جس سے ارسال

له لکھنؤ میں آن بان ہی بولتے ہیں مگر عبارت مندرجہ خط سے معلوم ہوا کہ دہلی میں آن تان بھی بولا جاتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ اب بھی بعض لوگوں کی زبان پر ہو ۱۲۔

رسائل کی رسم و راہ ہو صاحب وہ شعر جس کو تم نے پوچھا ہے یہ ہے ؎

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو　　کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

وہ شعر اس غزل کے اور یاد آگئے ہیں وہ دوسرے صفحہ پر لکھتا ہوں ؎

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب　　آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں　　کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

دیکھو یہ پر کا مخفف پہ ہے بمعنی لیکن بنارس کا کیا کہنا ہے ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے انتہائے جوانی میں میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ جاتا اور ادھر کو نہ آتا ؎

عبادت خانۂ ناقوسیان ست　　ہمانا کعبۂ ہندوستان ست

جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آسکے اس کی تدبیر فردوسی اور خاقانی سے بھی نہ ہو گی میں کیا کروں گا نام تمہارا آسکتا ہے لیکن الف دبا رہتا ہے خدا کے واسطے اسکی تدبیر میر ورصاحب سے بھی ضرور پوچھنا نجات کا طالب غالب ۱۲ فروری سنہ ۱۸۶۱ء

(بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۶۷

بھائی تمہاری جان کی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں فن تاریخ گوئی و معما سے بیگانہ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہو گی فارسی دیوان میں دو چار تاریخیں ہیں ان کا حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں حساب سے میرا جی گھبراتا ہے اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے جب کوئی مادہ بناؤں گا حساب درست نہ پاؤں گا دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادہ تاریخ سے مجھے ڈھونڈھ لا دیتے موزوں میں کرتا اور اگر آپ میں نے

مادہ کی فکر کی ہے اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے تو ایسے ایسے تعمیے و تخرجے آگئے ہیں کہ وہ تاریخی ہنسی کے قابل ہو گئی ہے کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خاں مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے۔ ان کے بھتیجے مولوی ولایت حسین خاں نے استدعائے تاریخ کی میں نے لکھی چنانچہ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے ؎

مفتی عقل از پئے تاریخ این بنا — ایما بسوئے من ز رہ احترام کرد
گفتم بوے بدیہہ خوشا خانۂ خدا — شد خشمگیں و مے کہ نظر در کلام کرد
خاشاک رفت و پائے ادب شکستہ ریخت — ایہام را بہ تخرجہ معنی تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرو "خوشا خانۂ خدا" مادہ پھر اس میں سے خاشاک کے عدد دور کرو تو تو سو بائیس کا تخرجہ پھر بھی دو اور زیادہ رہے، پائے ادب توڑا بھلا یہ کوئی تاریخ ہے مگر ہاں حساب کے قاعدہ سے باہر کچھ معنی سگالی کے طور پر میرا ایجاد ہے اور وہ لطف رکھتا ہے ایک شخص ۱۲۴۸ھ میں مرا اس کی تاریخ میں نے لکھی ؎

زسال واقعۂ میرزا ستیا بیگ — آت راست شمار ائمہ امجاد
صحیفہ ہائے سماوی ببین از عشرات — حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از آحاد

ائمہ بارہ یعنی بارہ سو پھر کتب سماوی چار دہا کے چار یعنی چالیس بہشت آٹھ چالیس اور آٹھ اڑتالیس بارہ سو اڑتالیس۔ دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی ؎

از بروج سپہر جوے آت — عشرات از کواکب سیار

برج بارہ سات دہا کے ستر

یہ جو لکھتے ہو کہ سید غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا کیوں نہیں آتا ؎

جبکہ سید غلام بابا نے — سند عیش پہ جگہ پائی

ایسی دو نق ہوئی برات کی رات
کہ کواکب ہوئے تماشائی

دوسری بحر شنوے

ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے
فرازِ مسندِ عیش و طرب جگہ پائی

زمیں پہ ایسا تماشہ ہوا برات کی رات
کہ آسماں پہ کواکب بنے تماشائی

اس بحر میں سماتا ہوا کوئی مادہ بہم پہونچاؤ۔ تاریخ کہہ لو۔ وہ دوست جو مادہ ڈھونڈھ دیتے تھے وہ جنت کو سدھارے ہیں جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں معذور اور مجبور ہوں۔

غالب سہ شنبہ ۱۱ محرم ۲۱ جولائی سال حال
(بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۶۶

پیر و مرشد سلامت۔ اعضا فرسودہ اور بوڑھے ہوگئے۔ روح ان میں دوڑتی نہیں پھرتی مگر ابھی مفارقت نہیں کر گئی۔ خدا جانے کس مکان میں ہے اعضا کے ہوگئے۔ اب وہ کام جو ان سے متعلق تھے بند ہوگئے۔ آپ کا حکم ماننا اور آپ کی خدمت بجا لائی دل سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ لطیفۂ غیبی یعنی روح کے کام ہیں جب تک وہ باقی ہے سرانجام پائے جائیں گے "خاکم بدہن" واسطے اقوال کے ہے جب کوئی کلمہ مکروہ طبع کہتے ہیں تو "خاکم بدہن" کہہ لیتے ہیں۔ عمر خیام ؎

برخاک بریختی مئے ناب مرا
خاکم بدہن مگر تو مستی ربّی

اور خاکم بسر اور خاکم بفرق عام ہے جیسا کہ میں ایک شہزادہ کے مرثیہ میں کہتا ہوں ؎

اے اہل شہر دہن ایں دو دماں کجا ست
خاکم بفرق خواب کہ خسروان کجا ست

استاد

ٹ؎ یہ شعر نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا ہے

خاکم بسر کہ عاشق کار آزمودہ ام   داغم کہ با رقیب بخلوت چہا رود

آپ نے کہے ہاں اور مولوی روم کے ہاں "خاکم بدہن" کا متوقع نہیں جیسا کہ مولوی معنوی نے نہیں لکھا حضرت بھی اپنے ہاں نہ لکھیں ع فرق است درمیانہ کہ بسیار نازک است

نجات کا طالب غالب۔

(بنام شہزادہ بشیر الدین)

نمبر

غالب خاکسار کہتا ہے کہ شعرائے ایران کلہم اجمعین مسلّم الثبوت ہیں اور ان کا کلام سند ہے سخنوران ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی ہیں جیسے اہل ایران اہل ہند میں امیر خسرو دہلوی نے اہل ایران میں رودکی و فردوسی سے لے کر جامی تک اور جامی سے صائب و کلیم تک کسی نے لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو کوئی فرہنگ جمع کی ہو تو ہمیں دکھاؤ اس کو اگر میں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو میں گنہگار۔ جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں نام ان کے کہاں تک لوں مشہور و غیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہوں گے۔ ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں۔ کوئی اہل زبان نہیں ہے۔ اشعار اساتذہ ایران کو ماخذ ٹھہرا کر جو لغات ان کی نظم میں دیکھے بمناسبت مقام ان لغات کے معنی لکھ دیئے استنباط معنی کا مدار قیاس پر ہے میں نہیں کہتا کہ قیاس ان کا سراسر غلط صرف اتنا کہتا ہوں کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔ ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی یعنی جامع برہان قاطع احمق اور غلط فہم اور معوج الذہن ہے مگر قسمت کا اچھا ہے مسلمان اس کے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اس کے بیان کو مطالب مندرجہ بید کی برابر مانتے ہیں۔

گیا اور گیاہ بہ کاف فارسی مکسور سبز گھاس کو کہتے ہیں گیا بہ کاف فارسی

مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہے ہرگز نہیں ہے۔ مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے شعر کس نے دیکھے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز اور فتحہ بنا دیا ہو۔ فرہنگ نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے جو ایسا سمجھے ہیں۔ نہ "گیا" بمعنی وہ ہے نہ "گیا" بمعنی مقدم وہ ہے نہ "گیا" بمعنی پہلوان ہے نہ "کار گیا" کوئی لفظ ہے نہ کوئی لغت ہے کہ بہ کاف عربی مفتوح بروزن مے ایک لغت فارسی ہے زہ بمعنی یعنی وہ معنی دیتا ہے ایک تو کب یعنی کس وقت اور دوسرے معنی اس کے ہیں حاکم اور مالک کے۔ الف جو اس کے آگے آتا ہے وہ کثرت کے معنی دیتا ہے جیسے خوشا بہت خوش۔ بدا بہت بد۔ کیا بڑا حاکم ؎

عشق آں بگزیں کہ جملہ اولیا ۔۔۔ یافتند از عشق او کار کیا

یعنی بسبب عشق کار بزرگ یافتند ؎

سر فرو بردیم تا بر سروراں سرور شدیم ۔۔۔ چاکری کردیم تا کار کیائی یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا کام پس یائے تحتانی اگر مجہول ہے تو تعظیمی ہے اگر معروف ہے تو مصدری ہے یعنی بزرگی کا کام حکومت کا کام

"وہ کیا" مضاف و مضاف الیہ مقلوب ہے یعنی "کیای وہ" اور حاکم وہ "کار کیا" مثلاً یعنی کیا ہے کار و مالک کار۔ جہاں ماقبل اس کے رائے مکسور لائیں گے وہاں "کار" موصوف اور "کیا" صفت ہے۔ نہایت تحقیق و اصل حقیقت یہ ہے فقیر نے جہاں "کیا" کے لفظ پر خط استطیل کھینچا ہے وہ علامت فتحہ ہے۔ دوسرا امر کوئی نہیں جو کاف فارسی سمجھا جائے۔ واد کا طالب غالب

(بنام منشی کیول رام ہشیار)

نمبر ۹

فقیر اسد اللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ میرے یہاں آئے ہیں اور میں نے آپ کی ملاقات سے حظ اٹھایا ہے حل معنی اشعار کی یہ صورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں شعرائے لکھنؤ میں سے کسی کے ہیں بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں ؎

خواست کز ما رنجد و تقریب رنجیدن نداشت
جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت

داشتن بمعنی رکھنے کے ہیں لیکن اہل زبان بمعنی بایستن بھی استعمال کرتے ہیں

ظہوری ؎

گر اسیر زلف و کاکل گفتمی باشم خویش را
گفتہ باشم ایں قدر بر خویش پیچیدن نداشت

میرے شعر میں پہلے مصرعہ کا داشت بمعنی رکھنے کے اور دوسرے مصرعہ کا داشت بمعنی بایست ہے مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈھتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے مجھ پر خفا ہو چاہتا تھا کہ آزردہ ہو مگر سبب نہیں پاتا تھا قضارا کچھ دنوں کے بعد رقیب سے معشوق کو ملال ہوا میری جو شامت آئی میں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو راندۂ درگاہ ہوا معشوق اسی گستاخی کو بہانۂ عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہو گیا اب شاعر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے ہائے پرسیدن نداشت یعنی پوچھنا نہ چاہیئے تھا ؎

دیر خواندی سوئے خویش و زود فہمیدم دریغ
پیش ازیں پایم ز گرد راہ پیچیدن نداشت

عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلا وے۔ مگر اس عیار نے نہ بلایا رفتہ رفتہ میں غم سے ایسا زار و ناتواں ہو گیا کہ طاقت رفتار نہ رہی اور گرد راہ سے میرے پاؤں الجھنے لگے جب اس نے یہ جانا کہ اب نہ آسکے گا تب بلایا عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اس کی وجہ جلد سمجھ گیا کہ.......... تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میرا ایسا ضعیف نہ تھا کہ بلائے اور میں نہ آؤں۔ دریغ کو یہ نہ سمجھا جائے کہ زود فہمیدن پہ ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر ہے دوست کی بیوفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر ہے

من بوفا مردم و رقیب بدر زد
نیمہ لبش انگبیں و نیمہ تبرزد

انگبیں شہد کو کہتے ہیں اور تبرزد مصری کو کہتے ہیں ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں جب تک اس کو تبر سے نہ توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ بدر زدن۔ اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں باہر مارنا یعنے بدر باہر اور زدن مارنا لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکل جانا۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھئے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی وہ جب چاہے بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اس کے شہد میں لپٹ جائیں گے اور وہ مر کر رہ جائے گی۔ پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شیریں ہیں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری یعنی وہ چاٹ کر لطف اٹھا کر صحیح و سالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں مر کر رہ گیا ہے۔

در کشمکش بیم اعتماد و نفوذش
گریہ افگندیم زخم جگر زد

زدن لازمی بھی ہے اور متعدی بھی لازمی کے معنی ہندی میں لگ جانا اور متعدی کے
معنے مارنا یہاں زد لازمی ہے اب یہ سمجھنا چاہیے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنی اگر شراب
میں نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ
ہو جاتا ہے اور زخم پر اگر نمک ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے مقصود
شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ اس نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسہ
ہے اگر وہ اس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا اور زخم جگر
پر جا لگتا ہے یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا کام کرتا رہتا ہے ۵

کیست دریں خانہ کز خطوط شعاعی   مہر نفس ریزہ ہا بہ روزن در زد

یہ خیال ہے یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے
مگر بطریق تجاہل بھولا بنکر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنے آفتاب
نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرط شوق سے دروازہ کے روزن پر پھینک دیئے ہیں آفتاب
کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں پڑنا اور ان خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت
سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے ۵

دعوی او را بود دلیل بدیہی   خندۂ دندان نما بہ حسن گہر زد

خندۂ دنداں نما اس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے
والے کے دکھائی دیں معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا اور ہنستا کوئی اسی چیز پر ہے
جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے حاصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن
پر ہنسا گویا اس نے یہ دعوی کیا موتی کچھ اچھی چیز نہیں اب دعوی کے واسطے دلیل
ضرور ہے سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوی پر دلیل بدیہی ہے یعنی ہنسنے
میں اس کے دانت نظر آئے معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے

تھے وہ لغو ہے حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے پس اسی دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی مان لیا ہے

غیرت پروانہ ہم بروز مبارک   نالہ چو آتش ببال مرغ سحر زد

پروانہ کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیئے۔ پروانہ کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانہ میں ہو یا پروانہ کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانہ پر۔ یعنی رشک حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں۔ رات کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا۔ دن کو کوئی ایسا نہ تھا کہ مجھ کو اس پر رشک آوے تو اب وہی غیرت اور وہی رشک جو پروانہ پر شب کو تھا اب دن کو بھی مبارک ہو یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی مستی اور بیخودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب ہے مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا جو رات کو پروانہ کو دیکھ کر کھاتا تھا۔ اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر جلتا ہوں کہ ہائے یہ کون ہے کہ جو میری طرح جلتا ہے

لشکر ہوشم بزور مے نہ شکستی   غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد

نظر فکر کو بھی کہتے ہیں اور نگاہ کو بھی یہاں نگاہ کے معنی ہیں شاعر کہتا ہے کہ میرا ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بیہوش ہو جاتا مگر کیا کروں کہ پہلے غمزۂ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا پھر اس پر شراب پی گئی بیخودی کا استعداد تو ہم کو پہونچ ہی گیا تھا ناچار ہوش بہا[illegible] ہے

زاں یت نازک بہ جائے دعوی خون ست   دست سے ودامنے کہ او بکمر زد۔

اس شعر کا لطف و جادائی ہے بیانی نہیں ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ اس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے۔ خون کا دعوی کیا کریں کہ اس کو وقت عزم قتل دامن گردانتے وقت وہ صدمہ پہونچا کہ اس کا ہاتھ ہے اور وہ دامن کہ جو اس نے گردان کر کمر پر باندھا

تھا اس سے ایسا الجھا کہ مگر کو پہونچا کہ وہ آپ اپنے دامن پر دادخواہ ہو رہا ہے پس اس سے کوئی خون کا کیا دعوے کرے گا۔ قطعہ

برگ طرب ساختیم و بادہ گر فتیم ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ہر چہ ز طبع زمانہ بیہودہ سر زد
شاخ بپیرایہ گزار مغاں گل آورد ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد

شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بمقتضائے طینت خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہیں مثلاً گنا اب کچھ خاک کو اور ہوا کو یہی منظور نہیں کہ اس کا رس نکلے اور اس کا قند بنے یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اس نے اس گھاس میں سے یہ بات پیدا کی پس اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں شاخ گل کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے میرے پھل میں کیا ہنر ہے ہم نے اپنی زور عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے۔

کام نہ بخشندہ گنہ چہ شماری ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ غالب مسکین بہ التفات نیرزد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات کے نہ تھا پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالم عقبیٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیئے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے۔ جانے دیجئے۔ ہم میں التفات کی آمیزش نہیں ہے ۱۲ غالب

(بنام مولوی کرامت علی)

نمبر ۸۵

برخوردار۔ غزل تمھاری ہم کو پسند آئی اصلاح دیکر بھیجدی گئی۔ اس کا تم خیال رکھا کرو کہ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے جیسے چراغ پاس بجھا ن

امیدوار افتد۔ یہاں افتد مہمل ہے۔ یاس بدل افتادن و یاس بجان افتادن روزمرہ نہیں۔ اور بھی کئی افتد ایسے ہی ہیں ؎

سیاہ بختم اگر بہ سرم گزار افتد — بسان سایہ ہما نیز سوگوار افتد

سوگوار ہونا سایہ کا باعتبار سیاہی رنگ ہے اب یہاں دونوں افتد ٹھیک ہیں گزار افتادن روزمرہ اور دوسرا افتد بمعنی واقع شود ؎

شنیدہ ام بجفائے تو مبتلاست عدو — چرا نہ شور بجان امیدوار افتد

شور افتادن روزمرہ ہے اور یاس افتادن غلط ؎

بحیرتم کہ ز دوزخ کسان دوزخ را — کجا بہ بند چو آہم شرارہ بار افتد

یہاں افتد بمعنے واقع شود ٹھیک ؎

نہ گبرم و نہ مسلماں بحیرتم کہ مرا — سوائے دوزخ و مینو کجا گزار افتد

یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے آفریں ؎

قرار در وطن افسردہ میکند دل را — خوشا غریب کہ دور از دیار یار افتد

یہاں بھی افتد صحیح و بامعنی ؎

نیم رقیب کہ رسوائیم خجل نہ کند — خوش است پیشم اگر یار پردہ دار افتد

یہاں بھی افتد بمعنے واقع شود ؎

ترا کہ شیوۂ دگرگوں کنی بزعم بتاں — خوش ست گرز جفا بر وفا قرار افتد

افتد یہاں بھی ٹھیک ہے بات اتنی ہی تھی کہ یوں کہدلا لفظ تھا کئی صاف ہے ؎

خط رخت بہ دل وادہ خط آزادی — خوشم کہ در شکن زلف تابدار افتد

وہ صورت اچھی نہ تھی یہ طرز خوب ہو گئی معنی کا عیار کامل ہو گیا ؎

چکید زخامہ جوہر سخن چنانکہ مگر — بزور موج در از بحر بر کنار افتد

دولت و اقبال روز افزوں روزی باد۔ از اسد اللہ نگاشتہ شنبہ نہم اپریل ۱۸۵۳ء

(بنام منشی جواہر سنگھ جوہر)

نمبر ۱۸

فرزند دلبند سعادت مند منشی ہیرا سنگھ کے حق میں میری دعائیں قبول ہوں اور ان کے جتنے مطالب و مآرب ہیں وہ عنایت الٰہی سے پورے ہوں بھائی لب ساحل کی سند پر یہ شعر ہے طالب آملی کا ہے

مدتے آں گدائے خونیں دل   بود بنشاندۂ لب ساحل

لب بام، لب فرش، لب گور، لب چاہ، لب دریا، لب ساحل۔ یعنی کنارہ کے ہے مستعمل اہل ایران۔ لب بام اس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائیے تو دھم سے انگنائی میں آ رہیے۔ پس لب دریا اسے سمجھیے جہاں سے قدم بڑھائیے تو پانی میں جا رہیے لب ساحل وہ ہوا جہاں سے آگے بڑھے تو دریا میں گرے۔ لب دریا سے پاؤں پانی پر رکھا جاتا ہے جیسا نہانے کے واسطے اور لب ساحل سے دریا میں کودتے ہیں جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں لب بام سے تیراک کودتے ہیں اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے وہاں کرارے کے کنارے پر سے کودتے ہیں۔

کرارا ساحل اور کرارے کا کنارہ لب ساحل ہو صاحب کہ لب ساحل کو صحیح نہیں جانتے کیا وہ طالب آملی کو بھی نہیں مانیں گے اور اس لفظ پر اعتراض کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں نے سوائے گلستان بوستان کے کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی۔ اگر مدت تک قدما کی تصنیفات نظر میں رکھیں گے تو یقین ہے کہ دیکھ لیں گے۔ نجات کا طالب غالب

(بنام منشی ہیرا سنگھ)

نمبر ۲

آیئے جناب میر مہدی صاحب دہلوی بہت دنوں میں آئے کہاں تھے بالمے

آپکا مزاج خوش ہے میر سرفراز حسین صاحب اچھی طرح ہیں میرن صاحب خوش ہیں ۔

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے ۔۔۔ یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

پہلے یہ سمجھو کہ قسم کیا چیز ہے قد اس کا کتنا لنبا ہے ہاتھ پاؤں کیسے ہیں رنگ کیسا ہے جب یہ نہ بتا سکو گے تو جانو گے کہ قسم جسم و جسمانیات میں سے نہیں ایک اعتبار محض ہے وجود اس کا صرف تعقل میں ہے سیمرغ کا سا اس کا وجود ہے یعنے کہنے کو ہے دیکھنے کو نہیں۔ پس شاعر کہتا ہے کہ جب ہم آپ اپنی قسم ہو گئے تو گویا اس صورت میں ہمارا ہونا ہمارے نہ ہونے کی دلیل ہے ۔

میخواہم از خدا و نمی خواہم از خدا ۔۔۔ دیدن حبیب را و ندیدن رقیب را

لف و نشر مرتب ہے "میخواہم از خدا، دیدن حبیب را" "نمی خواہم از خدا دیدن رقیب را" خوار و زار و خستہ و سوگوار معنی تو اس میں موجود ہیں مگر بول چال ٹکسال سے باہر ہے ایک جملہ کا جملہ مقدر چھوڑ دیا ہے۔ اور پھر اس بھونڈی طرح سے کہ جس کو المعنی فی بطن الشاعر کہتے ہیں۔ یہ شعر اساتذہ مسلم الثبوت میں سے کسی کا نہیں ہے کوئی صاحب ہوں گے کہ انھوں نے لوگوں کے حیران کرنے کے واسطے یہ شعر کہدیا اور کسی استاد کا نام لے دیا کہ یہ ان کا ہے۔

تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں کہ جس پر حکم کیا جائے جو جس کے کان کو لگے جس کو جس کا دل قبول کرے اس طرح کہے۔ رتھ میرے نزدیک مذکر ہے یعنی رتھ آیا لیکن جمع میں کیا کروں گا ناچار مؤنث بولنا پڑے گا یعنے رتھیں آئیں خبر

مونث ہے یہ اتفاق۔ مگر "کاغذ اخبار" اس کا خود سمجھ لو کہ تمھارا دل کیا قبول کرتا ہے میں تو مذکر کہوں گا یعنی اخبار آیا "پیر" ہوئی یا ہوا یہ منطق عوام کا ہے ہمیں اس سے کچھ کام نہیں ہم کہیں گے کہ دوشنبہ ہوا پیر کا دن ہوا نری پیر ہوئی یا پیر ہوا ہم کیوں بولیں گے بلبل میرے نزدیک مؤنث ہے جمع اس کی بلبلیں۔ طوطی بولتا ہے۔ بلبل بولتی ہے بھائی اس امر میں مفتی و مجتہد بن نہیں سکتا اپنا عندیہ لکھتا ہوں جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے

نجات کا طالب غالب سہ شنبہ

۸ دسمبر ۱۸۶۲ء

(بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۳۵

بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں۔ قاطع برہان کے مسودے سب میں نے پھاڑ ڈالے اس واسطے کہ ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئی وہ تحریر بالکل مغشوش ہو گئی ہاں اس کی نقلیں صاف کہ جن میں کسی طرح کی غلطی نہیں، نواب صاحب نے کرلی ہیں ایک میرے واسطے ایک ضیاء الدین خاں کے واسطے میری ملک کی جو کتاب ہے اس کی جلد بندھ جائے تو بطریق مستعار بھیج دوں گا تم اس کی نقل لے کر میری کتاب مجھ کو پھیر دینا۔ اور یہ امر بعد محرم واقع ہو گا۔ مگر یہ یاد رہے کہ جو صاحب اس کو دیکھیں گے وہ ہرگز نہ سمجھیں گے صرف برہان قاطع کے نام پہ جان دیں گے کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں گی وہ اس کو مانے گا پہلے تو عالم ہو دوسرے فن لغت کو جانتا ہو۔ تیسرے فارسی کا علم خوب ہو اور اس زبان سے اس کو لگاؤ ہو اساتذۂ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف ہو ہٹ دھرم نہ ہو پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو۔ معوج الذہن اور اکتی فہم نہ ہو نہ یہ

پانچ باتیں کسی میں جمع ہوں گی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دیگا۔

فہمایش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جما اور لالہ گنپتی داس ولد لالہ بھیرون ناتھ کا گھڑا ہوا ہے میری زبان سے تم نے کبھی سنا ہے؟ اب تفصیل سنو امر کے صیغہ کے آگے شین آتا ہے تو وہ امر معنی مصدری دیتا ہے اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ سوختن مصدر۔ سوزد مضارع، سوز امر، سوزش حاصل مصدر اسی طرح ہیں۔ خواہش کاہش۔ گزارش، گذارش، آرائش، پیرائش، فہمائش فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہے۔ مصدر جعلی ہے فہم لفظ عربی الاصل ہے طلب لفظ عربی الاصل ہے ان کو موافق قاعدہ تفریس فہمیدن اور طلبیدن کر لیا ہے اور اس قاعدے میں یہ کلیہ ہے کہ لغت اصل عربی آخر کو امر بن جاتا ہے۔ فہم یعنی بفہم سمجھ۔ طلب یعنی بطلب مانگ۔ فہمد مضارع بنا۔ طلبد مضارع بنا۔ خیر یہ فرض کیجئے کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل مصدر کیوں نہ بنائیں سنو حاصل بالمصدر فہمش اور طلبش ہونا چاہیئے۔ فہم تھا صیغۂ امر فہمد سے نکلا تھا۔ الف اور یے کہاں سے آیا۔ فہمائی تو نہیں ہے۔ جو فہمائش درست ہو کہیں فرمائش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا وہ مصدر اصلی فارسی فرمودن ہے۔ فرماید مضارع۔ فرمائے امر حاصل مصدر فرمایش پہلے حکیم میر اشرف علی کو دعا اور بیٹا پیدا ہونے کی مبارکباد۔ میاں میں نے رات کو اپنے عالم سرخوشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ میر کاظم دین کے بارہ سو چھتر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ فہمائش ٹکسال سے باہر ہے۔ غالب

(بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۸۴

بندہ پرور آپ کے عنایت نامے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی ایک تو یہ کہ آپ نے مجھ کو یاد کیا دوسرے آپ کی طرز عبارت مجھ کو پسند آئی تیسرے یہ کہ آپ حضرات آزاد[۱] مغفور کی یادگار ہیں اور میں ان کے حسن کلام کا معتقد ہوں خواہش آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو جب مزاج میں آئے آپ نظم و نثر بھیج دیں میں دیکھ کر بھیج دیا کروں گا اور آرائش گفتار یعنی حک و اصلاح میں دریغ نہ ہوگی۔

بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں باسٹھ برس کی عمر ہوئی پچاس برس اس شیوہ کی ورزش میں گذرے اب جسم و جان میں تاب و تواں نہیں۔

نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف اردو سو اس میں عبارت آرائی متروک جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے پاؤں رکاب میں ہے اور ہاتھ باگ پر کیا لکھوں اور کیا کروں یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں ؎

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ — مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور کی فیض رسانی اور قدردانی کو کیا روئیں اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں تباہی ریاست اودھ نے باآنکہ بیگانہ محض ہوں مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخن ناانصاف ہوں گے وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہونگے اللہ ہی اللہ ہے

۱؎ یعنی میر غلام علی آزاد بلگرامی

کل آپ کا خط آیا آج میں نے جواب لکھا تا کہ انتظار جواب میں آپ کو ملال نہ ہو
والسلام مع الاکرام از اسد اللہ نگاشتہ بست و سوم
فروری ۱۸۵۸ء (بنام قدر بلگرامی)

نمبر [illegible]

حضرت میں نے چاہا حکم بجا لاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں مگر کیا کروں
آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے اگر قبل آپ خود نظر ثانی میں کوئی لفظ بدل دیتے ہیں
تو ہرگز جگہ نہ پائیں جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے آبین السطور زیادہ چھوڑتے
ہیں جب اس عبارت کو اور کاغذ پہ نقل کروں تب حک و اصلاح کا [illegible]
میرا کام اصلاح عبارت ہے نہ کتابت "زردشت آتشکدہ" لو زردشت
کو آتشکدہ سے وہ نسبت نہیں جو ساقی کو میخانہ سے ہے۔ زردشت
بہ اعتقاد مجوس پیغمبر تھا۔ آتشکدہ کے پجاری کو موبد اور ہیربد کہتے ہیں۔ آب [illegible]
اشتیاق آب حرام شراب کو محل مناسب پہ کہیں ورنہ بادہ و رحیق [illegible]
کی طرح اسم نہیں۔ ناچار شراب شوق یا بادہ شوق لکھنا چاہیے تا اشتیاق [illegible]
شوق بہتر ہے۔

ہم دوسری جگہ علی التواتر زدہ بودم" یا زدہ بودم [illegible]
قبول کرتا ہے؟ من زدہ بودم یا بازدہ بودم؟ [illegible]
فارسی یعنی جیسے جام معلوم کاف تصغیر کا جامک چاہیے جا بک [illegible]
ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر بنا [illegible]
وحید کسی کے ہاں جام کو جامک نہیں لکھا۔ دوسری جگہ [illegible]

یادہ سہ قدح لکھو۔ پاچناری گلستان بر باغباں است و تیماری ابر قدر دانان؛ میں اس فقرے کو نہیں سمجھا یعنی بر باغباں کیا ہے تیماری کیا ہے۔ تیمار بمعنی بیمار داری و غمخواری ہے جب یہ لفظ خود افادۂ معنی مصدری کرتا ہے تو یائے مصدری کیسی؟

تیرہ شبے بالبسر آمد۔ تیرہ شبے بالبسر آمد خیر۔ تیرہ شبے بسر آمد یعنی چہ لیلائے دیدم کہ باہزار طرہ طرار۔ طرہ زلف کو کہتے ہیں وہ دو ہوتے ہیں نہ کہ ہزار و ہزار

جاگی مکرر دیکھا گیا۔ معلوم ہوا حضرت نے جو کہیں جاگی خوار دیکھا ہے تو اس کو جام خوار بمعنے شراب خوار سمجھا ہے یہ غلط ہے۔ جاگی خوار اس نوکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو۔ روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں۔

در توبہ باز است و باب رحمت فراز۔ معنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند ہے فراز اضداد میں سے نہیں[۱] ہے باز کھلا فراز بند قدر زعفران زار را ببوئے گل کرد۔ اس کا لطف کچھ میرے سمجھ میں نہیں آیا۔ قدر زعفران زار کیا اور پھر اس کو کس نے بوئے گل کر دیا۔

سرکرد۔ کدام زبان است عربی یا فارسی۔

حسب لیاقت خود کافی است خودم چہ محل وارد مگر ہماں شیوۂ قلیل بندہ مجبورم۔ ہماں سکۂ قلیل۔

صاحب من تحریر میں اساتذہ کی تحریر کا تتبع کرو نہ یہ کہ مغل کے لہجہ کا بھانڈوں کا کام ہے نہ دبیروں کا اور شاعروں کا۔

جناب فیروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض کیجئے گا اور یہ کہئے گا کہ بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا۔ ہر مہینہ میں آٹھ خط تک سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا

---

[۱] کتب لغات میں اس کتاب کو لغات اضداد سے لکھا ہے ۱۲

بھیجیے۔ یہ رہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے ہر روز صبح کر قلعہ جانا دوپہر کو آنا بعد کھانا کھانے کے حضرت کے مسودوں کو درست کرنا۔ احباب کے خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے۔ والسّلام

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۶

حضرت آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی تحریر کو درست نہ پڑھ سکوگے ناچار جداگانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔

رنگ بوزن ننگ ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے جب اس کو اردو میں منصرف یا بقول بعضے متصرف کریں گے تو لون کا تلفظ موہوم سا رہ جائیگا۔ رنگنا بوزن چند جانہ کہیں گے بلکہ وہ لہجہ وار ہے جیسا کہ اس مصرعہ میں ع
ہم نے کپڑے رنگے ہیں ننگرنی۔ یہ صحیح ہے اور فصیح ہے ۔ ہم نے رنگے ہیں کپڑے ننگرنی۔ یہ اعلان نون گنواری بولی اور غیر فصیح اور قبیح ہے۔

خرام کو کون مؤنث بولے گا مگر وہ کہ دعوے فصاحت سے ہاتھ دھولے گا رفتار مؤنث اور خرام مذکر ہے رفتار کی تانیث کو خرام کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے حرف مسروری جس کو ذو الجہتین[۱] بھی کہتے ہیں دھدّ سے زائے معجمہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولوی آل نبی سہارنپوری

---

[۱] دو حرفی یعنے دو طرح پڑھے جانے والے جیسے حرف "ب" کہ با اور بے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے حرف "ر" کہ را اور رے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

اور مولوی امام بخش دہلوی میں بات پر بڑا جھگڑا ہوا مولوی امام بخش با کو بے کہنا جائز نہیں رکھتے تھے آخر مولوی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اس کا جواز ثابت کردیا مگر صرف از روئے تلفظ اور اس کی اجازت کا کوئی قاعدہ خاص اس کے واسطے نہیں اردو میں طا کو طوے اور ظا کو ظوے کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں لسان عرب و عجم میں موجودہ سے تائے معجمہ تک اور اخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں اور تحتانی بھی۔ طا ظا کو طا ظا ہی کہیں گے نہ طوے ظوے نہ طے ظے علی ہذا القیاس حروف باقیہ۔ راقم اسد اللہ خاں۔

انوری ؎

بعہد جود تو دانم بہ یک شکم زاید — زغایت کرم اندر کلام تو لے نیست
زمانہ صوت سوال و صدائے آرے را — باعتقاد تو صد جیست لن مگر لے را

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸

سید صاحب۔ تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہونچا جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزردہ نہ ہونا اب غزلوں کو دیکھا کہیں حک و اصلاح کی حاجت نہ پائی مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزائے خطابی یہاں شامل اسم نہیں ہیں صرف اسم مبارک خطوط و عرائض پر لکھا جاتا ہے۔ رہا قصیدہ کا بھیجنا زائد محض اور بے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیف رہروی اٹھاتے اور یہاں آتے اور قصیدہ گزرانتے تو بطریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا یہ طرز کہ تم بھیجو اور میں گزرانوں اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں رکھتے یہ توسط میرے خلاف وضع ہے مجھ کو معاف رکھئے اور اب جو خط بھیجئے دلی کو بھیجئے گا کیں اس مہینہ میں ادھر

کو نہ جاوں گا۔ رویت ہلال ماہ صیام اغلب ہے کہ دلی ہی میں ہو والسلام مع الاکرام
غالب سہ شنبہ ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۶ء (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۴۴

میر صاحب۔ ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں بیدھی صف میں دسواں نمبر اور سات پارچہ اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد سے پنشن جاری ہو گئی۔ لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے جو لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے بموجب حکم کے مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت واگذاشت ہو گیا مگر دلّی میں دربار نہیں، انبالہ آؤ گے تو دربار میں نمبر اور خلعت معمولی پاؤ گے۔ میں نے خبر میں وجدان کا مزہ پایا[1] اور انبالے نہ گیا۔ رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہاں آئے دربار کیا میں دربار میں نہ گیا دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آ کر مجھ کو بلا لے گیا بہت عنایت فرمائی اپنی طرف سے خلعت عطا کیا۔

آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے[2] ہاں ردیف الف کی ہے یہ امر قابل پرسش کے نہیں بدیہی ہے۔ دیکھ لو اور سمجھ لو یہ جو دیوان مشہور ہیں حافظ و صائب و سلیم و کلیم ان کی آغاز کی غزل کے مطلعے دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو کبھی ایک صورت ایک ترکیب ایک زمین ایک بحر نہ پاؤ گے چہ جائے اتحاد حروف و الفاظ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(بنام قدر بلگرامی)

---

[1] یعنی گویا وہ خلعت مجھے مل گیا ۱۲

[2] یعنی یہ ضروری نہیں کہ مطلع سر دیوان الف یا کسی خاص حرف سے شروع ہو۔

نمبر ۸۹

سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہونچے
حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے کہیں اصلاح کی حاجت نہیں
مگر دوسری تاریخ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ
میں سے تکلف کے عدد نکال لینے چاہئیں یعنی پانسو تیس ع کلوخ انداز را پاداش سنگ
است اس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجایش کہاں کہ پانسو تیس نکل جائیں اور ۱۲۷۰ باقی رہیں۔
صاحب تم بہت دن سے بیکار رہو ایک جگہ ساعدت روزگار کی صورت ہے تم بے
تکلف میرا یہ رقعہ مہری لے کر لکھنؤ چلے جاؤ مطبع اودھ اخبار میں میرے شفیق دلی
یعنی منشی نولکشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ ان کو پڑھوا دو اپنی نظم و نثر ان کو دکھاؤ
اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کر دو اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھیں گے تو مطبع
کا کام تمہارے سپرد کر دیں گے۔ مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائے گا معزز و مکرم
رہو گے زندگی کا لطف اٹھاؤ گے لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ لکھنؤ تم سے
نزدیک ہے اتنی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں اگر نوکر نہ ہو جاؤ گے پھر چلے آنا
بخت آزمائی ہے۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۰

سید صاحب سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالب کی دعا
پہونچے آپ کا خط آیا اور میں نے اس کا جواب بھجوایا۔ اس رقعہ کی تحریر سے مراد
یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہیے اور یہ رقعہ ان کو پڑھا کر عرض
کیجیے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے ملتوی ہے تو

کب تک کھلے گا جاری ہے تو تصحیح کس کے طور پر ہے۔ قصیدہ اور تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں اگر وہ دونوں کاغذ گم ہوگئے ہوں تو مثنیٰ بھیج دوں۔

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے یا نہیں قاطع برہان کے اجزا کی جلدیں بندھ گئی ہیں یا نہیں اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہہ کر وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں ان میں سے ایک جلد لے کر جناب فیضمآب خداوند نعمت آیۃ رحمت قبلہ و کعبہ جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اس پایہ پر پہونچایا ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں یہ مجال کہاں کہ داد کا طلبگار ہوں صرف عرض قبول کا امیدوار ہوں مجھے سید صاحب منشی صاحب سے چاروں سوالوں کا جواب اور جو قبلہ و کعبہ فرمائیں اس تقریر میں تغیر بالمرادف بھی نہ ہو جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو ہو بہو لکھ بھیجو ہاں مولوی ہادی علی صاحب کا جو حال معلوم ہو وہ بھی ضرور لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا بھائی میں ازراہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر سے اس خط کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔ دوشنبہ پنجم ذی القعدہ وہی سال رستاخیز ۱۲۷۷ھ

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۱

سید صاحب آپ کا خط جس میں قبلہ و کعبہ کا مہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا پہونچا میں تم سے بہت راضی ہوا کہ تم نے تکلیف اٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی اب ایک تکلیف اور دیتا ہوں کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہہ کر انکے حکم سے

ایک نسخہ قاطع برہان کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم کر کے جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خون جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے یقین ہے کہ اس کی داد تمہارے سوا اور سے نہ پاؤں گا۔

ہاں صاحب جناب منشی صاحب سے یہ کہہ دینا کہ پچاس میں سے تین جلدیں میں نے پائیں اب قیمت کا روپیہ بھیجکر ۴۷ اور منگائے لیتا ہوں کلیات کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں۔ اہل مطبع کو خدا منشی صاحب کے سایۂ عطوفت میں سلامت رکھے کہہ لیں گے۔ چھاپہ ۷۸ میں شروع ہوا ۷۹ میں تمام ہوگا مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھو اور کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو۔ جواب کا طالب غالب ۲۴ مئی سنہ ۱۸۶۲ء

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۲

حضرت کیا فرماتے ہو اہو ابھی ہو قصا بھی ہو اس ردیف کے ساتھ قافیہ معمولہ آ نہیں سکتا۔ بیتابی ہو مہتابی ہو کیونکر درست ہوگا وہاں موحدہ کے بعد ہائے ہوز ہے یہاں موحدہ کے آگے ے۔ چابی کے بائے فارسی اور ہائے حطی ہے اور کابی اور رابی اور رابی یہ قافیہ ہمدگر ہو سکتے ہیں چابی لغت انگریزی ہے اس زمانے میں اس اسم کا شعر میں لانا جائز ہے بلکہ مزا دیتا ہے تار بجلی اور دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیئے ہیں اوروں نے بھی باندھے ہیں۔ روبکاری اور طلبی اور فوجداری اور سررشتہ داری خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں۔ چابی بمعنی کلید شوق سے لکھو نہ چابھی ناسخ لکھتا ہے میم صاحب کے آگے کے الفاظ بھول گیا ہوں آخر

[illegible]

لکھتے ہیں ع

نگینِ دل سوا کھوٹے تو گھر نیلام ہو جائے

صاحب تم نے مثنوی خوب لکھی ہے کہیں املا میں کہیں انشا میں جو اغلاط تھے دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھدی فکر تاریخ مثنوی سے مدۃ العمر معاف رہوں ۱۲ غالب (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۳

صاحب واللہ سوائے اس خط کے تمھارا کوئی خط نہیں آیا کیسے چار خط تم نے بھیجے کیوں باتیں بناتے ہو یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے۔

مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے میر جی اور میر صاحب کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور کو اس بدعت کا تتبع نہ چاہیئے

کاٹ کر غیروں کے سر لائے جو میری نذر کو

ڈال دوں سونے کا آنڈو پاؤں میں جلاد کے

آنڈو بدال ہندی یا بدال عربی بھائی واللہ یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا میں اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سنا ہے فلانا سردار ایسا بہادر ثابت قدم تھا کہ معرکہ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں آنڈو ڈلوا دیئے۔ ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کی مانع رفتار ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بند خاص ہے استعمال اس لفظ کا محال العام میں نہ چاہیئے۔

آبستن و آبست کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے آبست کو بجائے آبستن

سمجھا ہے آبست کوئی لفظ نہیں ہے آبستن اصل لفظ اور آبستنی مزید علیہ یہ دونوں صحیح بلکہ آبستنی زیادہ فصیح اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں فیضی کی سند مقبول اور مسموع۔ ارمغان وارمغانی آبستن و آبستنی اے یہ تو فارسی لغت ہیں فارسی گویوں نے حضور کو حضوری اور فضول کو فضولی اور نقصان کو نقصانی لکھا ہے۔

آج تک سنا نہیں کہ رب کبریا کسی نے لکھا ہو۔ ہاں کبریائے الٰہی یعنی خدا کی بزرگی اس نظر پر رب کبیر لکھیں گے نہ رب کبریا۔ کبریا صفت ذاتی ہے لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے جیسا زید عدل بجائے زید عادل، جناب کبریا بجائے جناب الٰہی جائز ایک نکتۂ دقیق ہے یعنی مذہب حقہ امامیہ میں مجموع صفات عین ذات ہیں لیکن اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبی اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہو

حال کی جگہ حالات یا احوال لکھنا قبیح نہیں ہے خصوصاً احوال کہ یہ بمعنی واحد مستعمل ہے اور استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ احوال بمعنے جمع مستعمل نہیں ہوتا جیسے حور کہ بمعنے حورا کے اہل فارس اس کو صیغۂ واحد قرار دے کر الف نون کے ساتھ اسکی جمع لاتے ہیں سعدی کہتا ہے ؎

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ حور کو حوری کہہ کر اس کی جمع حوریاں لاتے ہیں حافظ لکھتا ہے ؎

حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

میں نے ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے ؎

جان غالب تاب گفتار سے گماں داری ہنوز سخت بیدردی کہ می پرسی زبان احوال ما[1]

---

[1] نیز اردو میں بھی احوال بمعنے مفرد لکھا ہے اور وہاں بہت صاف ہے ؎

غالب ترا احوال سنا دیں گے ہم ان کو وہ سن کے بلالیں یہ اجارہ نہیں کرتے

آخر مجھ کو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے وہ آبستنی کیوں لکھتا اور میں احوال کیوں لکھتا صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

ہر لحظہ وارم بیضتے چوں قرعۂ رمالہا

اس غزل میں اسی نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے۔ داد کا طالب غالب

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۴

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ　　گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

رہن رکھوا کر ترا عمامہ و دلوا دوں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہونِ احسان تو سہی　　ناسخ

اس سہی اور تو سہی کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے ۱۲　　قدر

جواب۔ اسما کے یا لغات کے واسطے یہ بات ہو کہ عربی میں یہ کہتے ہیں اور فارسی یہ اور ہندی میں یہ طرز گفتار۔ محاورات ہندی کی فارسی یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں ہو سکتی مثلاً چوری کا گڑ میٹھا اس کی فارسی نہ پوچھے گا مگر نادان۔ سہی اور تو سہی کی فارسی کیونکر بنے یہ روزمرہ اردو ہے ع گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی ۔ اسی مطالب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہو سکتی ہے۔ وصل اگر نیست حسرت نیز عالمے دارد ع زاہدا تجھ کو کروں مرہون احساں تو سہی ایک نوع کی تنبیہ ایک قسم کا دعوے ہے نامرد باشم اگر فلاں کار نہ کنم بیا سایم۔ اہل ہند کی فارسی اسی طرح خام اور ناتمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اردو کے خاص روزمروں کی فارسی بنایا کیے ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں فارسی میں

بیچ نیست کی جگہ خاک نیست کبھی کوئی نہ لکھے گا۔ قتیل چاروں شانے چت گرا ہے ہیچ گشتہ برگشتہ پتاں بود گر خاک نہ بود۔ یعنی ہیچ نہ بود لاحول ولا قوۃ۔ ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا چونکہ میں بلی ماروں کے محلہ میں رہتا ہوں اس لئے پتا لکھا کہ در محلہ گربہ کشاں وادری فارسی ۱۲ غالب ؎

مردم از من داستاں رانند و از دوران چرخ
گشت صرف طعمۂ زاغ و زغن عنقائے من

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۵

سید صاحب تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خان[1] بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے تم کیونکر شکرگزار ہوتے ہو جو کچھ نیکی اور نکوئی اس اقبال نشان نے تمھارے ساتھ کی ہے وہ بعینہ میرے ساتھ کی ہے اس کا سپاس میرا ذکروں خدا کی قسم دل سے دعائیں دے رہا ہوں بھائی اس کا جوہر طبع از روئے فطرت شریف ہے پروردگار اس کو سلامت رکھے اور مدارج اعلیٰ کو پہونچا دے یہ اپنے خاندان کا فخر ہے اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے پس وہ فخر میری طرف سے بھی عائد ہوتا ہے وہ لپنے جی میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا ہے میں تو زر کو خاک و خاکستر کے

---

[1] لکھنؤ میں ڈپٹی عباس بیگ کے نام سے مشہور تھے ان کی کوٹھی روشن الدولہ کی کوٹھی کے سامنے واقع تھی۔ جو ابھی حال میں کھدی ہے ان کے بھیجے مرزا خداداد بیگ مرحوم راقم الحروف کے قریبی عزیز تھے ۱۲ -

برابر بھی نہیں سمجھتا مگر کیا کروں کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا کاش کہ جب ایسا ہوتا جیسا اب ہوں تو سب سے پہلے پہونچتا ہی اس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے دیکھوں اس کا دیکھنا کب میسر آتا ہے میں اب اچھا ہوں برس دن صاحب فراش رہا ہوں چھوٹے بڑے زخم بارہ اور پھر زخم خونچکاں ایک درجن پھاے لگ جاتے تھے جسم میں جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے وہ کھا کر جیتا ہوں کبھی کھاتا ہوں کبھی پیتا ہوں مرض کے آثار میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پاؤں کی دو انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں معہذا متورم ہیں جوتا نہیں پہنا جاتا ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا مگر ہاں یہ میرا شعر ہے

در کشاکش ضعفم نہ گسلد رواں از تن   اینکہ من نمی میرم ہم ز ناتوانی ہاست ۱؎

اب کے رجب یعنی ماہ آیندہ کی آٹھویں تاریخ سے ستر واں برس شروع ہوگا۔ ع چو ہفتاد آمد اعضا رفت از کار۔ اس لئے اب شکوہ ضعف نادانی ہے ایمان سلامت رہے۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء   (بنام قدر بلگرامی)

(۹۶)

قرۃ العین میر غلام حسنین سلمکم اللہ تعالی۔ تمھارا خط پہونچا دل خوش ہوا

۱؎ یعنی مرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ روح بدن سے مفارقت کرے جس کے لئے حرکت ضروری ہے اور حرکت قوت چاہتی ہے جو اب باقی نہیں رہی پس روح بھی بدن سے اب نہیں نکل سکتی اور میں اپنی ناطاقتی کی بدولت زندہ ہوں۔ اسی مضمون کو بلکہ اس سے لطیف تر طریقہ سے بیگی دختر امیر علی جلائر نے بھی کہا ہے ؎

جاں بلب از ضعف تو اندر رسید   مایہ زور ناتوانی زندہ ایم

تم میرے یار ہو اور میری خدمتگاری کے حقوق ہیں تم پر۔ مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف
کرو محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے مجھ سے منگوا لیں ہر موقع پر خطا اور زلت مولف
کا اشارہ کر دوں گا تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان
نظر میں تو لو۔ عامی نہیں ہو عالم ہو۔ آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے
لے امانت غیر محرق کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں تمہارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان
ایک سوالات عبدالکریم مع استفتاء و افتاء دستخطی علماء دہلی موجود ہیں اور اب اس کتاب کے
ساتھ میرے اشارات سودمند پہنچیں گے تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۔ مدعی کا کلام دراصل
لغو پھر تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود اور تین نسخے معقول اسپر مزید علیہ اس پر محرق اور صاحب
محرق کا خاکہ اڑ جائے گا میرے اس خط کے پہنچتے ہی جواب لکھیے اور اجازت بھیجیے کہ میں
نسخہ مطبوعہ نامطبوعہ محرق کیبل ڈاک بھیج دوں مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جائے
اسی دن سے آپ اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجیے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجیے پھر
میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔ غالب۔ اثنا عشری حیدری۔

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹

تئیں کا لفظ متروک و مردود و قبیح غیر فصیح۔ یہ پنجاب کی بولی ہے مجھے یاد ہے
کہ میرے لڑکپن میں ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر رہی تھی وہ تئیں بولتی تھی تو بیبیاں
اور لونڈیاں سب اس پر ہنستی تھیں ۔

خروش رعد غرّاں میشود پا در رکاب از بیم
عناں بر سینہ چوں پیچد کمیت برق جولانش

یہ شعر ناطق کا ہے اور ناطق قوم کا بلوچ سندھ کا رہنے والا اس کا منطق کیا اور اس کی زبان کیا۔ پا در رکاب ہونا عبارت ہے سیر و سفر کے آمادہ و مستعد ہونے سے خواہی منشاء عزیمت خوف ہو خواہی کوئی اور سبب عناں بر سینہ پیچیدن مہمل محض مہمل نہ روزمرہ نہ محاورہ نہ اصطلاح نہ مفید معنی و رنگ نہ مفید معنی شتاب۔

طیارہ صیغہ مبالغہ کا ہے لغت عربی۔ املا اس کی طائے حطی سے طیر ثلاثی مجرد طائر فاعل طیور جمع۔ بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا حقیقت بدل گئی طوئے تے بن گئی یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا۔ بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز فلاں شکرہ طیار شدہ است و صید میگیرد۔ بہرحال اب تائے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا اس لفظ کو مستحدث اور درا صل ردہ اور بہ تائے قرشت اور بمعنی آمادہ اشخاص و اشیا پر عام تصور کرنا چاہیئے اور عبارت فارسی میں اس کا استعمال کبھی جائز نہ ہوگا۔

فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور وہی ترجمہ حضرات یہ تینوں اسم مذکر ہیں منکر سے مجھے بحث نہیں مجیب کا میں احسان مند نہیں۔ لغت فارسی ہو اور روزمرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں منطق فارسی میں تانیث و تذکیر کہاں پس اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغہ متکلم مع الغیر ہے یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا و شعرائے دہلی و لکھنؤ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے زیادہ جھگڑا بے فائدہ ہے

بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالب نے تمام جوہر تیغ زباں ابھر آئے

غزل کی زے یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز ہے۔ قدم مفرد و قدموں جمع ہے۔

کھو رہا ہوں متعدی ہے پورپیئے اس کو لازمی جانتے ہیں لازمی کھو گیا ہوں یا ہم کہیں گے جا گئے ہیں۔ اہل یورپ کہیں گے جگتے ہیں۔ جان و دل، دل و جگر

یہ صحیح۔ بجان و جگر ٹکسال باہر

فریاد مؤنث ہے فریاد کرنی چاہیئے۔ فریاد کرنا انگریزی بولی ہے فکر مؤنث ہے
معشوق کہ بہزاد بنا ناظر فا کو اپنے اوپر ہنسانا ہے۔ لراقمہ ؎

اندیشۂ بلند رو لامکاں نورد	چوں خواست بام جاہ ترا نردباں نہاد
دیدش ہماں بجا چو سپہر از فراز کوہ	بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقداں نہاد [1]

پہلے مصرع میں اندیشہ فاعل ہے خواست کا جو مصرع ثانی میں نہاد بمعنے مصدری ہے دوسرے شعر میں دید کا اور نہاد کا فاعل وہی اندیشہ ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو چھو لیں مگر جب چوٹی پر پہونچو گے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا ہے۔ فرقدان ایک صورت یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقدان پر سے بام جاہ ممدوح نظر آویگا بہت قریب۔ ہم فرقدان پر گئے وہاں بھی قریب نہ پایا۔ فرقدان پر ہزار پایہ رکھے اس پر چڑھ کے دیکھا تو بام ممدوح میں اور اس مقام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں یہ مبالغہ حد تبلیغ و غلو سے گزر گیا۔

لگا دیتے ہو اور اٹھا دیتے ہو خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے یعنی تم۔ معشوق مجازی کو تم اور تو دونوں طرح یاد کرتے ہیں۔ خدا کو یا تو کہتے ہیں۔ یا

---

[1] یہ اشعار ایک منقبت کے قصیدے کے ہیں جس کی تشبیب کے چند شعر یہ ہیں ؎

دوشش آمد بہ بوسہ لبم بر دہاں نہاد	راز دہان خویش بلب در میاں نہاد
وانگہ بجستجوی ریزش راز لب از زباں	مہرے ز بوسہ و گرم بر زباں نہاد
چوں لب ز بوسہ گنج گہر ہائے راز شد	بر گنج لب ز تیزی دنداں نشاں نہاد

صیغۂ جمع غائب یعنی صیغۂ جمع غائب کا نظر بہ قرینہ افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہو تمہاری غزل میں دو چار جگہ دیتے ہو اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا ع

لا کے دنیا میں ہمیں زہر فنا دیتے ہو　　ہائے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو سوائے قضا و قدر کوئی رنڈی کوئی لونڈا اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذا القیاس دو ایک شعر اور بھی ناچار صیغۂ جمع رکھ دیا تاکہ خوباں و بتاں کی طرف ضمیر راجع ہو یا شخص واحد کی طرف اب[1] کے لفظ کے ساتھ یا قضا و قدر کی طرف اب خطاب معشوقان مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا۔

س۔ بود اور باشد کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں بہ معنی ہست آتے ہیں یا نہیں

ج۔ البتہ آتے ہیں۔

س۔ نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے؟

ج۔ بیجا ہے جب تک علامت استمرار نہ ہو معنے استمراری کیونکر لئے جائیں۔

س۔ فارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے؟

ج۔ خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آتی فارسی میں کہاں سے ہو گی۔ مقتضب صفت بحر کی ہے نہ صفت مصدر کی۔

س۔ کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے؟

ج۔ جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اس میں

---

[1] افسوس کہ مرزا نے اسی کا لفظ کھپا کر جس طرح شعر کو درست کیا ہوگا وہ شعر نہیں لکھا ۱۲

فقط الف نون یا الف نون اور یائے تحتانی بڑھائیں۔
مثلاً گشتن کو گشتاندن نہ لکھیں گے گرد سے مصدر بنائیں گے گردیدن اور اسکو
گرداندن اور گردانیدن کہیں گے جس مصدر کے ساتھ مضارع نہ ہوگا وہ متعدی نہ
بنے گا جیسے برشتن اور رستن۔

س۔ پناہ کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آتا ہے۔

ج۔ اردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنی پناہ کا لفظ مشترک ہے اردو میں اور
فارسی میں پناہ کا ترجمہ اردو میں پوچھنا نادانی ہے۔ ہاں پناہ کی ہندی آسرا ہے
برنہ آنا فصیح، نہ برآنا ٹکسال باہر۔ قافیہ ہائے اصلی الفیہ سیکڑوں ہیں ان کو
چھوڑ کر نسخہ اور نامہ اور افسانہ ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک نامناسب
نہیں ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو ۱۲ غالب (بنام قدر بلگرامی)

(۹۸)

حضرت فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے اصلاح دینے سے توبہ کی ہے شعر
سننا تو ممکن ہی نہیں بہرا ہوں شعر دیکھنے سے نفرت ہے پچھتر برس کی عمر پندرہ برس
کی عمر سے شعر کہتا ہوں ساٹھ برس بکا نہ مدح کا صلہ ملا نہ غزل کی داد بقول انوری ے

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح
وے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

سب شعرا سے اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرۂ شعرا میں شمار نہ کریں اور
اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہو۔ اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب و المخاطب بہ
نجم الدولہ خدایش بیامرزاد۔ (بنام قدر بلگرامی)

ضمیمہ

مرزا غالب کے بعض مکتوب الیہم کے حالات جن کے
نام خطوط عود ہندی اور اردوئے معلّیٰ میں ہیں

ترتیب اسماء میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا گیا ہے

فہرست اسمائے مکتوب الیہم

آرام منشی شیونرائن

رائے بہادر منشی شیو نرائن آرام تخلص کرتے تھے اور دارالسلطنت اکبرآباد کے قدیم باشندے تھے اور اسی شہر میں میونسپل کمیٹی کے سکریٹری تھے ضرورت اور رسم زمانہ کے موافق فارسی اردو سے باخبر تھے اور انگریزی میں بھی کافی استعداد رکھتے تھے۔ ڈاکٹر فیلن صاحب کے شاگرد تھے۔ تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر مہتاز رہے اور نہایت عزت و وقار سے زندگی بسر کرکے چونسٹھ برس کی عمر پاکر ۱۸۹۶ء میں راہی عدم ہوئے۔

مرزا غالب کے خاندان اور منشی صاحب موصوف کے بزرگوں سے قدیمی اتحاد و مراسم تھے چنانچہ مرزا صاحب خود ایک جگہ لکھتے ہیں "میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزند دلبند ہو اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو گنہگار۔ تم کو اپنے اور ہمارے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے مجھ سے سنو! تمہارے دادا کے والد محمد نجف خاں ہمدانی میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر، خاں صاحب کے ساتھ ہیں اور انھوں نے جو کیٹم گاؤں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا ہے تو بنسی دھر اس امر کے منصرم ہیں اور

وکالت اور مختاری کرتے ہیں ہیں اور وہ ہم عمر تھے۔ شاید منشی بنسی دھر مجھ سے ایک یا دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ انیس بیس برس کی میری عمر اور ایسی ہی ان کی عمر باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت آدھی آدھی رات گذر جاتی تھی۔"

اول اول میں مرزا ان کو ہمیشہ ایک دوست سمجھتے رہے مگر جب سے کہ یہ حال معلوم ہوا ہمیشہ برخوردار اور نور چشم کہہ کر خطاب کرتے تھے اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ بزرگانہ مراسلت اور بے تکلفانہ فرمائشات کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور منشی صاحب بھی اس کو ایک سعادت عظمیٰ سمجھ کر احکام کی بجا آوری میں کبھی تساہل نہ کرتے تھے۔

مرزا صاحب ہی کی توجہ دلانے سے منشی صاحب نے شعر و شاعری کی طرف توجہ کی اور آرام تخلص اختیار کیا چونکہ طبیعت کا تصوف کے مضامین کی طرف میلان زیادہ تھا اس لئے عشقیہ مضامین کم کہتے تھے اور کہتے تھے تو ان میں وہ شوخی اور چستی نہ ہوتی تھی جو ایسے اشعار میں ہوتی ہے البتہ وقار اور متانت کے لحاظ سے وہ اپنے معاصرین سے کم نہ تھے منشی صاحب بھی مرزا کو اپنا خیر خواہ بزرگ سمجھتے تھے اور برابر خوردانہ فرمائشات کا سلسلہ جاری رہتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ ۱۸۵۵ء میں ایلن برون صاحب کی مدح میں مرزا صاحب سے قصیدہ کی فرمائش کی اور مرزا صاحب نے ۲۱ شعر کا ایک قصیدہ کہہ کر بھیجا جس کے بعض اشعار یہ ہیں ؎

ملاذ کشور و لشکر پناہ شہر و سپاہ — جناب عالی ایلن برون والا جاہ
بلند رتبہ وہ حاکم وہ سرفراز امیر — کہ باج تاج سے لیتا ہے جس کا طرف کلاہ
وہ محض رحمت و رافت کہ بہر اہل جہاں — نیابت دم عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ
امیدوار عنایات شیو نارائن — کہ آپ کا ہے نمک خوار اور دولت خواہ
یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ — تمہیں اور اسکو سلامت رکھے اسد اللہ

ایک مرتبہ منشی صاحب نے مرزا صاحب سے خواہش کی کہ اردو کے رقعات جو اپنے دوستوں اور عزیزوں کے پاس بھیجے ہیں ان کو طبع کرو دیا جائے مگر مرزا صاحب نے اس کو پسند نہ کیا اور اس وقت اجازت نہ دی جواباً لکھ بھیجا کہ "اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زائد بات ہے کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریر سرسری ہے اسکی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں، خلاصہ یہ کہ رقعات کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے۔

غرضکہ منشی صاحب موصوف مرزا غالب کے ہم وطن اور محبوب ترین دوست اور عزیز شاگرد تھے اور ہمیشہ مرزا صاحب کی اطاعت اور انقیاد کو اپنا فخر سمجھتے تھے ایک کتاب موسوم بہ "قاصدان شاہی" انھوں نے لکھی تھی اور اس کو اصلاح کیلئے مرزا کی نظر سے گذرانا تھا جس میں مرزا نے الفاظ متروک کو بدل دیا تھا اور صحت وغیرہ بھی کی تھی نمونہ کلام ہے

غضب ہے مدعی جو ہو وہی پھر مدعا ٹھہرے — جو اپنا دشمن دل ہو وہی دل کی دوا ٹھہرے
نہ ٹھہرے ناامیدی اسکے دل میں اور کیا ٹھہرے — کہ جسکا بعد مرنے کے حصول مدعا ٹھہرے
وہ چاہیں جس قدر جور و جفا ہم پر کریں لیکن — ہمیں تسلیم لازم ہے کہ پابند رضا ٹھہرے
یہ دنیا اک سرا ہے اس کو آخر چھوڑ جانا ہے — اگر دو چار دن آکر یہاں ٹھہرے تو کیا ٹھہرے
کئے ہیں سر بہت تیغ جفا سے بیگناہوں کے — عجب کیا ہے اگر قاتل کا کوچہ کربلا ٹھہرے
ادھر آنے کو وہ ہیں اور ادھر وقت سفر آیا — عجب مشکل ہے نہ وہ آئیں نہ دم بھر کو قضا ٹھہرے
اسی کو زندگی کا لطف ہے اس دہر فانی میں — کہ جو نزدیک اچھوں کے بھلا اور باخدا ٹھہرے

قیام اپنا ہو اس محنت سرائے دہر میں کیونکر
جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھہرے

آشوب رائے بہادر منشی پیارے لال

منشی پیارے لال آشوب کا وطن قدیم دہلی تھا۔ آپکے خاندان کا سلسلہ شہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈرمل سے ملتا ہے آپ کے جدامجد رائے بالمکند اور رائے سیتارام مغلوں کے عہد میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز تھے۔ آپ لالہ سری رام دہلوی مصنف خمخانہ جاوید کے عم نامدار تھے ۱۸۳۶ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے پرانے دہلی کالج میں تعلیم پائی انگریزی فارسی اردو میں نہایت اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ دلی کے مشہور و معروف استاد مولانا صہبائی آپکو بہت عزیز رکھتے تھے۔

ضروری تعلیم سے فراغت کرنے کے بعد آپ گوڑگانوہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور یہیں مرزا غالب مرحوم کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا۔ یہ اتفاقیہ ملاقات اس وجہ سے ہوئی کہ گوڑگانوے کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کوان صاحب بہادر اس ضلع سے تبدیل ہو کر کسی دوسری جگہ تشریف لے جارہے تھے چونکہ وہ آشوب پر نہایت مہربان تھے اس واسطے یہ بھی اس وداعی جلسہ میں شریک تھے جو صاحب موصوف کی رخصت کیلئے کیا گیا تھا۔ اہل جلسہ میں یہ طے ہوا کہ چلتے وقت صاحب موصوف کو کوئی چیز بطور یادگار نذر کرنی چاہیئے چنانچہ بہ اتفاق آرا یہ طے ہوا کہ ایک چاندی کا قلمدان نذر کیا جائے اور اس قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرایا جائے اسی ضرورت کیلئے مرزا صاحب کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا مرزا صاحب نے فی البدیہہ یہ قطعہ موزوں کر دیا ؎

گوڑگانوے کی ہے جتنی رعیت وہ یکقلم عاشق ہے اپنے حاکم عادل کے نام کی
سو یہ نظر فروز قلمدان نذر ہے مسٹر کوان صاحب عالی مقام کی

یہیں سے خلوص و محبت کی بنا پڑی۔ اور رائے صاحب نے بھی مرزا کے

زمانۂ حیات تک نہایت سعادت مندی اور عقیدت کے ساتھ اس خلوص کی قدر کی۔

جب ۱۸۶۶ء میں میکلاوڈ صاحب لفٹیننٹ گورنر پنجاب نے دہلی میں دربار کیا اور حسب معمول مرزا صاحب بھی اس دربار میں شریک ہوئے تو بوجہ ضعف و پیری آپ بغیر کسی معین و مددگار کے چل نہ سکتے تھے رائے صاحب بھی اس دربار میں شریک تھے اٹھے اور مرزا صاحب کو سہارا دیتے ہوئے مقام نشست تک لے گئے میکلاوڈ صاحب نے یہ خلوص دیکھ کر مرزا صاحب سے سوال کیا کہ کیا یہ تمہارا لڑکا ہے مرزا صاحب نے کہا کہ لڑکا تو نہیں ہے مگر لڑکے سے زیادہ پیارا ہے۔

آشوب مرزا صاحب سے اس قدر محبت اور عقیدت رکھتے تھے کہ دلی میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ ملاقات سے خالی نہ جاتا تھا اور اگر کبھی اتفاقیہ جانے میں دیر ہوتی تو مرزا صاحب خود شفقت بزرگانہ فرماکر ان کو بلاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ یہ شعر لکھ کر بلایا تھا ؎

آج یکشنبہ کا دن ہے آؤگے یا فقط رستہ ہمیں دکھلاؤگے

اس کے علاوہ ان خطوط سے بھی مرزا صاحب کے دلی اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے نام سے مجموعۂ رقعات میں موجود ہیں۔

آشوب نے تکمیل علم کے بعد ۱۸۵۵ء میں آگرہ کالج گئے اور اس کے بعد بریلی میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی مگر ایک سال بعد واپس آئے اور گوڑگانوے اور دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے دلّی سے تبدیلی کے وقت اہل شہر نے ایک سپاسنامہ آپکو پیش کیا جس سے انکی ہردلعزیزی کا اندازہ ہوتا ہے مرزا مرحوم نے بھی اس کاغذ پہ یہ فقرہ اپنے دستخط خاص سے لکھا تھا۔

بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج مجھے ہوا ہے وہ میرا ہی جی جانتا ہے۔

پس اب میں نے جانا کہ دہلی میں میرا کوئی نہ رہا"

اس کے بعد آشوب لاہور میں کیوریٹر کے عہدہ پر ۱۵-۲۰ برس تک فائز رہے بعدہٗ انسپکٹری مدارس کے اعلیٰ عہدہ پر کام کرتے رہے دہلی میں لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی میجر فلر صاحب جو عربی، فارسی، اُردو کے زبردست ماہر تھے کلکتہ یونیورسٹی کے سررشتۂ تعلیم سے متعلق سالانہ سوالات جو آتے تھے اسکا جواب خود لکھتے تھے ایکمرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے سوال آیا کہ مسجع اور مقفےٰ عبارت میں کیا فرق ہو مع مثال بیان کرو میجر صاحب نے حسب معمول یہ سوال بھی رائے صاحب کے پاس بھیجا۔ رائے صاحب نے یہ سوال بجنبہٖ مرزا صاحب کے پاس بھیجدیا۔ اور انھوں نے اس کا جواب مع امثال نظم میں لکھ کر دیا جس کا اخیر شعر یہ تھا۔

تحریر ہے یہ غالب یزداں پرست کی تاریخ اس کی آج نویں ہے اگست کی

مولانا آزاد اور مولانا حالی کو بھی آشوب کی وجہ سے لاہور میں اپنے رنگ شاعری میں بڑی مدد ملی اور نیچرل شاعری کے شوق کی بنیاد یہیں سے پڑی۔

جنابِ آشوب نے مدتوں سرکاری ممتاز عہدوں پر کام کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں پنشن لی اور بعد ازاں اپنے وطن مالوف میں بفراغت زندگی بسر کی۔

شعر و شاعری کا شوق ابتدائے عمر ہی سے تھا ابتدا میں حضرت سوز تخلص مولانا صہبائی سے اصلاح لیتے تھے اس کے بعد مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا مگر کثرت کار سرکاری کی وجہ سے کبھی کلام کی ترتیب و تدوین کی نوبت نہیں آئی۔ دوران ملازمت میں چند کتابیں رسوم ہند کے پہلے تین باب قصص ہند حصہ اول و دوم۔ اردو کی تیسری کتاب ترجمہ تاریخ انگلستان کلاں اور متعدد مضامین لکھے اور بعض مضامین پر گورنمنٹ سے اعزازی تمغے اور انعام بھی حاصل کئے اسی شہرت اور نیکنامی کے صلہ میں

۱۸۹۳ء میں رائے بہادری کا خطاب پایا۔

نہایت خندہ پیشانی نیک دل خوش تقریر تھے۔ اور ہر شخص کی ہمدردی کو اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے نمونۂ کلام یہ ہے ؎

گر شیخ پاک دامن طالب نہ ہو ریا کا — رندوں کی محفلوں میں سکا اڑے نہ خا کا
مجنوں کو ہم نے اپنی مانند خاک دیکھا — گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکا
پتھر پہ شکل شیریں فرہاد نے بنائی — اور ہم نے اپنے دل پر کھینچا ہے تیرا خاکا
اپنا تو سر جھکے ہے دونوں طرف کا اکثر — تصویر میکدے میں اور ہے حرم کا خاکا
آشوب خستہ جاں کو پھر ہے ہوس وہیں کی — کل ہی تو اڑ چکا ہے اس کی گلی میں خاکا
زاہد چھوڑے جو دامن رندانِ بادہ کش — تو چاہیے کہ مے سے اپنے شست و شو کریں

نواب امین الدین احمد خاں بہادر

نواب امین الدین احمد خاں، فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں والی فیروزپور جھرکہ و لوہارو کے بڑے بیٹے تھے۔ اصل میں فیروزپور جھرکہ کے تعلقدار تھے اور پرگنہ لوہارو راجہ الور نے بطریق جاگیر مرحمت فرمایا تھا جو نسلاً بعد نسل آپ کے اخلاف کی ملکیت میں چلا آتا ہے مگر فیروزپور جھرکہ کا علاقہ ضبط ہو گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد ماجد نواب احمد بخش خاں مرحوم نے اپنے حین حیات میں اپنے بڑے صاحبزادے شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین و والی ریاست مقرر کیا تھا اور پرگنہ لوہارو اپنے چھوٹے صاحبزادوں نواب ضیاء الدین احمد خاں اور نواب امین الدین احمد خاں موصوف کے لئے بطور مدد معاش مقرر کیا تھا چنانچہ

نواب کی وفات کے بعد شمس الدین احمد خاں فیروز پور جھرکہ کے رئیس مقرر ہوئے۔ مگر چونکہ شمس الدین احمد خاں کے مزاج میں کچھ ایسی وارفتگی اور لاابالی پن تھا جس کی وجہ سے ان سے چند حرکات زبوں ظہور میں آگئیں اسی وجہ سے فیروز پور جھرکہ کی ریاست ضبط ہو گئی مگر ریاست لوہارو علی حالہ باقی رہی جو اب تک موجود ہے۔

مرزا صاحب کے تعلقات عرصہ سے اس خاندان سے وابستہ تھے یعنی نواب الٰہی بخش خاں معروف نواب احمد بخش کے حقیقی چھوٹے بھائی کی لڑکی سے تیرہ سال کی عمر میں مرزا کی شادی ہوئی۔ اور اسی وقت سے تعلقات عزیزانہ قائم ہوئے جیسا کہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"بھائی صاحب ساٹھ برس سے ہمارے تمہارے بزرگوں میں قرابتیں بہم پہونچیں۔ بیچ کا میرا تمہارا معاملہ یہ ہے کہ پچاس برس سے میں تم کو چاہتا ہوں، بے اس کے کہ چاہت تمہاری طرف سے بھی ہو۔ پچیس برس سے محبت کا ظہور طرفین سے ہوا۔ میں تمہیں چاہتا رہا تم مجھے چاہتے رہے وہ امر عام یہ امر خاص کیا مقتضی اس کا نہیں کہ مجھ میں تم میں حقیقی بھائیوں کا سا اخلاص پیدا ہو جائے وہ قرابت اور یہ مودت کیا پیوند خون سے کم ہے"

مرزا صاحب نے اسی طرح دوسرے خطوں میں محبت اور مودت کا اظہار کیا ہے ہمیشہ بھائی اور برادر کہہ کر خطاب کرتے تھے ادھر سے بھی دلداری اور دلدہی میں کوئی فرد گذاشت نہ ہوتی تھی اور باوجود امارت نواب صاحب موصوف ہمیشہ آداب خوردانہ کے ساتھ پیش آتے تھے اگرچہ ظاہراً کوئی تنخواہ وغیرہ مقرر نہ تھی مگر ہمیشہ نیازمندانہ اور مخلصانہ طریق پر مرزا صاحب کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔

نواب اگرچہ خود شاعر نہ تھے مگر شعر و شاعری کے دلدادہ تھے۔ جوہر قابل

اور ذی استعداد تھے ہمیشہ مرزا سے ان کا کلام منگاتے سنتے اور پہروں لطف اٹھاتے مرزا کی غزلیں ارباب نشاط کو یاد کرائی جاتیں اور محفل عیش و نشاط میں گائی جاتیں مرزا صاحب کے خلوص کا بھی یہ عالم تھا کہ باوجود پیرانہ سری اور مصائب کے ہمیشہ ان کی خاطر عزیز رکھتے اور برابر کلام بھیجتے رہتے تھے جا بجا خطوط میں اس مراسلت کلام کا ذکر موجود ہے ایک جگہ لکھتے ہیں :-

عطوفت نامہ کی رو سے دو غزلوں کی رسید معلوم ہوئی تیسری غزل گوہر نتواں گفت اختر نتواں گفت جو تمہارے حسب الطلب بھیجی گئی ہے کیا نہیں پہونچی بے شبہ پہونچی ہوگی تم بھول گئے ہوگے وکیل حاضر باش دربار اسد اللّٰہی یعنی علائی مولائی نے اپنے مؤکل کی خوشنودی کے واسطے فقیر کی گردن پہ سوار ہو کر ایک ردو کی غزل لکھوائی پسند آئے تو مطرب کو سکھائی جائے جھنجوٹی کے اونچے سروں میں راہ رکھوائی جائے اگر جیتا رہا تو جاڑوں میں آکر میں بھی سن لوں گا "

غرضکہ نواب موصوف کے زمانہ حیات تک یہی اتحاد و ارتباط دوستی و یگانگت کا برتاؤ رہا۔ اور یہی سلسلۂ مراسلت و مکاتبت جاری رہا اور ان کے بعد نواب علاؤالدین احمد خاں مسند نشین ہوئے ۔

بیخبر۔ خان بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث

غلام غوث نام تھا آخر عمر میں الہ آباد میں قیام اختیار کیا تھا اور وہاں کے معززین میں سے تھے ۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے میر منشی تھے کہتے ہیں کہ

ملہ ان کے حالات کے لئے دیکھو صفحہ ۲۶۰

ان کے مورث اعلیٰ سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ اور سلاطین مغلیہ کے عہد حکومت میں ان کے بزرگ عہدۂ قضا پہ کشمیر میں ممتاز رہے اور اکثر نازک اور اہم خدمات بھی ان کے خاندان کے اراکین کے سپرد رہیں۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ان کے والد بزرگوار خواجہ حضور اللہ مع اپنے خسر یعنی بیخبر کے نانا خواجہ فریدالدین کے وہاں کی سکونت ترک کر کے لاسہ تبت چلے گئے۔ اور وہاں بھی ان کی کافی عزت و وقعت کی گئی اور مسلمانوں کے مقامات ان کے سپرد ہوئے بعرصہ تک یہاں رہے مگر پھر آب و دانہ کی کشش سے انکے والد ماجد وارد نیپال ہوئے اور وہیں مقیم ہو گئے بیخبر نیپال ہی میں سنہ ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پانے لگے مگر سنہ ۱۲۴۴ھ میں پھر ان کے والد کو ترک وطن پہ مجبور ہونا پڑا۔ اور وہاں سے سیدھے بنارس آئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی خواجہ صاحب بھی ساتھ آئے اور یہیں پرورش پاتے رہے سنہ ۱۸۴۰ء میں سلسلہ ملازمت شروع ہوا اتفاق سے خواجہ صاحب کو یہیں سے ایک منصب جلیل پر کام کرنا پڑا یعنی اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں میر منشی نواب لفٹننٹ گورنر بہادر مغربی و شمالی کے نائب مقرر ہوئے اسی زمانہ میں گوالیار پر چڑھائی ہوئی اور لارڈ الن برا نے حملہ کیا تو گورنر جنرل کے منشی خانہ میں منسلک ہوئے اور شریک مہم رہے جس کے صلہ میں بعد اختتام مہم خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اور بعد چند روز کے اپنے خالو کی جگہ پہ میر منشی مقرر ہوئے اور حصول پنشن تک برابر اسی عہدہ پہ کام کرتے رہے۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں آپ نے نہایت وفاداری کے ساتھ انگریزوں کی خدمات کیں اور اس خیر خواہی کے صلہ میں خلعت ہفت پارچہ جس میں رقم جواہر بھی شامل تھی آپ کو مرحمت کیا گیا سنہ ۱۸۷۷ء میں ملکہ معظمہ کے خطاب شہنشاہی اختیار کرنے کے موقع پہ آپ کو تمغۂ قیصری ملا اور ۴۵ سال

ملازمت کرنے کے بعد ۱۸۸۵ء میں پنشن دی گئی اور ذوالقدر خان بہادر کا خطاب بھی عطا ہوا۔ اسی دوران میں نواب کلب علی خاں مرحوم والی رام پور نے آپ کو عہدۂ مدار المہامی کے لیے تجویز کیا تھا۔ مگر آپ کو منظور نہ ہوا اور اپنا وقت عبارت اور ریاضت اور دوسرے علمی اشغال میں صرف کرتے رہے۔

خواجہ صاحب مرحوم ایک نہایت ہی قابل اور ذی استعداد و ظریف بشاش بشاش آدمی تھے۔ انشا پردازی اور نثاری میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعر و شاعری سے بھی ازلی مناسبت اور قدرتی لگاؤ تھا۔ اور زبردست سخن فہم اور سخن سنج تھے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور فکر اس قدر صائب تھی کہ سننے والے آفریں اور مرحبا کہتے تھے اور بڑے بڑے نازک خیال کلام کو سنکر پھڑک جاتے تھے خونابہ جگر (رقعات نظم فارسی) فغان بیخبر (رقعات اردو) آپ کی تصنیف سے ہیں جو ۱۸۹۱ء میں چھپکر شائع ہو چکے ہیں،

مرزا غالب سے نہایت بے تکلفانہ مراسم تھے اور ہمیشہ سلسلہ رسل و رسائل جاری رہتا تھا اور بے تکلفی اس حد پر پہونچی ہوئی تھی کہ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ قبلہ کبھی آپکو یہ بھی خیال آتا ہے کہ ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے" ایک جگہ بے تکلفانہ لکھتے ہیں "جناب عالی آج دو شنبہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء کی ہے پہر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہے ترشح ہو رہا ہے ہوا سرد چل رہی ہے پینے کو کچھ میسر نہیں۔ ناچار روٹی کھائی ہے ؎

افق ہا پر از ابر بہمن مہی   سفالینہ جام من از مے تہی

خواجہ صاحب کی ایک غزل دیکھکر لکھتے ہیں کہ اودھ اخبار میں حضرت کی غزل نظر فروز ہوئی کیا کہنا ہے ابداع اسکو کہتے ہیں جدت طرز اس کا نام ہے جو ڈھنگ تازہ نوایان ایران کے خیال میں نہ گزرا تھا تم بروئے کار لائے۔ خدا تم کو سلامت

رکھے اور میر [illegible] کھنے مصنف برہان قاطع کے جھگڑے ہیں بخلاف فارسی دانوں کے توفیق انصاف عطا کرے۔

جس زمانہ میں مرزا صاحب کی قاطع برہان کی شہرت ہوئی اور اطراف وجوانب سے لوگوں نے اس کے جواب لکھے تو مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب بھی اسکا جواب لکھ رہے ہیں سخت رنج ہوا۔ اور ایک شکایتی خط لکھا ادھر خواجہ صاحب ایک صاف دل نیک مزاج آدمی تھے ان جھگڑوں سے ہمیشہ علیحدہ رہتے تھے ان کو یہ خط پڑھ کر بڑا رنج ہوا اور مرزا صاحب کو جواب میں اپنے دلی رنج کا حال لکھا مرزا صاحب نے یہ فقرہ پہلے لکھا تھا کہ "خارج سے یہ مسموع ہوا کہ میں نے جو اغلاط برہان قاطع کے نکال کر ایک نسخہ موسوم بہ قاطع برہان لکھا ہے اور ایک مجلد اس کا آپ کو بھی بھیجا ہے آپ اس کی تردید میں رسالہ لکھ رہے ہیں اگرچہ باور نہیں آیا مگر تعجب آیا جب اس خط کا جواب ملال آمیز موصول ہوا تو مرزا نے یہ خط لکھا ؎

میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں   یعنے سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا

پیر و مرشد خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں سنا مجھے باور نہ آیا یہاں تک تو میں مورد عتاب ہو نہیں سکتا جھگڑا استعجاب پر ہے محل استعجاب وہ ہے کہ آپکا دوست کہتا ہے کہ میر منشی نواب لفٹننٹ گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں اور وہ قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں اولیا کا یہ حال ہے وائے برحال ہم اشقیا کے یہ حکایت ہے شکایت نہیں دنیاداری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں لیکن فقیر آزاد ہوں نہ شیاد و قیاد ستر برس کی عمر ہے بے مبالغہ کہتا ہوں ستر ہزار آدمی نظر سے گزرے ہوں گے زمرہ خواص میں سے عوام کا شمار نہیں دو مخلص صادق الولا دیکھے ایک مولوی سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ دوسرا منشی غلام غوث بیخبر سلمہ اللہ تعالیٰ غرضکہ چند روز میں جانبین میں صفائی ہو گئی

اور پھر تا دم آخر وہی خلوص و اتحاد جاری رہا۔

خواجہ صاحب نے اور والد مرحوم سے بہت ارتباط و اتحاد تھا وہ جب الٰہ آباد جاتے تو خواجہ صاحب ہی کے دولت کدہ پر ٹھہرتے میں بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا سب سے پہلے ۱۸۸۶ء میں خود انہیں کے دولت خانہ پر خواجہ صاحب کی زیارت مجھ کو نصیب ہوئی اس زمانہ میں حضرت محلہ سبزی منڈی میں ایک وسیع مکان میں قیام فرماتے تھے باہر کے مکان میں بعض اعزا بطور دوام کے اقامت گزیں تھے۔ گرمی کا موسم تھا خواجہ صاحب سہ پہر کے وقت نماز عصر سے فراغت کرکے باہر تشریف لاتے تھے یہ رتے ایسی پابندی وقت اور پابندی وضع کسی دوسرے ہندوستانی شخص میں نہیں دیکھی صحن میں چھڑکاؤ ہو کر کرسیاں مونڈھے دورویہ بچھا دیئے جاتے تھے صدر میں ایک اونچی کرسی سامنے ایک چھوٹی سی میز جس پر خاصدان وغیرہ رکھا جاتا تھا ادھر ادھر دو بڑے اگالدان جناب مرحوم پابندی وقت کے ساتھ ساتھ میں تسبیح لئے محلسرا سے برآمد ہوتے اور اسی صدر کی کرسی پر متمکن ہو جاتے، دونوں طرف کرسیوں اور مونڈھوں پر لوگ اپنے اپنے مرتبہ اور نیز باعتبار اس درجہ ارتباط اور دوستی کے جو خواجہ صاحب کے ساتھ ان کو حاصل ہوتا اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی شخص جو ایک مرتبہ کرسی پر بیٹھا ہو وہ دوسرے دن مونڈھے پر بیٹھے یا برعکس اس کے مونڈھے پر بیٹھنے والا کبھی کرسی نشینی کی جرأت کرے۔ خواجہ صاحب بہت کثیر الاحباب اور خلیق اور ملنسار تھے لوگ دور دور تک سے اکا اور گاڑی پر سوار ہو کر روزانہ ملنے آتے اور اس کو اپنی وضعداری سمجھتے تھے کبھی بڑے بڑے معززا اور باثر حضرات جب الٰہ آباد میں وارد ہوتے تو خواجہ صاحب کی ملاقات اور زیارت کو اپنی سعادت سمجھ کر ان سے ملنے آتے۔ مگر دو باتوں پر میں نے غور کیا

ایک یہ کہ خلاف وقت وہ کبھی کسی سے نہ ملتے تھے اور دوسرے یہ کہ بروقت ملاقات وہ اپنی کرسی کسی بڑے سے بڑے آدمی کے واسطے بھی نہیں چھوڑتے تھے اور لوگ اس کا برا بھی نہیں مانتے تھے۔

ایک مرتبہ میرے سامنے نواب محسن الملک تشریف لائے اور باوجود بزرگی سن اور بزرگی مرتبہ کے خواجہ صاحب سے نہایت نورانہ طریق پر بہت جھک کر بغل گیر ہوئے اور پاس بیٹھ گئے۔

مولوی ذکاء اللہ خاں مرحوم سنا گیا ہے کہ اپنے قیام الہ آباد کے زمانہ میں روزانہ ملنے آتے تھے۔

خواجہ صاحب باوجود کبر سن کے توانا اور تندرست اور نہایت خوش خوراک خوش پوشاک اور خوش سلیقہ آدمی تھے میں اس زمانہ میں نو عمر تھا مگر خواجہ صاحب کے معاش اور معاد دونوں کی خوش انتظامی کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر دل میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ بڑھاپے میں میں بھی اسی طرح زندگی بسر کروں۔

خواجہ صاحب اس زمانہ میں خضاب کے بہت پابند تھے تیسرے دن وقت مقررہ پر خاص خط تراش حاضر ہوتا اور اصلاح و تخفیف کے نازک خدمات سے ایک عرصہ میں فارغ ہوتا میں نے اس زمانہ میں جناب موصوف کی داڑھی حدود مقررہ سے متجاوز کبھی نہیں دیکھی اور نہ کبھی ایک بال سفید دیکھا مگر بعد کو میرے خیال میں ۱۸۹۰ء کے بعد سے خضاب چھوڑ دیا اور داڑھی بھی بڑھا دی تھی۔

اتوار کے دن احباب کا مجمع آٹھ نو بجے سے ہوتا تھا اور اس دن سب لوگ خواجہ صاحب ہی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بعد فراغ طعام شعر و سخن کی محفل گرم ہوتی اور لطائف و ظرائف اور خوش گپیوں میں وقت صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ

بلبل کوچک ایک ایرانی رند سائل اسی اتوار کے جلسہ میں حضرت کے یہاں پہونچا اور لوگوں کو اپنے الحان و اشعار سے بہت محظوظ کیا خواجہ صاحب کے پاس بیدل کا دیوان نہایت عمدہ قلمی تھا شاید مرزا بیدل کی رنگین شبیہ بھی اس میں شامل تھی چونکہ خواجہ صاحب کو بیدل کا کلام پسند تھا اور اکثر اس کے اشعار خود پڑھتے یا سن کے لطف اٹھاتے تھے بلبل کوچک کو یہ معلوم تھا نہایت اصرار اور منت و سماجت سے دیوان مذکور اندر سے نکلوایا اور اس کے اشعار لتنے روز سے چیخ چیخ کر گانے لگا اور بعض اشعار پر از خود رفتہ ہو کر لوٹنے لگا کہ لوگ ہنسنے لگے ۔

خواجہ صاحب نہایت مہذب اور متین بزرگ تھے ۔ اور مایوس و مغرور ہرگز نہ تھے بعض لوگ جو ان کی اس خودداری اور سلف ریسپکٹ کو نہیں سمجھتے تھے وہ ان پر عجب و غرور کا الزام لگاتے تھے مگر حاشا کہ ایسا نہ تھا بلکہ وہ تو مجسم خلق و تواضع تھے اور پاس دوستی اور حفظ مراتب کو اعلیٰ درجہ کی وضعداری سمجھتے تھے ۔ خاکسار راقم پر شفقت بزرگانہ فرماتے اور عزیزانہ محبت سے پیش آتے تھے ۔

خواجہ صاحب مرحوم نے پیرانہ سالی میں زندہ دلی اور علمی اشتغال کو جاری رکھا اور اسی عالم میں سنہ ۱۹۰۸ء میں بمقام الہ آباد وفات پائی اگرچہ انھوں نے فارسی اور اردو میں بہت کچھ کہا مگر افسوس کہ نمونہ کلام کے لئے اس سے زیادہ شعر نہ مل سکے ۔

چشمم کہ باز شد ز خواب فتنہ از دیجار سو است — پردہ ز رخ کہ برکشاد مہر ز شرم زرد رو است
رخت خرد بہ آب رفت عارض شرمگیں کہ شست — غرقہ آب حیرت است آئینہ یا کہ روبروست
جامہ کہ کرد زیب تن صبح دریدہ پیرہن — بند قبا کہ بستہ است نکہت گل بہ بند او است

غازہ بہ رخ کہ برکشید رنگ برشتۂ گل شکست — ابروی کیست وسمہ تاب گردن خلق تیغ جاست

دست کہ در حنا گرفت لالہ تر بخوں نشست — چشم کہ مست سرمہ گشت ناطقہ ہرزہ رگلواست

جام صبوحی کہ زد شیشہ بسجدہ می رود — مے ز لب کہ کام یافت جوش نشاط در ہواست

چہرہ ز مے کہ برفروخت نشاء شوق شد بلند — زلف کہ بوئے پرفشاند موج نسیم مشکبواست

تیغ نگہ کہ آب داد گشتہ فگار سینہ ہا — نوک مژہ کہ تیز کرد دامن زخم بے رفواست

غنچہ زخندہ لب بلب رنگ تبسم کہ دید — در گہر آبرو شکاند لعل کہ گرم گفتگواست

طرف کلہ کہ برشکست شیشۂ دل شکستہ شد — قامت خود کہ راست کرد نخل مراد در نمواست

موئے کمر کہ تاب داد رشتۂ جاں زہم گسیخت — دامن ناز را کہ ہست خاک زمین پابرداست

بر سر زیں کہ بر نشست رفتہ ز کف عنان صبر — سوئے چمن کہ میرود باد صبا برفتہ در رواست

بخت کجاست تیز تا برکاب او دوم
برسر راہ نشستہ ام نیم نگاہم آرزو است

تفتہ منشی ہرگوپال

منشی ہرگوپال نام تھا تفتہ تخلص کرتے تھے اور بسبب اتحاد و موالست غالب مرحوم نے مرزا کا خطاب دیا تھا ۱۲۱۴ھ میں محلہ قانون گویان قصبہ سکندرآباد ضلع بلندشہر میں پیدا ہوئے اور زیادہ عرصہ عمر کا اسی مشہور و معروف قصبہ اور اسی محلہ میں گزارا۔ کچھ دن خود بھی عہدہ قانون گوئی کے فرائض انجام دیتے رہے مگر شعر و شاعری کا ذوق ایسا تھا کہ اس لئے کسی دوسری طرف توجہ نہ کرسکے اور آخر کار ہر کام سے

سبکدوش ہو گئے۔

مرزا غالب مرحوم سے انھیں اور غالب مرحوم کو ان سے دلی خلوص تھا مرزا ایک مرتبہ ۱۸۶۱ء میں بیمار ہوئے خط وکتابت کے ذریعہ سے تفتہ کو یہ حال معلوم ہوا۔ باوجود آشفتہ حالی فوراً سکندر آباد سے دلی گئے اور جب تک اپنی آنکھوں سے استاد کی حالت نہ دیکھ لی چین نہ آیا اسی طرح جب کوئی ضرورت یا کوئی خاص بات ہوتی بلا تامل سکندر آباد سے ریل میں سوار ہو کر دلی پہونچ جاتے اور ہفتوں رہتے اپنے مخدوم کی خدمت کرتے اور ادبی فیض اٹھاتے تھے یہی حال مرزا صاحب کا بھی تھا کہ سچے دل سے تفتہ پر مہربان اور ان کے قدر دان تھے کسی طرح انکے دل پر ملال و اندوہ کے روادار نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہیں کسی طرح تفتہ کو یہ معلوم ہوا کہ مرزا صاحب مجھ سے آزردہ ہیں۔ صاف دلی نے صاف گوئی پر مجبور کیا فوراً خط لکھا مرزا صاحب نے خط پڑھ کے جواب میں لکھا کہ "مرزا تفتہ جو کچھ تم نے لکھا یہ بیدردی اور بدگمانی ہے معاذ اللہ تم سے اور آزردگی مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں جسکا ہرگوپال نام تفتہ تخلص ہے" اسی طرح دوسرے خطوط میں بھی محبت اور خلوص ہے کہ ٹپکا پڑتا ہے۔ انس و موافقت ہو کہ سیکڑوں پردوں سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ سو خط ہیں تو سو طرح سے تخاطب ہے کہیں بھائی لکھتے ہیں کہیں دوست کہتے ہیں۔ کہیں مرزا تفتہ کہہ کر پکارتے ہیں کہیں جوش محبت میں میری جان کہہ جاتے ہیں کسی جگہ پیار میں برخوردار قلم سے نکل جاتا ہے کہیں فرط محبت و خلوص میں بچھے جاتے ہیں کہیں بزرگانہ مہربانی سے چشم نمائی کرتے ہیں کبھی ضرورت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ روپیہ بھیجو کہیں تفتہ کی پریشاں حالی کا خیال آتا ہے تو کہتے ہیں۔ بیکار کیوں بیٹھے ہو بنک کا روپیہ سب کھا گئے اب کیا کروگے کہیں اصلاح دیتے

ہیں تو غزل کی غزل کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہیں داد دیتے ہیں تو لکھتے ہیں "میاں مرزا تفتہ ہزار آفریں کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے۔ واہ واہ چشم بد دور" کہیں ہوتے ہیں تو ظریفانہ چٹکیاں اور گدگدیاں ہیں کہیں پہروں اپنی داستان رنج و ملال کا رونا ہے غرضکہ تعلقات و ارتباط کی زنجیریں ہیں جن کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ایسی ملی ہوئی ہے کہ کوئی طاقت اس کو جدا کر ہی نہیں سکتی اور کوئی سبب اس کو آزار پہونچا ہی نہیں سکتا،

تفتہ شعر و شاعری کے اوائل عمر ہی سے دلدادہ تھے فارسی میں کئی دیوان کہے تھے جن میں سے دو تین چھپ بھی گئے ہیں مگر مرزا کی اصلاح اور خداداد طبیعت نے وہ رنگ کھایا ہے کہ بڑے بڑے استادوں سے کلام ٹکر کھاتا ہے مرزا صاحب انکو اصلاح سے مستغنی جانتے ہیں اور ان کی قوت مشق کو درجۂ کمال پر جانتے ہیں ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "بھائی تمہاری مشق چشم بد دور صاف ہو گئی رطب و یابس تمہارے کلام میں نہیں رہا اور اگر خواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے تو میری جان میرے بعد کیا کرو گے میں تو چراغ دم صبح اور آفتاب سر کوہ ہوں" ایک جگہ کہتے ہیں "مشق تمہاری پختہ ہو گئی خاطر میری جمع ہے" ایک اور جگہ ظرافت کا رنگ یوں فرماتے ہیں "تمہارا کلام پختگی کو پہونچ گیا ہے اصلاح طلب نہیں رہا ہے شیر اپنے بچہ کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے"

تفتہ کے مزاج میں تصوف کا مذاق بہت زیادہ تھا اسی کا عکس جا بجا ان کے کلام میں پڑتا ہے نہایت پاکیزہ مشرب نیک دل صوفی منش آدمی تھے ایک مرتبہ ترک لباس کا ارادہ کیا مرزا کو خبر ہوئی کسی طرح کہ سن کر باز رکھا چنانچہ لکھتے ہیں "کیوں ترک لباس کرتے ہو پہننے کو تمہارے پاس ہے کیا جس کو اتار کے پھینکو گے ترک لباس سے

قید ہستی مٹ نہ جائے گی بغیر کھائے پیئے گزارہ نہ ہو گا سختی و سستی رنج و آرام کو ہموار کرو جس طرح سے ہو اسی صورت سے بہر صورت گزر لینے دو ؎

تاب لاتے ہی بنے گی غالب   واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

مرزا الفتہ کا ایک بچہ آغاز شباب میں قضا کر گیا تھا جس کا نام تیمیر تھا اسکے مرنے سے ان کو سخت صدمہ پہونچا جس کا ایک نوحہ ان کے کسی دیوان میں موجود ہے اس وقت سے کچھ ایسے دل برداشتہ ہو گئے تھے کہ دنیا کے مشاغل میں جی نہ لگتا تھا مگر مرزا انکو ہنسا ہنسا کر اور شیریں نصیحتیں کر کر کے شعر و شاعری کی طرف راغب کرتے تھے۔

زمانہ کے رسم و رواج کے موافق مرزا الفتہ ہمیشہ فارسی ہی کہتے تھے اردو نہ اس وقت تک اتنی زیادہ مقبول تھی اور نہ لوگ اسی کو معیار کمال سمجھتے تھے مگر فارسی شاعری کی طرف وہ آخر عمر تک متوجہ رہے اور ایک دراز عمر پاکر عالم ضعیفی میں مرزا غالب کی وفات کے دس برس بعد ۱۸۷۹ء میں عالم فانی سے رہگرائے ملک جاودانی ہو گئے۔

ان کے اردو کلام میں مرزا غالب مرحوم کا قطعہ وفات دستیاب ہوتا ہے جو مومن خاں کی اس تاریخ کے طرز پر کہا گیا ہے جو انھوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے غم وفات میں لکھا ہے ؎

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جسکے فیض سے   ہم سے ہزار ہیچداں نامور ہوئے
فیض و کمال و صدق و صفا اور حسن و عشق   چھ لفظ اس کے مرتے ہی بے پاؤ سر ہوئے

لہ مومن کا مادہ تاریخ یہ ہے ؎ دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے   فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

اے نالہ سوئے چرخ مردم گرم مرد گرم
با پیر نہ زیبد سر آزار جواں را

ثاقب۔ نواب شہاب الدین احمد خاں

نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب نواب ضیاء الدین احمد خاں والی لوہارو کے بڑے بیٹے تھے زیادہ تر دلی میں رہتے تھے مرزا صاحب کے سسرال کے رشتہ سے بھتیجے تھے اور مرزا کو ان کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اپنے بچوں سے زیادہ ان کو چاہتے تھے بہر حال اختلاط اور بزرگانہ محبت کی باتیں کرتے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتے تھے۔

ثاقب کی ذاتی قابلیت ایسی تھی کہ اچھے اچھے ذی استعداد ان کی برابری نہ کر سکتے تھے نہایت نیک نفس ملنسار اور حکام رس تھے چنانچہ اسی وجہ سے دہلی میں آنریری مجسٹریٹ کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہو گئے تھے دہلی کے نہایت مشہور و معروف لوگوں میں تھے۔

شعر و شاعری کا ابتدائے عمر ہی سے ذوق و شوق تھا مرزا ہی سے اصلاح لیتے تھے اور حتی الوسع مرزا ہی کا اتباع کرتے تھے۔ درد۔ اثر معانی آفرینی اور صفائی زبان نشست الفاظ اور چستی بندش کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ مشق سخن جاری رہتی تھی۔

مرزا ہمیشہ ان کے ساتھ اپنے بچوں کی طرح پیش آتے تھے اور ان کے جی بہلانے کی طرح طرح تدبیریں کرتے تھے کہیں اگر تنبیہ بھی کرتے تو اس طرح کہ ناگوار نہ ہو اور بجائے رنج کے اور ہنسی آتی تھی۔ ثاقب مرزا کے کلام کی نقل کر لیا

کرتے تھے ایک مرتبہ مرزا نے وہ مجموعہ دیوان ان سے مانگا انھوں نے حوالہ کیا اتفاق سے اس میں کچھ غلطیاں تھیں اور مزید براں یہ بات تھی کہ کسی کے شعر مرزا کے نام سے دیوان میں لکھ دیئے گئے تھے۔ مرزا نے وہ دیوان دیکھا۔ بڑا غصہ کیا۔ فوراً ایک رقعہ لکھا۔

"بھائی شہاب الدین خاں واسطے خدا کے یہ تم نے اور حکیم نجف خاں نے میرے دیوان کا کیا حال کر دیا ہے یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں خدا جانے کس ولد الزنا نے داخل کر دیئے ہیں۔ دیوان تو چھاپے کا ہے متن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں اور اگر حاشیہ پر ہوں تو میرے نہیں بالفرض اگر یہ شعر متن میں پائے بھی جاویں تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ کسی ملعون زن جلب نے اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات لکھ دیئے ہیں خلاصہ یہ کہ جس مقصد کے یہ شعر ہیں اس کے باپ پر اور دادا پر اور پردادا پر لعنت اور وہ ہفتاد پشت تک ولد الحرام اس کے سوا اور کیا لکھوں ایک تو لڑکے میاں غلام نجف دوسرے تم میری کمبختی بڑھاپے میں آئی کہ میرا کلام تمہارے ہاتھ پڑا۔"

ایک مرتبہ ثاقب کو کوئی خط لکھا تھا ان سے جواب میں دیر ہوئی مرزا نے فوراً یہ رباعی لکھ کر بھیجی ؎

ثاقب حرکت یہ کی ہے بیجا تم نے ۔۔۔ رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے
غالب کا بچا دیا کلیجا تم نے ۔۔۔ حاجی کلو کو دے کے بے وجہ جواب

ایک مرتبہ ثاقب سے رمضان کی کیفیت اس طرح پوچھتے ہیں ؎

اے روشنی دیدہ شہاب الدین خاں ۔۔۔ کٹتا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضان
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک ۔۔۔ سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآں

افسوس کہ عین عالم شباب میں ۱۹ اپریل ۱۸۶۹ء مطابق ششم محرم ۱۲۸۶ھ

یوم دوشنبہ کو بعارضۂ تپ و اسہال ہنگام سہ پہر دہلی میں انتقال فرمایا مرتے وقت قدم شریف میں دفن ہونے کی وصیت کی تھی چنانچہ حسب وصیت اپنے چچا شمس الدین احمد خاں مرحوم کے پہلو میں قدم شریف کے قبرستان میں مدفون ہوئے مرزا قربان علی بیگ سالک نے تاریخ کہی ؎

ازصدمہ مرگ ثاقب والا جاہ
ہر سو ست صدائے نالہ ہائے جانکاہ

تاریخ وفات او چنیں سالک گفت
روز ۱۲۸۶ بستم مہ محرم صد آہ

آپ نے چار صاحبزادے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی صاحبزادوں کو میراث پدری کے علاوہ شاعری بھی ارث میں ملی چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے نواب شجاع الدین احمد خاں تاباں مرحوم اور نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل، دہلی کے نہایت ممتاز اور مشہور و معروف شاعروں میں ہیں افسوس کہ تاباں مرحوم نے بھی اسی سال یعنی ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا۔

کیوں وعدہ کرو بے خبر آجاؤ کسی وقت
ہوں وصل کا خواہاں نہیں مشتاق خبر کا

اس عصر میں کہتے تھے اسے بہا ئیے طوفاں
بچپن کا ہے یہ نام مرے دیدۂ تر کا

ہر شخص کا دل شہر میں کھینچتا ہے ادھر کو
کیوں اور سے پوچھے کوئی رستہ ترے گھر کا

سمجھے ہوئے تھے قبر کو ہم کنج عافیت
دیکھا تو یاں بھی امن و اماں کا مکاں نہ تھا

جو کام ہیں غیر کے ہوئیں صرف
افسوس وہ دلربا ادائیں

نہیں عقل سے عشق خالی کہ اس میں
بڑے تجربے ہم کو حاصل ہوئے ہیں

دل کا سودا ہے تھا ہونے کی کچھ بات نہیں
گفتگو رہتی ہے بائع کو خریدار کے ساتھ

دانہ پانی کے خبر لینے کی توفیق نہیں
کھیلنا جانتے ہیں مرغ گرفتار کے ساتھ

بیٹھے ہیں ہم تو اب دل بے آرزو لئے
وہ دن گئے کہ داغ تمنا اٹھائیے

جنوںؔ خان بہادر قاضی عبدالجمیل بریلوی

نام عبدالجمیل تھا جنوںؔ تخلص کرتے تھے انکے اسلاف و اجداد شاہان تیموریہ کے زمانہ عروج سلطنت میں مصر سے دہلی آئے اور فرمانروائے ہند نے ان کی نہایت قدر و منزلت کی مختلف اور متفرق عہدہ ہائے جلیلہ پر سرفراز کیا متعدد شہروں میں مناصب جلیلہ پر کام کرتے رہے اور آخرکار بانس بریلی میں بعہدۂ قضا مامور ہوئے اور یہیں رہ پڑے حاکم وقت کی نظر میں آپکے بزرگوں کا اسقدر وقار اور اعتبار قائم ہوگیا تھا کہ شاہان دہلی اور شاہان اودھ دونوں عزت کرتے اور انکی بات مانتے تھے چنانچہ دونوں سلطنتوں کے مابین جو امور نزاعی ہوتے وہ ان ہی کے ذریعہ سے طے ہوا کرتے تھے۔

قاضی صاحب موصوف ۱۲۵۱ھ میں بمقام بریلی پیدا ہوئے اور ۱۸ برس کی عمر میں تحصیل علوم رسمیہ عربی اور فارسی سے فراغت حاصل کی اسی زمانہ میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا اور مشق کرنے لگے جب ذرا مشق پختہ ہو چلی تو مرزا صاحب کو اصلاح کلام کیلئے تجویز کرکے ۱۲۶۹ھ میں دو ایک غزلیں بھیجیں مرزا کو ضعف پیری اور آلام نے گھیر رکھا تھا۔ پریشان تھے۔ دوسرے جب تک کسی کو اچھی طرح جانچ نہ لیتے تھے اس سے بے تکلف نہ ہوتے تھے غرض انھیں وجوہ سے آئی ہوئی غزلیں یہ لکھ کر واپس کردیں کہ میں نے تو آپ کی غزلوں میں کچھ عیب پایا کہ ان پر اصلاح کرتا ورنہ اس اصلاح سے کوئی فائدہ ہے جب تک کہ استاد کی صحبت میں نہ رہے اور مدتوں تک اس کی روش کو پیش نظر نہ رکھے اس وقت تک کام نہیں چل سکتا مبداء فیاض سے ہمت طلب کیجئے اور مشق کئے جائیے آپ کی لیاقت اور قابلیت رہبری کرے گی اور اصلاح کی ضرورت نہ رہے گی

مگر قاضی صاحب نے اس تحریر کو صرف ایک وقتی خیال کیا اور متعدد خطوط بھیجے مرزا بدخلق تو تھے نہیں ٹالنا چاہتے تھے مجبوراً اصلاح دینا شروع کر دی اور رفتہ رفتہ بہت زیادہ مہربان ہو گئے مگر آلام جسمانی اور تکالیف روحانی اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ہوش وحواس بجا نہ تھے چنانچہ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں "۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کیلئے تھا مگر اس تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزا چکھتا رہا ہوں حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں پھر میں کیوں جیتا ہوں روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے جس طرح طائر قفس میں کوئی اختلاط کوئی جلسہ کوئی مجمع پسند نہیں کتاب سے نفرت شعر سے نفرت روح سے نفرت جسم سے نفرت یہ جو کچھ لکھا ہے بیان واقع اور بے مبالغہ ہے۔ ع

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم

نسیان کا یہ عالم تھا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ حسین علی صاحب رامپور میں مجھ سے ملے ہوں گے مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے حافظہ گویا نہ رہا شامہ ضعیف۔ سامعہ باطل باصرہ میں نقصان نہیں ہے البتہ کچھ کم ہو گئی ہے۔ ع پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند" ایک جگہ لکھتے ہیں "میں تندرست ہوں نہ رنجور ہوں زندہ بدستور ہوں دیکھئے کب بلاتے ہیں اور جب تک جیتا ہوں اور کیا دکھاتے ہیں" ایک مرتبہ قاضی صاحب کی خواجہ غلام غوث بیخبر سے ملاقات ہوئی۔ اثنائے ملاقات میں مرزا صاحب کا ذکر آیا قاضی صاحب نے مرزا کے آلام و اسقام کا ذکر اور بیماری اور پریشانی کے شدائد کا حال بیان کیا خواجہ صاحب نے ہنسی ہنسی میں کہا کہ مرزا صاحب تو اچھے خاصے تندرست ہیں کچھ بیمار و بیمار نہیں ہیں قاضی صاحب نے اس ملاقات کا ذکر اور تندرستی معلوم ہونے کا حال مرزا صاحب کو لکھا مرزا نے یہ جواب دیا

"مولوی غلام غوث خاں صاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے اب میں تندرست ہوں پھوڑا پھنسی کہیں نہیں مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر نہ ہو برسوں صاحب فراش رہا ہوں ستر برس کی عمر جتنا خون بدن میں تھا بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا۔ سن کہاں جو اب پھر تولید دم صالح ہو بہر حال زندہ ہوں اور ناتواں پھر آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احسان والسلام"

قاضی صاحب ہمیشہ تحفے تحائف مرزا کی خدمت میں ارسال کرتے رہتے تھے اور ادھر مرزا صاحب کا یہ عالم تھا کہ شفقت بزرگانہ فرماتے اور قبول تحائف سے شرمندہ ہوتے تھے ایک مرتبہ قاضی صاحب نے کچھ آم بھیجے مرزا نے قبول کر لیے اگلے سال آموں کی فصل میں قاضی صاحب نے پھر لکھا کہ آم بھیجتا ہوں مرزا صاحب نے لکھا کہ "آموں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا۔ اہدا کو دوام کیا ضرور ہے خصوصاً جبکہ بذات خود حادث ہو حضرت اب کی سال آم ہر جگہ کم ہے اور جو کچھ ہے وہ خشک و بے مزہ ہے آم کہاں سے ہو نہ مہاوٹ نہ برسات۔ دریا پایاب ہو گئے کنوئیں سوکھ گئے اشجار میں تراوٹ کہاں سے ہو جناب اس کا خیال نہ فرمائیں اپنے کشف کو غلط کروں گا بہ ترکان آیندہ تک جیونگا آپ کے ہوتے آم کھاؤں گا" یہ کشف اسی تاریخ کی طرف اشارہ ہے جو مرزا نے اپنی زندگی میں اپنی وفات کے لئے کہہ رکھی تھی ؎

من کہ باشم کہ جاوداں باشم چوں نظیری نماند و طالب مرد
در بگویند در کدامی سال مرد غالب بگو کہ غالب مرد

باوجود اس ارتباط و اختلاط کے قاضی صاحب کو مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا کبھی موقع نہ ملا تھا جب مرزا صاحب مسند نشینی نواب

کلب علیخاں مرحوم والی رام پور کی تہنیت میں رام پور تشریف لے گئے تو قاضی صاحب نے توجہ دلائی کہ بریلی رام پور سے کچھ دور نہیں ہے نمائش گاہ کا زمانہ ہے تشریف لائیے اور مشتاق دید کو ممنون فرمائیے۔ مرزا صاحب نے جواب میں لکھا۔ ۱۲ر اکتوبر کو یہاں پہونچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤں گا۔ نمائش گاہ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں۔ خود اس نمائش گاہ کی سیر میں جس کو دنیا کہتے ہیں دل بھر گیا۔ اب عالم بیرنگی کا مشتاق ہوں لا الہ الا اللہ، لاموجود الا اللہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ"

قاضی صاحب کی مشق شاعری خود مرزا صاحب ہی کے زمانہ میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ مرزا صاحب بھی اس کی داد دیتے اور دل بڑھاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک قصیدہ دیکھ کر کہتے ہیں اگر مجھے قوت ناطقہ پر کچھ تصرف ہوتا تو قصیدہ کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی تعریف میں قصیدہ لکھتا" اول اول اگرچہ مرزا نے قاضی صاحب کے کلام پر اصلاح کو بہت ٹالا تھا مگر آخر کا اختلاط و ارتباط اتنا بڑھا کہ رقعوں سے خلوص اور محبت دلی کا اظہار ہوتا ہے۔ کہیں اصلاحی غزلوں کے لکھنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ کہیں ہلکا ہلکا مذاق اور شستہ ظرافت کہیں ان کی یادآوری کا شکریہ کہیں ہدایا و تحائف کے وصول پر اظہار امتنان یہی وضع آخر تک جاری رہی۔ قاضی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اپنا تمام کلام تلف کر دیا اور اب چند شعر یادگار ہیں ؎

جو حسیں ہم کو ملا کافر سیے دیں ہی ملا — جس کو دیکھا اسے غارتگر ایماں دیکھا
کہاں یہ تاب کہ آنکھیں ملا سکوں تجھ سی — کہ اک نگہ میں دگرگوں ہے حال محض کا
میں بجز رخصت ہو کے اس سے پھر گیا تو یہ کہا — کیوں گئے کیوں آئے کیا بھولے تھے کیا یاد آ گیا
سامنے سے یوں نکل جاتے ہیں وہ — اُن سے گویا کچھ شناسائی نہیں

انھوں نے آئینہ دیکھا تو میں نے منھ ان کا
جو اس میں ہوش نہ جا داں نہیں تو یاں بھی نہیں

بیمار عشق کر نہ لگا تھا اسے طبیب
کچھ درد سر نہیں ہے کہ اچھا دوا سے ہو

نہ سہی لطف و عنایت ستم و جور سہی
غم تو یہ ہے کہ نہیں حال کا پرساں کوئی

گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھ پہ
آگ میں ڈالیے پر یوں نہ جلایا کیجیے

تابِ طاقت نے دیا فرقتِ جاناں میں جواب
بارِ غم ناز نہیں ہے کہ اٹھایا کیجیے

گالیاں کھا کے رہوں چپ یہی بات اچھی ہے
کہ بگڑتا ہوں تو وہ اور بناتا ہے مجھے

آیا نہ ان کو تفرقۂ جان و دل پسند
دل لے چکے تھے جان بھی اب آکے لے چلے

جوہر منشی جواہر سنگھ

جواہر سنگھ نام تھا۔ جوہر تخلص تھا۔ مرزا غالب کے دوست اور شاگرد تھے۔ فارسی کی استعداد اچھی تھی۔ مرزا نے ان کے کلام پر توجہ کر کے اس کو اس طرح اپنے رنگ میں رنگا ہے کہ سراپا تصرف معلوم ہوتا ہے چنانچہ صابر نے اپنے تذکرے میں ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں "جوہر ایک شخص کا تخلص ہے شاگردانِ مرزا اسد اللہ خاں غالب سے شعر فارسی کا فکر کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مرزائے موصوف کی توجہ سے راہ مستقیم پر آ گیا ہے کہ اسلوب سخن فی الجملہ سلیقہ پر دلالت کرتا ہے" جوہر ۱۸۶۴ء میں تحصیل بلب گڈھ میں تحصیلدار تھے اور مرزا سے مراسلت تھی۔

نمونۂ کلام

تو و ز راہ کرم بر سرم گزار غلط
من و بہ رہ نہ نشستن بہ انتظار غلط

بہ زہد وعدہ بہ آموزیم مکن زاہد — من از شاہد و مے توبہ در بہار غلط

بعہد دور پرستش نہم نگر رفتے — شود بہ کلبۂ من راہِ آن نگار غلط

بر آں سرم کہ دگر با کسے نیامیزم — امید لطف ز یاراں روزگار غلط

حقیر منشی نبی بخش

نبی بخش نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے اور کول ضلع علیگڈھ میں بعہدہ سررشتہ داری عدالت فوجداری ملازم تھے۔ خلیفہ گلزار علی خاں نظیر اکبر آبادی سے شعر و سخن میں مشورہ کرتے تھے مرزا غالب کے دلی دوست اور ہم وطن بھی تھے فارسی میں نہایت اچھی استعداد رکھتے تھے تفنن طبع کے طریق پر کبھی کبھی اردو میں بھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے۔

مرزا صاحب سے نہایت بے تکلفانہ اور دوستانہ برادرانہ تعلقات تھے اور مرزا صاحب ان کی لیاقت پر اعتماد رکھتے تھے اسی وجہ سے اکثر کی تصنیفات تصحیح کا اہتمام انھیں کے ذمہ تھا۔ ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں، "اگر بھائی منشی نبی بخش صاحب بدل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ میں سہو کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کو بھی صحیح کر دیں گے۔"

ایک جگہ مرزا تفتہ کے خط میں دستنبو[1] کے لئے لکھتے ہیں کہ "بھائی منشی

---

[1] کتاب دستنبو کے چھپوانے میں مرزا صاحب نے سعی بلیغ کی تھی۔ اور اسکی صحت اور چھپائی اور ترسیل وغیرہ کا اہتمام منشی نبی بخش حقیر، مرزا حاتم علی بیگ مہر، مرزا تفتہ اور منشی شیو نراین ان چار آدمیوں کے سپرد کیا تھا۔

(باقی صفحہ ۲۲۹ پر)

نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے جس محل پر کہ ان کو بتائے ہیں ضرور لکھوا دینا ایک جگہ مرزا تفتہ کے خط میں حقیر کو اس طرح یاد کرتے ہیں "ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت پیش آئے شعر کہے، دیوان جمع کئے اسی زمانہ میں ایک اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے منشی نبی بخش ان کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط نہ وہ انبساط"

ایک مرتبہ منشی نبی بخش کچھ بیمار ہو گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا۔ تفتہ اس زمانے میں آگرے ہی میں مقیم تھے ان کو خط لکھا اور جوش اتحاد میں ایک نسخہ بھی لکھ بھیجا کہتے ہیں "ہمارے شفیق منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو۔ اجوائن سے بھی نہ گیا۔ ایک نسخہ طب محمد حسین خانی میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور سود مند ہے مگر اثر اس کا دیر میں ظاہر ہوتا ہے وہ نسخہ یہ ہے الخ"

اور صرف منشی نبی بخش صاحب ہی کی ذات تک یہ محبت اور مروت ختم نہ تھی بلکہ ان کے بیٹے عبد اللطیف سے بھی وہی اخلاص برتتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ عبد اللطیف نے ایک مہر کے کھدوانے کے لئے مرزا کو لکھا تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں تمہاری مہر اس کا کچھ خیال نہ کرو وہ جس طرح تم نے لکھا ہے بن جائے گی مگر بھائی سنہ ۱۸۵۸ء کے دن کے باقی رہے ہیں آج ۶ دسمبر ہے ۲۴-۲۵ دن باقی ہیں سنہ ۵۹ء جنوری

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۸) مرزا صاحب نے ایک قصیدہ سائڈ شیر کا کرن وکٹوریہ ملکہ انگلستان کی مدح میں کہا تھا اس کو بھی دستنبو کے اول میں شامل کرانا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اگر آپ (نبی بخش حقیر) مرزا صاحب (حاتم علی مہر) مرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن صاحب اس خواہش کو منظور اور اس قاعدہ کو قبول کریں گے اور جب بالاتفاق تم چاروں صاحب پسند کرو گے تو گویا اجلاس کونسل اس قانون کا اجرا منظور ہو جائیگا اور امیدوار ہوں کہ اجرائے قانون سے پہلے مجھ کو منظوری کی اطلاع دی جائے تا کہ مسودہ اس قصیدہ کا بھیج دوں"

ہوتے ہیں خدا چاہے تو کھد جائیگی۔ تم میرے بھائی کے فرزند ہو میرے بھتیجے ہو جو تمہارا کام ہو بے تکلف کہو۔ شرم کیا۔ اور تکلف کیوں۔ یہ مہر کا کھدنا کون سا کام ہے"

اسی طرح منشی نبی بخش صاحب اس خلوص کو نباہتے تھے اور ہمیشہ خودانہ اور نیازمندانہ پیش آتے تھے یہ نہایت باوضع نیک طینت قابل منکسر المزاج متدین نماز روزہ کے پابند تھے۔ اکرہ میں تاج گنج کے قریب رہتے تھے عمر بھر علمی اشغال سے شغف رہا۔ مگر امراض مزمن میں ایسے مبتلا ہوئے کہ آخر عمر تک پیچھا نہ چھوڑا اور ۱۲۷۷ھ میں بمقام تاج گنج آگرہ انتقال کیا۔ مرزا مرحوم نے لفظ رستخیز سے تاریخ نکالی اور یہ قطعہ نظم کیا۔

شیخ نبی بخش کہ با حسن خلق　　داشت مذاق سخن و فہم تیز
مرگ ستم پیشہ امانش نداد　　کیست کہ با مرگ ستیزد ستیز
سال وفاتش ز پئے یادگار　　با دل زار و مژۂ خونابہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر　　گفت مدہ طول و بگو رستخیز

مرزا کو ان کے مرنے کا بہت سخت صدمہ ہوا۔ مرزا تفتہ نے تاریخ کے لئے اصرار کیا تو مرزا نے یہ تاریخ لکھی اور ساتھ ہی ساتھ [illegible] لکھ دیا کہ میں فن تاریخ گوئی کو [illegible] سمجھتا ہوں [illegible] ہوا اور تمہاری خاطر سے [illegible] میرا عقیدہ نہیں ہے تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔

جب یہ قطعہ آگرہ پہنچا تو منشی قمر الدین نے ناپسند کیا۔ اور کہا کہ رستخیز ایک لفظ ہے اس سے تاریخ نکالنا کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے مرزا کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو کہا۔ ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں۔ بلکہ قید معنے دار کی بھی مرتفع ہے جیسا کہ یہ مصرعہ [illegible] در سال غرس ہر آنکہ [illegible] بنید۔ انوری کے قصائد کو دیکھو۔ دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز

میں لکھتے ہیں جس میں اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے اور پھر واقعہ کے مناسب اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہ نامستحسن[1] تھا۔

حقیر مرحوم نے آخر عمر میں مرزا صاحب سے بھی اصلاح لی جیسا کہ بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے آخر وقت تک مشق سخن جاری رہی۔ نمونہ کے لئے یہ چند شعر ملے ہیں۔ فصاحت کو بلاغت اور متانت کے ساتھ جمع کر کے کہنا ان کے کلام کی بڑی صفت ہے۔

زخم کے منہ میں پھر آیا پانی — جبکہ پیکاں کا مزہ یاد آیا
خط جو غیروں کو کئے اس نے رقم — ہم کو قسمت کا لکھا یاد آیا
بسکہ مصنوع ہے صانع کی صفت — بت کو دیکھا تو خدا یاد آیا
آج پھر اس بت کافر نے حقیر — وہ ادا کی کہ خدا یاد آیا
کیا سبک رو ہیں رہروان عدم — کہ کسی کا نہ نقش پا دیکھا
وہ نگاہیں جن سے تھی مجھ کو تسلی کی امید — قتل پر خوں آفت دل دشمن جاں ہو گئیں
شانے نے بل نکال دیئے زلف یار کے — سیدھا کیا ہے موذیوں کو مار مار کے
دیر میں ہے ذکر اپنا کعبہ میں بیاں اپنا — ایک ہم ہیں اور چرچا ہے کہاں کہاں اپنا
گر یہی چاک کی عادت ہے تو اے دست جنوں — پیرہن سارے گریباں ہی گریباں ہوں گے
گر تو نہیں ہے عاشق پھر یہ حقیر ہر دم — کیوں نالۂ حزیں ہے کیوں آہ آتشیں ہے

[1] مرزا صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔ قدما کے یہاں اکثر ایسی تاریخیں ملیں گی جن میں مادۂ تاریخ کے الفاظ کے کوئی معنے نہیں ہوتے مثلاً ؎ حجۃ الحق ابو علی سینا ٭ در شجع آمد از عدم بوجود۔ در شصا کرد جملہ علوم ٭ در تکز کرد اس جہان پدرود۔ اسمیں شجع، شصا، تکز کے کوئی معنی نہیں ہیں ۱۲۔

ذکا منشی حبیب اللہ

افسوس ہے کہ تذکروں سے کچھ آپ کا پتہ نہیں چلتا اور نہ کوئی صحیح حال اور مفصل کیفیت معلوم ہوتی ہے مگر خود مرزا صاحب کے بیان کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ منشی صاحب حیدر آباد کے رہنے والے اور وہاں عہدہ میر منشی پر ممتاز تھے اردو اور فارسی میں نظم و نثر کے شائق اور دلدادہ تھے مگر مرکز زبان سے دور رہنے کی وجہ سے اردو سے کچھ زیادہ واقف نہ تھے صرف اس زمانے کے موافق حیدر آبادی اردو جانتے تھے۔

مرزا صاحب سے ان کو غائبانہ عقیدت تھی۔ نہ مرزا صاحب کو انھوں نے کبھی دیکھا تھا نہ مرزا صاحب نے انکو۔ مگر پھر بھی خلوص اور اتحاد دلی کا یہ عالم تھا کہ اکثر خطوں میں عقیدت و اشتیاق کے اتنے گراں پایہ جملے ہوتے تھے کہ مرزا صاحب کو بھی کسر نفسی پر مجبور ہو کر یہ لکھنا پڑا تھا کہ "بھائی میں نہیں جانتا تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے بظاہر معاملہ عالم ارواح کا ہے اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں تمہارے خط کا جواب اور اوراق مسودہ روانہ ہو چکا ہے وقت پہنچنے کا رستہ ابھی اردو میں تم کو پیش نظر رہا ہے میری اکہتر برس کی عمر ہے پس زیادہ اثر دل ... میرے شفیق میرے مشفق تم مجھ سے بہت دل و جان کے ماننے والے مجھ سے بہت کے اچھا جاننے والے۔"

مراسلت کا سلسلہ برابر جاری تھا غزلیں اور نثر کے مسودے برابر آتے تھے اور مرزا صاحب باوجود پیرانہ سالی اس زحمت کو خوشی سے برداشت کرتے تھے پہلے پہلے جب ان کے خطوط آئے تو مرزا صاحب نے اپنا ... خاندانی حال اور سوانح

زندگی ان کو لکھ بھیجے اور اسکے بعد وہ اسے بے تکلفی ہو ئی کہ مرزا صاحب نے کہیں ان کو اپنا محبوب کر کے خطاب کیا کہیں مشفق کبھی بندہ پرور کبھی مولانا کبھی جان غالب کبھی جاناں۔

ایک خاص معاملہ میں مرزا صاحب سے کچھ کبیدہ بھی ہو گئے تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مولوی غلام امام شہید کی غزل پر ذکا نے ایک غزل لکھی اور خط میں تحریر کیا کہ مولوی غلام امام شہید اکبر آبادی کی غزل پر غزل لکھ کر بھیجتا ہوں مرزا صاحب نے غزل پر اصلاح دی اور اسی خط میں یہ لکھا کہ مولانا شہید اکبر آباد کے نہیں ہیں لکھنؤ اور الہ آباد کے ہیں۔ یہ بات ان کو کچھ ناگوار ہوئی اسی پر کسی سے مرزا صاحب کی شکایت کی اور اپنی اہانت کا گلہ کیا۔ خواجہ غلام غوث بیخبر کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوئی انھوں نے مرزا صاحب کو لکھا کہ مولوی صاحب اس بات کے شاکی ہیں۔ مرزا صاحب نے پورا قصہ انھیں لکھ بھیجا اور صاف صاف لکھا کہ اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں لکھی اسمیں سے توہین کے معنی مستنبط ہوں تو میں اس کا مشہن سہی۔ اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوی صاحب نے آپ کو کیا لکھا۔"

ذکا کا سال وفات معلوم نہیں خطوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ غالب مرحوم کے دور حیات تک یہ بھی زندہ تھے کلام کا اب کہیں پتہ نہیں چلتا مگر دیوان ان کے زمانۂ حیات میں طبع ہو چکا تھا جس پر مرزا صاحب نے ایک مختصر تقریظ بھی لکھی ہے اور ذکا کی تعریف کی ہے۔

لہ بعد کو معلوم ہوا کہ انکا دیوان اردو فارسی قلمی عمر یافعی صاحب کے کتب خانہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے انھیں سے معلوم ہوا کہ ذکا ظرافت میں بھی ... اور بیتاب تخلص کرتے تھے

رحیم - مرزا رحیم بیگ

مرزا رحیم بیگ کے والد کا نام میر بیگ تھا۔ جو دلی کے رہنے والے تھے مگر ترک وطن کر کے سردھنہ ضلع میرٹھ میں آ رہے تھے مرزا رحیم بیگ یہیں پیدا ہوئے سن شعور پہ پہونچ کر ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۴۱ء میں سردھنہ سے میرٹھ آ گئے۔ اور حکیم بو علی خاں سے تحصیل علوم ضروری کرنے لگے حکیم صاحب موصوف نے اپنی فرزندی میں لیا اور نہایت شفقت فرماتے رہے ۱۲۶۱ھ میں مولوی محمد بخش ناداں کے شعر و شاعری میں شاگرد ہوئے اور انھیں سے علم عروض و قافیہ پڑھا۔ ابتدائے مشق میں شرر تخلص اختیار کیا تھا۔ مگر ناداں کے مشورے سے رحیم تخلص کرنے لگے ۱۲۶۵ھ میں حکیم احسن اللہ خاں کی فرمائش سے قصص الانبیا کو نظم کیا۔ چند رسالے اردو فارسی کے اور ایک تذکرہ مخزن الشعرا بھی لکھے جو بغرض اصلاح مولانا صہبائی کو دکھائے۔

عربی و فارسی کی استعداد عالمانہ رکھتے تھے اور اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مرنے سے دس بارہ برس پہلے نابینا ہو گئے تھے اور میرٹھ میں معلمی کر کے بسر اوقات کرتے تھے۔

مرزا صاحب سے ان کے کچھ اچھے تعلقات نہ تھے بلکہ جب مرزا صاحب نے "برہان قاطع" کی غلطیاں "قاطع برہان" کے ذریعہ سے ظاہر کیں تو مرزا رحیم بیگ نے بھی "قاطع برہان" کے جواب میں "ساطع برہان" لکھی جب وہ مرزا کی نظر سے گزری تو نامۂ غالب جو عود ہندی میں موجود ہے اس کے جواب میں لکھا۔

مرزا غالب ان کو ایک لائے بکبتی سے زیادہ نہ جانتے تھے چنانچہ ایک خط میں میاں داد خاں سیاح کو لکھتے ہیں۔ وہ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے

وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملا رے مکتب کا خط ہے۔ رحیم بیگ اسکا نام میرٹھ کا رہنے والا کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے باوجود نابینائی کے احمق بھی ہے اسکی تحریریں نے دیکھی تم کو بھی بھیجوں گا۔ مگر ایک بڑے مزے کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جن کو لطائف غیبی میں رد کر چکے ہو بہرحال اب اس کے جواب کی فکر نہ کرنا۔" ایک جگہ لکھتے ہیں کہ معلمی اسکا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔

مرزا صاحب نے جو مرزا رحیم بیگ کو خط لکھا ہے اسمیں وہ وہ چٹکیاں لی ہیں کہ اول سے آخر تک پورا خط خار زار معلوم ہوتا ہے اور وہ وہ دلائل اور براہین پیش کئے ہیں کہ رحیم بیگ کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ چنانچہ خط کا القاب ہی اتنا شوخ ہے کہ مرزا رحیم بیگ کے دل پر آرے چلے ہوں گے لکھتے ہیں "بخدمت مشفقی مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ قلبہ بالاسرار وعینہ بالانوار" اسی طرح اس خط میں مرزا نے اپنے متعلق کا فرہنگ نویسوں کے بارے میں ذکر کیا ہے بہت سے الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں بہت سے دلائل کو رد کیا ہے بعض جگہ منشی سعادت علی اور بعض امور میں مولانا صہبائی کے اقوال کو بھی غلط بتایا ہے بہت سے لغات مختلف فیہ میں محاکمہ کیا ہے جن کا حال اسی کتاب میں ملے گا۔

غرضکہ مرزا رحیم بیگ سے مرزا غالب کے تعلقات حریفانہ تھے اور کسی طرح سے مرزا صاحب ان کی باتوں کو ہذیان سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ نمونہ کلام مرزا رحیم بیگ یہ ہے۔

جو لکھتا ہوں بیاں اپنے دل شیدائے مضطر کا
تڑپتا ہی بہت نبض عاشق تار مسطر کا

پس مردن [illegible] سے چلے سر پر
کہ اکثر قبروں کے بیٹھ گئے دامان قاتل پر

طفیل لاغری [illegible] گیا ہوں کوئے جاناں میں
کہ مشکل ہو نظر آتا نہیں اور ہوں نگاہ تاکے میں

ایک سینہ ہے روکے کس کس کو — تیغ کو تیر کو کہ خنجر کو

ساقی بیا کہ گشتہ سر لالہ زار سبز — بر سبزہ و بحر سبز و لب جوئبار سبز

دیوار سبز صحن چمن سبز شیشہ سبز — مے سبز جام سبز و لباس نگار سبز

از لب کمال نشاط گل بہار — مثل چمن ز پردہ بر آید نگار سبز

روئے بتاں ز سبزہ بر آمد تمام سبز — وز عکس خط روئے بتاں آبشار سبز

نیّر رخشاں نواب ضیاء الدین احمد خاں

ضیاء الدین احمد خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں والی ریاست فیروز پور جھرکہ و جاگیردار لوہارو کے چھوٹے بیٹے تھے۔ نواب امین الدین احمد خاں بہادر آپکے بڑے بھائی ریاست لوہارو کے رئیس تھے اور آپکے نام جاگیر تھی اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور دونوں زبانوں پر کافی عبور رکھتے تھے۔

آپ دلی کے نہایت معزز اور موقر روسا میں شمار کئے جاتے تھے نہایت باعروج اور حکام رس تھے۔ اور حکام بھی آپکے اعزاز خاندانی، آپ کی ذاتی وجاہت و قابلیت اور علم و فضل کی وجہ سے آپ کی قدر کرتے تھے ہنگامہ غدر کے بعد آپکی ذات والا صفات دلی میں [illegible] سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ کوئی شخص کسی فن کا ماہر اگر یہاں آتا تھا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ضرور استفادہ کرتا تھا فن تاریخ میں [illegible] مہارت رکھتے تھے چنانچہ جس وقت الیٹ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہند نے اپنی ضخیم تاریخ ہند مرتب کی تو نواب صاحب موصوف نے فراہمی حالات میں [illegible] مدد دی جس کا انھوں نے دیباچہ کتاب میں اعتراف

کیا ہے۔

اردو فارسی دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے تھے۔ مگر بیشتر فارسی ہی کہتے تھے۔ اردو میں صرف برائے تفننِ طبع کچھ فرماتے تھے ورنہ دراصل فارسی سے شغف تھا۔ فارسی میں نیّر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔ مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ اور ان کے شاگردِ رشید شمار ہوتے تھے۔

نواب موصوف کو مرزا کے ساتھ نہ صرف شاگردانہ تعلق تھا۔ بلکہ عزیزانہ اور برادرانہ تعلقات تھے کیونکہ آپ کی حقیقی چچازاد بہن یعنی نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی مرزا سے منسوب تھیں۔ اس کے علاوہ دوستانہ مراسم اور تعلقات مرزا سے تھے جن کو دنیا میں اس طرح نباہا جاتا تھا کہ اب اس زمانہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مرزا ان کو بھائی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اور ان کی دوستی اور شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے چنانچہ ایک قصیدہ محض انھیں کی مدح میں لکھا ہے جس کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں اس سے اس خلوص و اتحاد کا پتہ چلتا ہے جو مرزا کو ان کے ساتھ تھا۔

صد آفتاب تواں ساختن بہ بازیچہ — زذرہ ہا کہ بود در ضیائے نیّر من
نہ این سپہر ونہ آں مہر عالمے دگر است — من آسمانم و او مہر نور گستر من
من آں سپہر کہ دائم چناں کہ مہر بماہ — بہ مہر نور دہد نیّر منور من
من آں سپہر کہ ہر دم رسد عطیۂ فیض — بہ سعد اکبر گردوں ز سعد اصغر من
منم خزینۂ راز و دیہ خزینۂ راز — ضیائے دین محمد کہیں برادر من
بدین و دانش و دولت یگانۂ آفاق — بعمر کہتر و از روئے رتبہ مہتر من
بہ مہر دل بہ برادر دہم نہ ایچقو یم — کہ پور خویش بود دلستان و دلبر من
اگرچہ اوست ارسطو و من فلاطونم — بود بہ پایہ ارسطوئے من سکندر من

زمین کوئے مرا آسماں کند سحر صبح طلوع نیّر ریش ز طرف منظر من

اسی طرح تمام قصیدہ مدحیہ اشعار سے پر ہے اور لفظ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا کو ان کی ذات پر کتنا ناز ہے کتنی محبت ہے ضیاء الدین خاں کیسے جوہر قابل اور مرزا کے کتنے بڑے قدرداں ہیں۔

مرزا کے استغنا اور لاابالی پن نے ان کا کلام کبھی ان کے پاس جمع نہ ہونے دیا بلکہ نیّر ہمیشہ انکا کلام لے جاتے تھے اور جمع کرتے رہتے تھے اور اسقدر حفاظت اور عزت سے رکھتے تھے کہ مرزا کو بھی اس مجموعہ کی ہوا نہ دیتے تھے اگرچہ مولانا حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ نیّر کے نام کوئی خط اردو میں نہیں ہے۔ مگر یہ مولانا مرحوم کا سہو ہے اردو ہی کے ایک خط سے اس قصہ کا پتہ چلتا ہے جو لکھا جاتا ہے۔ مرزا کو اپنے کلام کے دیکھنے اور چھپوانے کی ضرورت ہوئی۔ نواب صاحب کو لکھا کہ ذرا وہ مجموعہ بھیجدو۔ انھوں نے جواب دیا کہ کتاب کے ضائع ہونیکا اندیشہ ہے مرزا نے پھر لکھا پھر انکار ہوا مرزا نے جھنجھلا کر لکھا۔ جناب قبلہ و کعبہ آپ کو دیوان دینے میں تامل کیوں ہے روز آپ کے مطالعہ میں نہیں رہتا۔ بغیر اس کے دیکھے آپ کو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو یہ بھی نہیں پھر ایک جلد ہزار جلد بنجائے میرا کلام شہرت پائے میرا دل خوش ہو تمھاری تعریف کا قصیدہ اہل عالم دیکھیں تمھارے بھائی کی تعریف کی نثر سب کی نظر سے گزرے اتنے فوائد کیا تھوڑے ہیں رہا کتاب کے تلف ہونیکا اندیشہ یہ خفقان ہے کتاب کیوں تلف ہوگی اچھا نا اگر ایسا ہوا اور دلی لکھنؤ کی عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی تو میں فوراً بہ سبیل ڈاک رام پور جاؤں گا اور نواب فخر الدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لا دوں گا اگر یہ کہتے ہو کہ اب وہاں سے لیکر بھیجدو۔ وہ نہ کہیں گے کہ وہیں سے کیوں نہیں بھیجتے یہ لکھوں کہ نواب ضیاء الدین خاں نہیں دیتے تو کیا وہ یہ

نہیں کہہ سکتے کہ جب وہ تمہارے بھائی اور تمہارے قریب ہو کر نہیں دیتے تو میں اتنی دور سے کیوں دوں۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تفضل سے لیکر بھیجدو وہ اگر نہ دیں تو میں کیا کروں اگر دیں تو میرے کس کام کا۔ پہلے تو ناتمام پھر ناقص بعض بعض قصائد اس میں سے اوروں کے نام کر دیئے گئے ہیں اور اسمیں اسی ممدوح سابق کے نام سے ہیں۔ شہاب الدین خاں کا دیوان جو یوسف مرزا سے لیا گیا ہے اس میں یہ دونوں قباحتیں موجود تیسرے یہ کہ سراسر غلط ہر شعر غلط ہر مصرعہ غلط یہ کام تمہاری مدد کے بغیر انجام نہ پائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ ہاں احتمال نقصان وہ بھی از روے وسوسہ و وہم۔ اس صورت میں میں تلافی کا کفیل جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں بہر حال راضی ہو جاؤ اور مجھ کو لکھو تو میں طالب کو اطلاع دوں اور طلب اس کی جب دوبارہ ہو تو کتاب بھیجدوں"

نیّر کی محبت اور وضعداری کا یہ حال تھا کہ روز صبح کو مرزا کے پاس سو کام چھوڑ کر جاتے تھے جیسا کہ خود مرزا نے لکھا ہے ؎

طلوع نیّر روشن زطرف منظر من ۔۔۔ زمین کوئے مرا آسمان کند ہر صبح

اگر خط میں کبھی دیر ہوتی تو بار بار خط لکھتے مرزا پیرانہ سری کا عذر کرتے مگر جبتک جواب لکھوا نہ لیتے کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ مرزا کے اتحاد و خلوص کی بھی کوئی انتہا نہ تھی نیر اکبرآباد گئے تو ان کو لکھا کہ "میرے شوق دور اندیش نے دیدہ و دل کو تمہارے ساتھ کر دیا ہے۔ یہ اتحاد تا مدت عمر قائم رہا۔ مرزا کے انتقال پر تجہیز و تکفین کا اہتمام بھی نواب ضیاء الدین احمد خاں ہی نے کیا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں۔

مرزا کے جنازے پر جبکہ دلّی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی راقم بھی موجود تھا اور شہر کے اکثر عمائد اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیاء الدین احمد خاں۔ نواب

مصطفٰے خاں حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم اور بہت سے اہلسنت اور امامیہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازہ کی مشایعت میں شریک تھے صفدر سلطان نبیرہ بخشی محمود خاں نے نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ مرزا صاحب شیعہ تھے ہم کو اجازت ہو کہ اپنے طریقہ کے موافق ان کی تجہیز و تکفین کریں مگر نواب صاحب نے نہیں مانا اور تمام مراسم اہلسنت کے موافق ادا کئے۔

نیر نے ۱۳۰۲ھ ۱۳ ماہ رمضان المبارک میں بمقام دہلی انتقال کیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ واقع مہرولی میں مدفون ہوئے مولوی رحیم الدین خاں دہلوی نے جو سلسلۂ حضرت امیر پنجہ کش ہوا ہے بے مثل خوشنویس تھے تاریخ وفات کہی۔

چوں ضیاء الدین احمد خاں کشید — رخت از دنیا سوئے دارالسلام
گفت ہاتف بارضئی سال وفات — روز شنبہ سیزدہ شہر صیام

آپ کے دو صاحبزادے تھے نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب جو نواب صاحب کی عین حیات میں انتقال کر گئے دوسرے نواب سعید الدین احمد خاں طالب جن کا ابھی تھوڑا عرصہ ہوا انتقال ہوا۔

نیر اگرچہ مرزا غالب کے شاگرد رشید تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا اردو کلام اس پایہ کا نہیں ہے جیسا کہ مرزا کے دوسرے شاگردوں کا ہے مگر فارسی میں وہ اپنے معاصرین سے کسی صورت سے کم نہ تھے افسوس کہ ان کا کلام اردو و فارسی نہ چھپ سکا اور اب کوئی امید نہیں کہ طبع ہو سکے نمونۂ انتخاب کلام اردو و فارسی یہ ہے۔

جب اپنے شغل سے دل خرمیں نہ بار کے — پھر کیا گناہ دیدۂ خوں نابہ بار کا
آنکھوں میں بوالہوس کی کھٹکتا ہوں مثل خار — احسان ہے یہ مجھ پہ مرے جسم زار کا

رہے سربلندی شہید وفا کی — کہ اس در پہ سر ہو چڑھانے کے قابل

جب جا ہو آئیو دلمیں کہ ہے آپ کا مکاں — یاں خوف تنخند و خطر پاسباں نہیں

نکلے آنکھوں سے وہیں جذب ہوئے دامن میں — بجز آنکھوں کے کوئی گوہر نایاب نہیں

جلتے ہو نغمہ سرا اتنے ہی خوں ریز بھی ہو — چھیڑ نشتر کی چلی جائے جو مضراب نہیں

بوالہوس اور بھی مرنے کی کریں گے خواہش — لیکے گل قبر پہ رعنا کی نہ آیا کیجئے

سینہ کا چاک کرتا سکھلایا — میرا رہبر مرا گریباں ہے

کلام فارسی

بس است طول خدایا شبان تار مرا — بیاض صبح بدہ چشم انتظار مرا

فرشتہ خوش نبود عیب جوئے شرم آید — ز رسم و راہ توائے کاتب یسار مرا

اگر نیامدی دوست ما نمے وار د — سفید ہمچو شد چشم انتظار مرا

وعدہ روز ہما عیش شباں گاہ بغیر — آہ از تیرگی تالہ روزانہ ما

پیمانہ در کفے و دل شاہ در کفے — بہر خدائے لغزش پائے ایاز بیعت

رو چشم مکن ہرزہ چہ بندی پئے قتلم — بر دیدہ دراں عرض کنت اول نگر خود

چوں آمدہ ایم از عدم آساں بود اکنوں — پیمودن راہے کہ بود پئے سپر خود

نگریستے گل امروز تیز و بیکسے — کہ بوئے خوں ز فغان ہزار می آید

بعد عمرائیے دریغ بادۂ ناب آوردند — تا یک قدر شدم رطل گرانم دادند

رعنا مردان علی خاں

مردان علیخاں نام تھا۔ رعنا تخلص کرتے تھے۔ رامپور قلعہ کے مقرب

ملازمین میں تھے۔ مرزا صاحب سے ان کا گو دیکھا نہ تھا بلکہ غائبانہ ملاقات تھی پہلے
پہلے جب رعنا نے مرزا صاحب کو اپنی غزل اصلاح کے لئے بھیجی تو سہو سے اپنا
پتہ نہ لکھا۔ مرزا صاحب نے غزل دیکھی لیکن چونکہ کوئی پتہ نہ تھا مجبوراً خاموش
ہو رہے۔ انھوں نے پھر خط لکھا مرزا صاحب نے دیکھا کہ اس مرتبہ پتہ لکھ دیا ہے
تو یہ کہہ کر جواب دیا "صاحب تم نے اب اپنے مسکن کا پتہ لکھا میں نے دوسرے
ہی دن جواب روانہ کیا۔ اسی خط میں لکھتے ہیں "منشی نولکشور صاحب یہاں آئے
تھے مجھ سے ملے بہت خوبصورت اور خوش سیرت سعادت مند اور معقول پسند آدمی
ہیں تمہارے مداح اور ان کا قول ہے کہ منشی صاحب سے رعنا مرحوم کے تعلقات
اس بنا پر تھے کہ منشی صاحب کے پریس کا سلسلہ ایک وقت میں کانپور تھا میں بھی تھا۔

ایک مرتبہ رعنا نے مرزا صاحب کو لکھا کہ جفا اکثر بھی مستعمل ہے مرزا نے
لکھا بھائی جفا کے مونث ہونے میں کیا کلام ہے دہلی کیا ہم اتفاق ہے کبھی مذکر نہ کہا جائیگا
کہ جفا کیا۔ اہل بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ ہاتھی آیا۔ اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں،
ورنہ ستم و ظلم مذکر ہیں اور جفا مونث ہے بلا شبہ"

نواب مصطفی خاں شیفتہ تذکرہ لکھ رہے تھے تو مرزا کو رعنا نے اپنی غزل
فارسی بھیجی مرزا نے لکھا کہ نواب صاحب اردو کا تذکرہ لکھ رہے ہیں فارسی غزل
تم نے بیکار بھیجی۔ اسکے بعد شاید کوئی غزل نہ آئی کیونکہ تذکرہ مذکور میں ان کا نام
کہیں نہیں ہے۔ البتہ مولوی عبد الغفور نساخ ان سے ملے تھے اور انھوں نے یہ بھی
لکھا ہے کہ "شعر بڑا کہ ان کا نواسہ گو را نہ کرے یہ کہ ان کی تصنیف ہو۔

نمونہ کلام میں صرف ایک شعر ملتا ہے۔

گو رہا ہے مرا نالۂ درد چرخ کہن سے تھا رشک قاتل نہ پھرا ہاں کے وطن سے
مرزا صاحب نے درد کی جگہ (نالۂ دل) بنا کر مصرع کو یوں بنا دیا

گزرا ہے مرا نالۂ دل چرخ کہن سے"

سالک مرزا قربان علی بیگ

مرزا قربان علی بیگ سالک نواب مرزا عالم بیگ خاں کے بیٹے تھے آپ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ مگر یہ اتفاق آپ کی شاعری کا مسقط الراس دلی ہے آپ کی زندگی کا بڑا حصہ یہیں صرف ہوا۔ شعر و شاعری کا ابتدائے عمر سے شوق تھا اور اس فن میں حکیم مومن خاں صاحب مومن دہلوی کے شاگرد تھے اور قربان تخلص کرتے تھے حکیم مومن خاں کے بعد مرزا کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا مرزا صاحب نے حکم دیا کہ تخلص بدل دو چنانچہ یہ تخلص بدل کر سالک تخلص قرار دیا۔ ان کے بھائی مرزا شمشاد علی بیگ بھی شاعر تھے اور وہ بھی مرزا کے شاگرد تھے رضوان تخلص تھا روزانہ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور استفادہ کرتے تھے۔

سالک کو مرزا صاحب کی شاگردی پر ناز تھا اور عمر بھر وہ اس بات پر افتخار کرتے رہے مرزا بھی ان کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ کرتے تھے اور بزرگانہ نصائح ظرافت کے انداز میں فرماتے رہتے تھے چنانچہ جب سالک مرحوم کے چچا کا انتقال ہوا تو مرزا صاحب نے لکھا "میری جان کن اوہام میں گرفتار ہے جہاں باپ کو پیٹ چکا اب چچا کو بھی رو۔ تجھ کو خدا جیتا رکھے اور تیرے خیالات اور احتمالات کو صورت وقوعی دے" اسی طرح مرزا ہر رنج اور خوشی میں ان کے شریک اور دکھ درد میں شامل رہتے تھے چنانچہ مرزا کے مرنے پر جو مرثیہ سالک نے لکھا ہے اس سے ان تعلقات کا پتہ چلتا ہے جو مرزا کو ان

کے ساتھ اور ان کو مرزا کے ساتھ تھے

سالک مرحوم کی تعلیم چھ برس کی عمر سے شروع ہوئی اور دہلی ہی میں تعلیم پاتے رہے۔ غدر کے بعد مہاراجہ شیودھان سنگھ والی الور کی ریاست میں وکالت کرنے لگے۔ دکن میں ان کا قیام اگرچہ بہت زیادہ رہا مگر وہ بالطبع ہمیشہ دہلی کے شائق رہے۔ دکن کا قیام محض ان کے چچا بہادر خاں کی وجہ سے تھا جو اپنے ذاتی اور خانگی جھگڑوں کی وجہ سے دہلی کی سکونت ترک کر کے حیدر آباد جا رہے تھے حیدر آباد میں سالک کے چچا نے نواب تاڑین کی ملازمت کر لی تھی اور وہیں شادی کر کے اپنی سسرال میں رہتے تھے۔ اسی وجہ سے آخر عمر تک سالک بھی ان کے ساتھ رہے اور حیدر آباد ہی میں ۱۸۸۰ء میں انتقال کیا اور قدر بلگرامی نے تاریخ وفات کہی "نواب قربان علی سالک ہزار افسوس مرد"

مرنے کے بعد ان کے بڑے بیٹے عابد نے ان کا دیوان موسوم بہ "میخانۂ سالک" ترتیب دیکر شائع کرایا ظہیر الدین مجروح، ذکی آپ کے ہم مشق اور ہم عصر شعرا میں سے تھے آپ کے شاگردوں کی تعداد اگرچہ حیدر آباد ہی میں بہت زیادہ ہے مگر دہلی میں حکیم اسد علیخاں مضطر بہت خوش فکر اور کہنہ مشق مشہور ہیں جو مدتوں آپکے دامن تربیت سے وابستہ رہے اور اب بھی ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

آپ کے کلام میں معانی آفرینی، نازک خیالی، بندش بندش کی چستی، سوز و گداز سبھی کچھ موجود ہے نمونۂ کلام یہ ہے

گیا
ذرا سی ہمت اے فریاد کیسی سوز لازم ہے
عدو قائل نہیں ہے دہر کی ناپائداری کا

ناچار ہو اداری محشر کو روانہ — تمیں فتنے نے پایا نہیں سیدھے گھر کا
دان عقل و وہم کا نہ گزر ہے خیال کا — ابھی جگہ ہے دل کو بھروسہ وصال کا

جلتی کہ با سوا کی نمائش نظر میں ہے　　پتلا بنا ہوا ہے یہ وہم و خیال کا
وقفہ ہے ایک دم کا ولادت سے مرگ تک　　گز سو برس بھی ہوں تو زمانہ ہے حال کا

ہمسایہ میں وہ آگئے ہیں یا لگ رہی ہے آگ　　کچھ روشنی سی ہے سر دیوار دیکھتا

قصۂ قیس ہے اک حرف فسانے کا مرے　　میں یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی کوئی دفتر ہوگا

ہجوم بلا ہائے ہجراں نہ پوچھ　　سمجھے کیا، جو کچھ ہوگیا ہوگیا

ہے خود شکست عہد سے نفرت انھیں مگر　　دل توڑنا پسند ہے امیدوار کا

دو کان مے فروش پہ سالک پڑا رہا　　اچھا گزر گیا رمضان بادہ خوار کا

یہ اور کون تھا جو ترا خستہ جاں نہ تھا　　اک نعش بے کفن تھی کوئی نوحہ خواں نہ تھا

تیرا چپ چاپ بیٹھنا سالک　　اک طرح کا بیان ہے گویا

فرہاد مر سکے عشق کو دھبہ لگا گیا　　کچھ خودکشی طریقۂ اہل وفا نہ تھا

مانا کہ لب سے مہر خموشی اٹھائیں ہم　　دیگا جواب کون ہمارے سوال کا

اب اجل کیونکر آئے گی دیکھوں　　وہ عیادت کو آئے بیٹھے ہیں

قیمت دل چاہئے بوسے کئی　　آگئے جو آئے ترے ایمان میں

کیا کہوں حالت بیتابیٔ امید جواب　　کوئے جاناں میں چلا جاؤں یہ مقدور نہیں
پائے جاتے ہیں ہرے داغ جگر کے آثار　　گرچہ اب تک تو یہ کہتے ہیں کہ ناسور نہیں

کٹ گئی عمر یوں ہی حضرت ناصح افسوس　　ہم سنا کرتے ہیں اور آپ کہا کرتے ہیں

کچھ تغیر مرے احوال پریشاں میں نہیں　　ایسے عالم میں ہوں جو عالم امکاں میں نہیں
اسکے کوچہ میں جو سالک نے کئے کچھ نالے　　ہنسکے بولا کہ یہ میں ہوں فلک پیر نہیں

رگ رگ میں نیش عشق ہے اے چارہ گر مرے　　یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو

کہوں احوال یا دیکھوں کروں کیا　　قیامت سامنے ہے تم کہاں ہو

آجاؤ اب بھی لب پہ نہ آجائے اور کچھ　　شکوے تمام گردش دوراں کے ہوچکے

یوں وفا کی کہ خود وہ بول اٹھے — کس ستمگر سے کی وفا تو نے
مرگ عاشق کی سن کے سب روداد — پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا آ کے
نہ پوچھ مجھ سے نالے کو کہ کیا ہے — شکست شیشۂ دل کی صدا ہے

سرور چودھری عبدالغفور

مارہرہ ضلع ایٹہ کے رئیس قوم کمبوہ سے تھے۔ اور قریب قریب شہاب الدین غوری کے عہد سے یہیں ان کا خاندان قیام پذیر تھا۔ انہیں کے اسلاف نے سلسلہ پیری مریدی حضرت صاحب عالم کے بزرگوں کو مارہرہ بلایا اور یہاں کی مستقل سکونت پر مجبور کیا۔ مرزا غالب کے نادیدہ مگر عزیز ترین شاگردوں میں تھے قصیدہ رباعی غزل سب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے فارسی کی اچھی خاصی لیاقت بہم پہنچائی تھی اور صرف خارزار کے شاعر تھے حضرت صاحب عالم جو مارہرہ کے سجادہ نشین تھے ان سے خاص تعلقات تھے اور اکثر حاضر باش رہتے تھے بلکہ انہیں کے سلسلے سے مرزا سے ملاقات ہوئی گو وہ پہلے سے شاعر تھے مگر مرزا کے ہاتھوں ان کی شاعرانہ تعلیم پوری ہوئی اور مرزا نے اپنے سلیقہ سے رموز و اسرار شاعرانہ سے ان کو آگاہ کیا اور کامل بنا دیا اور پہلے کا سخن دان ہاتھوں ہاتھوں پر چڑھا دیا چنانچہ ایک مرتبہ صاحب عالم کو جو مارہرہ کے پیر زادے اور معزز رئیس ہونے کے علاوہ مرزا کے معتقد اور دوست تھے مرزا نے لکھا کہ اختر ایسا نہیں لیکن شاعر ضرور ہیں مگر ایسے ہوتے ہیں کسی خاص روش کے پابند اور جادہ مستقیم کے سالک اور رہ نورد نہیں ہیں۔ صاحب عالم ان

لوگوں سے عقیدت رکھتے تھے ان کو کچھ گراں گزرا۔ اسی دوران میں اتفاق سے
عرصے تک ان کو خط لکھنے کی مہلت نہ ملی۔ مرزا جی میں کھٹکے کہ ہو نہ ہو یہ وہی اختر و
ممتاز والا معاملہ ہے جب خط آتے ہوئے بہت دیر ہو گئی تو مرزا نے سرور کو خط
لکھا جس میں فارسی زبان کی شاعری کی تدریجی ترقیوں کا حال ہے لکھتے ہیں حضرت
صاحب عالم مجھ سے آزردہ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی
شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں حضرت
صاحب عالم ان صاحبوں کے کلام پہ جنہیں ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور واقف سے
لیکر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔ رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی
و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت
سے ایک وضع پر ہے پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے فغانی اور ایک
شیوۂ خاص کا مبدع ہوا خیالہائے نازک و معانیہائے بلند لایا۔ اس شیوہ
کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی
اس روش کے بعد صاحبان طبع نے سلاست کا چربہ دیا۔ صائب و کلیم و سلیم
و قدسی و حکیم شفائی اس زمرے میں ہیں۔ رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی
کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کے طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج
نہ پایا۔ فغانی کا رنگ پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے تو اب
طرزیں تین ٹھہریں۔ خاقانی اور اسکے اقران ظہوری اور اسکے امثال صائب
اور اس کے نظائر۔ [illegible] کا کلام ان تین طرزوں میں سے
کس طرز پر ہے؟ یہ شبہہ فرمائیے گا کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ
انکی طرز نئی ہی ہے کیا کہنا ہے خوب طرز ہے اچھی طرز ہے مگر فارسی نہیں ہے
ہندی ہے۔ دارالضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ٹکسال باہر ہے واہ واہ انصاف

اگرچہ شاعران نغز گفتار ز یک جام اند در بزم سخن مست
و لے با بادہ بعضے حریفاں خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم ورائے شاعری چیزے دگر ہست

"وہ چیزے دگر" پارسیوں کے حصہ میں آئی ہے ہاں اردو زبان میں بعض اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے ؎

بدنام ہو گے جانے بھی دو امتحاں کو (میر) رکھیگا کون تم سے عزیز اپنی جان کو
دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار (سودا) خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا
قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں (قائم) ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں
تم میرے پاس ہوتے ہو گویا (مومن) جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیر نشتر ہیں مگر مجھے کوئی شعر ان کا اس وقت یاد نہیں آیا۔ الغرض کہ مرزا نے ایک مفصل تاریخ اور دار شاعری کی انھیں لکھ دی جس پر یہ کار بند تھے اسی رنگ میں شعر کہتے اور برابر مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجتے رہتے۔ مرزا کو بھی ان کی خاطر اتنی عزیز تھی کہ اصلاح میں ذرا دیر ہوتی تو عذر کرتے اور کسر نفسی کے طور پر شرمندگی کا اظہار کرتے ۔۔۔

ایک مرتبہ ایام غدر کے اختتام پر چودھری صاحب، نے مرزا صاحب سے ملنے کیلئے دہلی آنے کا ارادہ کیا۔ مگر گرمی کا موسم اور پر آشوب زمانہ تھا ان کے چچا نے اس سفر کو مناسب نہ سمجھا۔ اور گرمی کا بہانہ کر کے رد کر دیا۔ انھوں نے یہ حال مرزا کو لکھا۔ مرزا کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو شہر کی تباہی اور دار و گیر پر نظر کر کے اس بات کو بہت ہی مغتنم سمجھا اور لکھا کہ آپ کے چچا نے کرامت کی جو آپ کو منع کیا ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں آجاتے تو ممکن تھا مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرر رکھتا ہے اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو اور اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے"

اس خط میں مرزا نے یہ بھی لکھا کہ وہ تین مہینے بعد میں بھی مارہرہ آؤں گا مگر پھر جانا نہ ہو سکا۔ پھر بھی مرزا ان کا پاس و لحاظ بہت رکھتے تھے۔ غدر کے بعد بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی مصاحبت کے جرم میں مرزا بھی باغیوں میں شمار کر لئے گئے تھے اور بتایا گیا تھا کہ سکہ شاہی کی تاریخ انہیں نے کہی تھی۔ یہ غریب حیران تھے کیونکہ انکو یقین تھا کہ وہ تاریخ ذوق نے کہی تھی اور دہلی کے اردو اخبار میں مولوی محمد باقر یعنے مولانا محمد حسین آزاد کے والد نے طبع کی تھی۔ مرزا نے یہ سمجھ کر کہ شاید چودھری صاحب کے پاس فائل ہو تو وہ اصل اخبار ملجائے چودھری صاحب کو اس تاریخ کیلئے لکھا اور سرنامہ پر یہ فقرے درج کیے "جناب چودھری صاحب آج کا خط میرا کاسۂ گدائی ہے یعنی تم سے کچھ مانگتا ہوں" علاوہ اسکے انکی بات کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ اگر وہ دوسروں کیلئے اصلاح کی سفارش کرتے تو مرزا باوجود آلام و پیرانہ سالی کے اس زحمت ناروا کو برداشت کرتے مگر ان کو ناراض نہ ہونے دیتے جیسا کہ بعض خطوط سے ظاہر ہے کبھی دیکھا نہ تھا اسلئے سرنامہ پر اکثر یہ شعر لکھتے تھے۔

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب — اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان [illegible]

جب سرور نے انشائے بہارستان سرور لکھی تو مرزا سے قطعہ تاریخ کی [illegible] نے لکھا کہ وعدہ اسلئے نہیں کرتا ہے وعدہ پہنچے گا تو اور زیادہ لطف آئے گا

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے — وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال [illegible]

اکثر صاحب عالم کی خیریت ان سے اور ان کی خیریت صاحب عالم [illegible] سے معلوم ہو جاتی تھی مگر صاحب عالم کے خطوط کچھ ایسے بڑے خط میں [illegible] چودھری صاحب کے پاس واپس کر دیے جاتے تھے اور جب وہ صاف [illegible] تو مرزا پڑھ سکتے تھے۔

سرور کے تعلقات مرزا سے نہایت قدیم اور بہت استوار تھے علاوہ مسائل نظم

کے دوسرے علوم و مسائل مثل نجوم وغیرہ بھی مرزا سے پوچھتے رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ مرزا سے دریافت کیا کہ آفتاب برج حمل میں کب آتا ہے مرزا نے لکھا کہ "تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے کبھی ۲۱ - کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے اس سے تجاوز نہیں ہوتا طالع وقت تحویل درست کرنا بے فن کتب اور مبلغ علم ممکن نہیں میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں" اسی خط میں یہ بھی پوچھا تھا کہ کف الخضیب کیا چیز ہے ؟ مرزا نے بتایا کہ "کف الخضیب صور جنوبی میں سے ایک صورت ہے۔ اسکے طلوع کا حال کچھ مجھ کو معلوم نہیں۔ اخترشناسان ہند کو اسکا حال کچھ معلوم نہیں اور ان کی زبان میں اسکا نام بھی یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ قبول دعا وقت طلوع منجملہ مضامین شعری [illegible] کتان کا پرتو ماہ سے پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا۔ اور قطعات زمرد اسکے محاذی چشم رکھے کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے الاش کپڑے منگوائے چاندنی میں پھیلائے مسکا بھی نہیں"

مرزا کے آخر وقت تک ایسے ہی تعلقات رہے۔ اور وہ برابر سیاح کے کلام پر اصلاح دیتے رہے مگر افسوس ہے کہ اب سیاح کا کلام نایاب ہے۔

سیاح میاں داد خاں

نام میاں داد خاں اور [illegible] تھا [illegible] مرزا کے [illegible] تھا۔ جیسا کہ مرزا خود اپنے ایک خط میں [illegible] اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے تم میرے [illegible] تھا تم میرے بازو ہو [illegible] کی

تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔ اصل میں اورنگ آباد کے رہنے والے تھے مگر سورت میں مقیم تھے آپ کے والد میاں منشی عبداللہ خاں اورنگ آباد کے ذی مقدرت رئیس اور مشہور و معروف شخص تھے جب سیاح پیدا ہوئے تو دولت و اقبال کی فراوانی تھی عزت اور حشمت خاندانی کا ستارہ چمک رہا تھا مگر افسوس کہ جب تک یہ سن شعور کو پہونچے گردش زمانہ نے وہ سب مٹا دیا اور افلاس و ادبار و نکبت نے گھر گھیر لیا مجبوراً انھیں ترک وطن کرنا پڑا اور سورت چلے آئے اور نواب میر غلام بابا خاں رئیس اعظم سورت کے زمرۂ مصاحبین میں داخل ہو گئے۔

سیاح خطاب مرزا غالب نے اس واسطے انکو دیا تھا کہ وہ علاوہ مشہور مشہور ہندوستان کے شہروں کے دوسرے ممالک ایران و عرب مصر وغیرہ کی بھی سیر کر آئے تھے چنانچہ ۱۸۶۰ء میں دلی آکر مرزا سے ملاقات کی اور عرصہ تک مقیم رہے اور اسی طرح کئی مرتبہ سورت سے دلی تک آئے اس زمانہ میں ریل تھی نہ سفر کی اسقدر آسانیاں تھیں مگر وہ پیادہ سفر کرتے رہتے تھے۔

شعر و شاعری کے نہایت دلدادہ تھے اور ابتداء میں عاشق تخلص کرتے تھے مرزا صاحب نے اس تخلص کو بدل کر سیاح تخلص رکھا سیاح کو فارسی میں درجۂ کمال حاصل تھا اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ اس زبان میں گفتگو کرتے تھے نہایت متقی اور حکام رس تھے بعض لوگ انکو سرکاری جاسوس سمجھا کرتے تھے جہاں کہیں جاتے اور کچھ دنوں وہاں قیام کرتے تو مصرع طرح خود دیتے اور دوسرے شاعروں کی زیادہ داد لیتے تھے اور داد سخن دیتے تھے پڑھنے کا اسلوب اچھا انداز تھا کہ سننے والے محو ہو جاتے تھے اور مشاعرہ میں یہ اپنا رنگ جما لیتے تھے۔

افسوس ہے کہ ۱۸۶۵ء میں انکے اوپر مقدمۂ قلب سازی قائم ہوا اور گرفتار ہو کر سزایاب ہو گئے مرزا سے انکو اور ان سے مرزا کو ایک خاص خلوص اور انس تھا چنانچہ

قاطع برہان کی تائید میں ایک رسالہ لطائف غیبی انھوں نے لکھا ہے جس کی مرزا نے خود تعریف کی ہے اور انھیں لکھا ہے کہ "لطائف غیبی نے اعدا کی دھجیاں اڑا دیں" آزاد مرحوم کو یہ شبہہ ہے کہ یہ مرزا ہی کا لکھا ہوا ہے مگر ایسا نہیں ہے مرزا جا بجا انکی لیاقت کی تعریف کرتے ہیں اور کہیں ان کو منع کرتے ہیں کہ اب اور کچھ ایسا نہ لکھنا۔ مرزا سے انکے تعلقات اس درجہ تھے کہ خاص یگانگت اور دوستی میں بھی نہیں ہوتے۔

مرزا کی محبت کا یہ عالم تھا کہ انکو نور چشم۔ برخوردار بیٹا کر کے خطاب کرتے تھے اور سیاح کا بھی یہ رنگ تھا کہ قلمی۔ مالی غرضکہ ہر قسم کی مرزا کی اعانت کرتے رہتے کبھی روپیہ کبھی ہنڈی۔ کبھی کچھ کبھی کچھ برابر بھیجتے رہتے تھے۔ مرزا کی ملاقات صوری چونکہ پیشتر سیاح کو میسر نہ تھی اس لئے خواہش کی تھی کہ آپ اپنی تصویر بھیج دیجئے مرزا نے جواب میں لکھا۔ صاحب کیوں اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کھنچا کھنچا پھروں گوشہ نشین آدمی عکس کے تصویر اتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھنچی ہوئی ہے اگر ہاتھ آجاوے گی تو وہ ورق بھیج دونگا"

سیاح نہایت بلند پایہ اور پر گو شاعر تھے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور آخر وقت تک مشق سخن جاری تھی مگر افسوس کہ جس قدر ان کی شہرت ہونا چاہیے تھی نہ ہوئی۔ آخرکار اسی گوشہ گمنامی میں ستر برس کی طویل عمر پاکر بھی ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا سیر سیاح" ان کی ایک مشہور تصنیف ہے جس میں اپنی سیر و سیاحت کا حال درج کیا ہے نمونۂ کلام یہ ہے ؎

کرتے ہیں وہ باتیں کہ مری جان پہ بن جائے | بگڑے ہوئے کچھ آئے ہیں بہکائے ہوئے ہیں
آئے ہیں عیادت کے لئے غیر کے ہمراہ | ساتھ اپنے مری موت کو بھی لائے ہوئے ہیں
غصہ میں ترے چہرۂ زیبا سے عیاں ہیں | وہ شعلے جو اغیار کے بھڑکائے ہوئے ہیں
[illegible] | [illegible] ضرور مگر اس کے سر کے ساتھ

ہوتے ضرور تیرے شاکر پہ کیا کہیں قاتل دہانِ زخم کی گویا زباں نہ تھی

پھرا کرتا ہوں گرد اسکے نہیں تاب ہم آغوشی
میں ہوں تصویر اور وہ شمع فانوس خیالی ہے

قفس میں سیر گلشن کی اگر مانگے وہ عادل ہے صدائے خندۂ گل آئے فریاد عنادل ہے

شاکر مولوی عبدالرزاق

عبدالرزاق نام تھا شاکر تخلص کرتے تھے اور اپنے نام کے ساتھ جعفری الحیدری لکھتے تھے۔ اپنے وقت کے مشہور و معروف وکیلوں میں تھے مرزا ان کو اشرف الوکلا کہتے تھے اور نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے علم و فضل میں کامل مانے جاتے تھے

مرزا سے شاکر کی ملاقات غائبانہ آخر عمر میں ہوئی جب مرزا اپنے آلام جسمانی میں گرفتار تھے۔ قوت و حافظہ اور سامعہ نے جواب دیدیا تھا۔ ایک پیکر بیجان تھے جو کسی طرف حرکت نہ کر سکتے تھے اسی عالم میں شاکر نے اصلاح کے لئے اپنا کلام بھیجا مرزا نے ضعف کی وجہ سے پہلے انکار کیا مگر بعد کو لکھا "آپ کا واسطہ اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف موجب نازش کا ہے میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے اسکو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں اس کی وجہ بطور نشان کر دیتا ہوں تا کہ آئندہ صاحب کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصلح رہے" اس اطلاع کے بعد سلسلہ اصلاح شروع ہوا اور متعدد غزلوں پر اصلاح دی گئی جسکا ذکر مختلف خطوط میں موجود ہے اکثر بے اختیار ارشاد دیتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں مخمس بعد الاصلاح بھیجتا ہوں

حق تو یہ ہے کہ شعر آپ کہتے ہیں اور خط میں اٹھاتا ہوں حسن اتفاق سے اصلاح کے وقت دوست مخلص یار وفا شعار علامہ روزگار شمس العلماء الحاج مولوی مفتی محمد صدر الدین صاحب بہادر صدر الصدور سابق دہلی المتخلص بہ آزردہ دام اقبالہ وزاد علاہ کہ مجھ سے ملنے کو غریب خانہ پر تشریف لائے ہوئے تھے غزل کو دیکھ کر پسند فرمایا حضرت کی فصاحت کی تحسین کی بہت مسرور ہوئے میرے ساتھ شریک ہو کر غالب ہو کر مرتب ہوئے اور آپ کی شیریں گفتاری کے وصف میں تا دیر رطب اللسان رہے اور مجھ سے پوچھا میری معلوم ہوا کہ آپ کے صفات حمیدہ سے واقف ہو کر بہت شاد و خرم ہوئے ہیں اگرچہ نادیدہ اور غائبانہ ہے لیکن محض شناسائی ہے بس کمال ہی اوقات تحریر غزل کی بابت ارشاد کر گئے ہیں اسنا میں لکھتا ہوں قبول فرمائیے گا!!

شاگرد کو خود تعجب ہوا کرتا تھا کہ مرزا کے اکثر اشعار کے معنی جو سمجھ میں نہ آتے تھے مرزا سے بے تکلف پوچھتے تھے چنانچہ ان اشعار کے معانی مرزا نے ان کو سمجھائے ہیں جو اوپر خطوط میں بیان ہو چکے ہیں

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

مقابل ہے مقابل میرا — رک گیا دیکھ روانی میری

کاوکاو سختی ہائے الم و اشغ سا ان پوچھ — برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا — کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا — قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں — وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے

شاگرد نے ایک مرتبہ مرزا سے خواہش کی تھی کہ مجھ کو فارسی میں خط لکھا کیجئے مرزا

نے جواب میں لکھا "بندہ نواز فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب — وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں، سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اردو ہی میں نیاز نامہ لکھا کرتا ہوں جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور بھیجے تھے ان میں جو صاحب الی الآن ذوی حیات موجود ہیں ان سے بھی حسب الضرورت اسی زبان میں مروج ہیں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوتا ہے"

غرض شاگردان یادگار میں ان فاضلوں میں تھے جن کی قابلیت پر استاد کو بھی ناز ہوتا ہے نمونہ کلام ؎

ہیں اپنے گنہ مزیل امید — ایمان کہاں ہے ایک ڈر ہے

کوئی آتا نہیں آگے ترے ہنستا ہو کر — آئینہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہو کر

مردم چشم سے جب نظر آتا ہے ترا — بیٹھ جاتا ہے مرے دل میں سویدا ہو کر

حرمت مے کے لیئے پیر مغاں کا ہے یہ حکم — ریش قاضی کی رہے پنبۂ مینا ہو کر

ہے تمھارا آفتابہ آفتاب آسماں — دیکھ لو اپنی چلمچی میں حباب آسماں

شفق[1] انور الدولہ نواب سعد الدین خان بہادر

انور الدولہ سعید الملک نواب سعد الدین خان بہادر صولت جنگ افضل الدولہ نواب احمد بخش خان بیتاب کے بیٹے اور ناصر الدولہ بہادر المتخلص بہ ناصر کے پوتے

---

[1] ان اشعار کی اصلاح کے لیئے دیکھو صفحات گزشتہ

وزیرالممالک نواب عمادالملک غازی الدین خاں متخلص بہ نظام کے پرپوتے تھے کدورا ضلع کالپی کے قدیم رئیس تھے۔ آفتاب الدولہ سید امجد علی قلق لکھنوی سے تلمذ رکھتے تھے فارسی کی اچھی استعداد اور نہایت مشاق استاد تھے مرزا سے غائبانہ ملاقات اور اتحاد تھا۔ مگر کبھی ظاہری ملاقات کا موقع نہ ملا تھا۔ جانبین کو اشتیاق تھا مگر اتفاق نہیں ہوتا تھا کہ یہ دو ہم یکماں ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ مرزا کو ان کے ملنے کی اتنی تمنا تھی کہ دعائیں مانگتے اور کہتے کہ لے خدا جبتک صاحب عالم اور انور الدولہ سے مل لوں میری روح قبض نہ کرنا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بندیلکھنڈ کے سفر دراز کی تکلیف محض انکے اشتیاق ملاقات میں اٹھانی چاہی مگر اتفاق سے پہونچ نہ سکے۔ خود لکھتے ہیں "میرا دل جانتا ہے کہ آپکے دیکھنے کا میں کس قدر آرزومند ہوں میرا ایک بھائی، ماموں کا بیٹا کہ وہ نواب ذوالفقار الدولہ بہادر کی حقیقی خالہ کا بیٹا ہوتا تھا اور مسند نشین حال کا چچا تھا۔ اور وہ میرا ہم شیر بھی تھا یعنی میں نے اپنی ممانی اور اس نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا وہ باعث ہوا میرے باندہ بندیلکھنڈ آنے کا میں نے سب سامان سفر کر لیا ڈاک میں روپیہ ڈاک کا دیدیا قصد یہ تھا کہ فتحپور تک ڈاک میں جاؤنگا وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں کی سواری میں باندے جاکر ہفتہ بھر رہکر کالپی ہوتا ہوا آپ کے قدم دیکھتا ہوا اسپیشل ڈاک دلی چلا آؤں گا۔ ناگاہ حضور والا بیمار ہو گئے اور مرض نے طول کھینچا۔ وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا اور پھر مرزا ازبک خاں میرا دودھ بھائی مر گیا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ واللہ وہ سفر اگرچہ بھائی کی استدعا سے تھا مگر میں نے اس شکل کا آپ کا دیدار سمجھا ہوا تھا۔" ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ انور الدولہ بیمار ہیں تو مرزا ان کو لکھتے ہیں "مزاج کی ناسازی موجب تشویش و ملال ہے لیکن تسکین خاطر منحصر اس میں ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ فرمانے کے ہوتی اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہوا کہ مرض باقی نہیں

اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں۔

مرزا نے ان کو ایک مرتبہ ایک قصیدہ بھیجا۔ اتفاق سے جواب میں دیر ہوئی۔ مرزا سے نہ رہا گیا۔ ایک خط لکھا اور اس میں وہ شوخی کہ انور الدولہ بھی پھڑک اٹھے امیدگاہ کی بجائے کاف فارسی کا ایک مرکز اڑا کر کاف تازی بنایا اور امیدکاہ لکھا۔ انورالدولہ اس رمز کو سمجھ گئے۔ جواب میں اس کا ذکر کیا مرزا نے لکھا کہ "امیدکاہ بکاف عربی از رہ شکوہ لکھا۔ تو کیا گناہ۔ نہ خط کا جواب نہ قصیدہ کی رسید ؎

درین خستگی پوزشش از من مجوئے بود بندہ خستہ گستاخ گوئے

اور یہ جو آپ لکھتے ہیں کہ ان موانع کی وجہ سے میں قصیدہ کی تحسین نہ لکھ سکا بندہ پرور، نہیں تحسین طلب نہیں۔ ایسے مجمع میں محشور ہوں کہ سوائے احترام الدولہ کے کوئی سخندان نہیں۔ یہ جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں ع؎

وائے بر جان سخن گر بہ سخندان نرسد"

ایک مرتبہ عجیب لطیفہ ہوا۔ انور الدولہ بہادر نے اپنے خط کے سرنامہ پر مخدوم نیاز کشان لکھا تھا چٹھی رساں نے کیشان کو کپتان پڑھا۔ مرزا کے داروغہ کو خط دے کر کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مبارک ہو آپ کو جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا۔ اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا۔ مرزا حیران ہوئے۔ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے کجا کپتانی کجا غالب۔ آخر راز کھلا تو ازراہ بے تکلفی یہ لطیفہ نواب صاحب کو لکھ بھیجا۔

باوجودیکہ ملاقات غائبانہ تھی۔ مگر نہایت بے تکلفانہ تھی خطوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ہم سن ہم نوالہ ہم پیالہ دوست باہم مذاق میں مصروف ہیں۔ جیسا کہ اس خط کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے "پیر و مرشد ۱۲ بجے تھے میں ننگا اپنے

پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا میں نے کھولا پڑھا بھلے کو انگرکھا یا کرتہ گلے میں نہ تھا اگر ہوتا میں گریبان پھاڑ ڈالتا حضرت کا کیا جاتا میرا نقصان ہوتا" کہیں لکھتے ہیں کہ میر امجد علی سے میری خطا معاف کرا دیجئے میں اس رشوت دینے کو بھی تیار ہوں کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت بہت دنوں سے امجد علی صاحب کا کچھ حال نہیں ان کے تخلص نے مجھ کو حیران کر رکھا ہے یعنی قلق میں مبتلا ہوں۔ غرض اسی قبیل سے بہت سے فقرے مذاقیہ اور بہت سے جملے مزاحیہ لکھ جاتے مگر کیا مجال کہ کہیں مرتبہ سے کم کوئی بات زبان پر آئے یا متانت کے نہ کوئی جملہ نکلے۔

اگرچہ خطوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اور تذکرے بھی اس بات پر متفق ہیں کہ نواب صاحب قلق سے اصلاح لیتے تھے مگر مرزا کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا کی ملاقات کے بعد یہ اپنا کلام بغرض اصلاح مرزا کے پاس بھیجتے تھے اور مرزا انکسار کی راہ سے عذر کرتے تھے مگر ایک آدھ جگہ اصلاح بھی دیتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں "قصیدہ کو بار بار پڑھا اور غور کی جس طور پر ہے اس میں گنجائش اصلاح کی نہ پائی یعنی لفظ کی جگہ لفظ بالمرادف لانا صرف اپنی دستگاہ کا اظہار ہے ورنہ کوئی لفظ بے محل اور بے موقع نہیں۔ کوئی ترکیب فارسی ٹکسال باہر نہیں مگر ان طرز گفتار کا بدلنا۔ اسکے واسطے چاہیئے دوسرا قصیدہ اس زمین میں ایک اور لکھنا اور وہ تکلیف بارد ہے بلکہ شاید حضرت کو منظور بھی نہ ہو پس بشرم کم خدمتی و دلریش اور فرط خجلت سے سر در پیش ہو کر قصیدہ کو اس لفافہ میں بھیجتا ہوں خدا کرے مورد عتاب نہ ہوں" ایک جگہ تہذیب کے ساتھ اصلاح بھی دیتے ہیں" کیا میں سخن ناشناس اور ناانصاف ہوں کہ ایسے کلام کے حک و اصلاح پر جرأت کروں چہ جائے سست جشاطہ رشتہ زیبا را۔ ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں سہ

استہ طرب جادو فن باتم زدہ ہوش زدہ

دو میم آپڑے ہیں ایک میم محض بیجا ہے۔ دیگر کی جگہ آپ بازم لکھ گئے ہیں ؎

"اے مطرب جادو فن دیگر رہ ہوشم زن"

مگر باوجود اسکے بھی مرزا ان کا پایہ سخن گوئی و سخن فہمی نہایت عالی جانتے ہیں اور ان کو شعر گوئی کی ترغیب دیتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "ہائے کیا غزل لکھی ہے قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز بیان ہے" یا "میں جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں" نواب صاحب کے اعتقاد کا بھی یہ عالم ہے کہ روزانہ مسائل علمی پوچھتے رہتے ہیں کبھی کوئی علمی بات کبھی ادبی کبھی نجوم کبھی لغت اور مرزا بے تکلفانہ بتاتے ہیں، نواب مالی امداد بھی کرتے ہیں مرزا اسکو خوشی سے قبول کر لیتے ہیں یہی بے تکلفانہ اور دوستانہ مراسم عمر بھر جاری رہے، نمونہ کلام۔

پرکالہ ایک میرے دل پاکباز کا ۔۔۔ سرمایۂ دکان ہے ہر آئینہ ساز کا

ٹھوکریں کھاتا ہے میرا کاسۂ سر خاک میں ۔۔۔ بعد سر کٹنے کے بھی ایک دردِ سر پیدا ہوا

بعد مردن بھی نہ دیکھا اوج میری خاک نے ۔۔۔ ربط ہوتے ہی ہوا سے ابر تر پیدا ہوا

کریں امید وفا خاک اہل محفل سے ۔۔۔ صراحی مے کی جو رونے لگی ایاغ ہنسا

آرزو دل کی نہ اے شوق شہادت نکلی ۔۔۔ سخت جانی سے مری خنجر قاتل ٹوٹا

کیوں فریب زندگی میں کھا کے آفت میں پھنسا ۔۔۔ مجھ کو آنا تھا سمجھ کر عالم اسباب میں

بگولے لیتے ہیں تعلیم مجھ سے ہرزہ گردی میں ۔۔۔ کہ آندھی میں ہوں دریا جنوں کی خاک اڑانے میں

یاد ہے چشمۂ خنجر کی روانی مجھ کو ۔۔۔ کہ دیا نزع میں کس لطف سے پانی مجھ کو

ہم بیک روح چلے جانب گلزار عدم
سرہستی کی مبارک ہو گراں جانوں کو

شیفتہ، نواب مصطفےٰ خاں رئیس جہانگیر آباد

محمد مصطفےٰ خاں نام تھا۔ عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضےٰ خاں بہادر مظفر جنگ کے بڑے صاحبزادے تھے آپ کے والد ماجد نے لارڈ لیک کے ساتھ رہ کر بڑے بڑے کام انجام دیئے جس کے صلے میں ہوڈل۔ پلول کا علاقہ جاگیر میں ملا۔ جہانگیر آباد کا علاقہ خود انھیں کا خرید کردہ تھا جو اب تک ان کے اخلاف کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء کو بمقام دہلی پیدا ہوئے سن شعور کو پہونچ کر تعلیم و تربیت کیطرف توجہ کی آپ کی تعلیم کے لئے رسم زمانہ کے موافق وہ بہتر سے بہتر سامان فراہم کئے گئے جو ایک مقتدر رئیس کے لئے کئے جا سکتے ہیں چنانچہ مولوی محمد نور اور مولوی کرم اللہ مرحوم سے جو نہایت مشہور محدث تھے آپ نے عربی تعلیم پائی۔ اور فقہ، حدیث، منطق و دیگر کتب درسیہ سے فراغت حاصل کی جب حج کو تشریف لے گئے شیخ محمد عابد سندھی مشہور محدث سے حدیث کی سند حاصل کی آپکا قیام زیادہ تر اپنے علاقہ جہانگیر آباد میں رہتا تھا۔ مگر دہلی میں بھی برابر تشریف لاتے اور یہاں کے باکمالوں کے مجمع میں شریک ہوتے رہتے تھے۔ اور بسبب علم و فضل کے اپنے امثال و اقران میں نہایت ممتاز شمار کئے جاتے تھے ہنگامۂ غدر کے بعد آپ پر بھی بغاوت کے الزامات قائم ہوئے۔ اور سات برس کی سزا کا حکم ہوا مگر آخر بے قصور ثابت ہوئے اور بالکل بری کر دیئے گئے پھر آخر عمر تک نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرکے ۱۲۸۶ ہجری میں انتقال کیا۔

شعر و شاعری کا ابتدا سے عمر ہی سے ذوق تھا۔ جیسا کہ خود اپنے تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں "فقیر از آوان صبا باین شغل منوط بودہ واکثر عمر گرامی را رائگان داد"

فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور فارسی میں حسرتی، اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ اردو کلام پر حکیم مومن خاں سے اور فارسی میں مرزا غالب سے اصلاح لیتے تھے جوانی تک یہ شغلہ نہایت زوروں پر تھا اور دہلی کے باکمالوں کے مجمع میں شریک ہوتے غزل سرائی کرتے اور داد سخن لیتے تھے خود بھی مجلس مشاعرہ کا انعقاد کرتے تھے مگر جب سے کہ حج کیا اور شاہ محمد اسحاق صاحب سے بیعت کی اس وقت سے یہ مشغلہ بہت کم ہو گیا تھا۔ مذہبیات کیطرف زیادہ توجہ تھی مگر پھر بھی تفنن طبع یا احباب کے اصرار سے کچھ نہ کچھ فرماتے رہتے تھے البتہ جب حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی سے تجدید بیعت کی اور حلقۂ مشائخ میں داخل ہوئے اس وقت ذوق شاعری نہ رہنے کے برابر رہ گیا تھا اور تصوف اور مذہبیت کیطرف پوری توجہ تھی۔

مرزا غالب سے آپکے تعلقات اول اول صرف بحیثیت دوست کے تھے مگر آخر میں جب آپ حکیم مومن خاں کے بعد اردو فارسی کلام میں مرزا سے مشورت کرنے لگے تو ارتباط و خلوص اور بھی بڑھ گیا تھا مرزا کی نظم و نثر کے ایک زبردست قدرداں تھے چنانچہ مرزا کا ایک خط پہونچا تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ایے از نفس خامۂ مشکین رقم تو — نسرین کدہ در جیب بغل باد صبا را

بود و والانامہ آمد و با نثر نثرہ نثار و اشعار شعری شعار اندازۂ اعتبار خویش برگرفتم و ہم مرتبہ نظم و نثر دانستم۔ آن سینہ را بیک آئین نورانی انباشت و این دل را بیک سحر فروغ شیدا آگیں ساخت۔ آن بجود شوق نمود و این ہستی و دانش افزود۔ بر آن سرم کہ پارہ از وصف ہمایون نظم و بہجت نثر رقم کنم کہ عرصۂ سخن فراخ۔ و طبع من چالاک ولے ترسم کہ یکیش اغراق گوید و دیگریش غلو خواند و ندانند کہ اگر مہر را مہر و ماہ را ماہ گفتہ شود چہ غلو و کدام اغراق تواند بود۔ گل را رنگینی و بوئے بہست و دل را اثرے و ذوقے اگر آنچہ دران است بر لب آید چرا شگفت نماید یا بجملہ از طرز شاعرانہ میگذرم

کہ چنیں نیرنگی احتمال با با اوست سخن سادہ و بیرنگ میگزارم۔
اسی رقعہ میں آگے چلکر مرزا کا عرفی اور طالب سے مقابلہ کرتے ہیں اور عرفی کی غزل پر کوئی غزل یا قصیدہ پر قصیدہ دیکھ کر فرماتے ہیں۔

"طرفہ اوج وجاہے در بارگاہ مبدأ فیاض نصیب بخت بلند حضرت است کہ ہمیں یکرہ کہ صدرہ دیدہ ام۔ تشریف تان دیگر و تشریف دیگران دیگر۔ عرفی و طالب را درین زمین نظمے است و ہم شمار انظمے۔ ایں دیگر است و آن دیگر سیرابی معنی در سخن عرفی مسلم است و لے لفظ شگفتہ کو۔ شادابی الفاظ در گفتار طالب بجا است امامعانی تازہ کجا ہمانا چنیں نغز گوئی و نادرہ سنجی و بخشش صاحب نتادہ است ولیس نوش گفتہ است۔

کم افتد چنیں نکتہ پرواز کم   کہ ناگہ زند لفظ و معنی بہم"

ایک جگہ مرزا صاحب کے دیکھنے کے آرزومند ہیں اور طلب جواب کیلئے یہ فقرے لکھتے ہیں "طبع حریص است کہ لختے گلہ از دردِ دوری سر دہد و دلے خالی کند۔ اما بے بے نسبت است بچہ آنجا کہ مجبور درقم سنجی در نیم و امید دارد ایں مایہ جرارت را نیرواز کجا خیزد۔

عرفی تو نامہ آرائی دمن پاسخ طلب   زود بربال کبوتر بند مکتوب مرا

مرزا صاحب کو بھی شیفتہ کی قابلیت کا اعتراف ہے اور ان کو دل سے عزیز رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

غالب ز حسرتی چہ سرائیم کہ در غزل   چوں او تلاش معنی و مضموں نکردہ کس
آں ہمائے تیز پروازم کہ باد   در ہوائے مصطفیٰ خاں میزنم
غالب بہ فن گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

اسی طرح اور بھی متعدد مقامات پر اس قسم کے شعر پائے جاتے ہیں مرزا کی محبت

کا یہ عالم ہے کہ جب یہ سنتے ہیں کہ نواب مصطفیٰ خاں ماخوذ ہو گئے، حسرت کرتے ہیں افسوس کھاتے اور کہتے ہیں کہ ہائے وہ نازپروردہ یہ قید سخت کیونکہ برداشت کریگا۔ جب رہائی کی خبر سنتے اور معلوم کرتے ہیں کہ میرٹھ میں آگئے ہیں اور وہیں ایک مکان لیکر مقیم ہیں تو فوراً ڈاک میں سوار ہو کر میرٹھ بعجلت جاتے ہیں اور جبتک اپنی آنکھوں سے شیفتہ کو دیکھ نہیں لیتے صبر نہیں آتا۔ دوستوں سے بار بار ان کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اردوئے معلی کے بہت سے رقعوں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ شیفتہ کی تعریف کی داد یوں دیتے ہیں کہ برابر اپنی غزلیں انکو بھیجتے رہتے ہیں۔ نواب صاحب تذکرہ گلشن بیخار کی تقریظ کیلئے لکھتے ہیں تو مرزا صاحب کہتے ہیں کہ "ابھی فرصت نہیں لیکن لکھوں گا اور جلد لکھوں گا" پھر کہتے ہیں کہ "تذکرہ کے اجزا واپس کرتا ہوں اور ڈرتے ڈرتے ایک بات کہتا ہوں۔ اپنے گزرے ہوئے دوست کا حق دوستی ادا کرتا ہوں۔ مرزا احمد بیگ خاں ابن ہادی بیگ خاں برادر نواب احمد بخش خاں کا حال رہگیا ان کا تاباں تخلص تھا کلکتہ کے رہنے والے تھے چار برس ہوئے کہ انتقال کر گئے انھوں نے آپ کے تذکرے کیلئے کلام بھی دیا تھا مگر نواب میر محمد خاں سرور کی غفلت سے کلام ضائع ہو گیا۔ اب اگر [illegible] تو ان کے لڑکے احمد خاں سے منگا لیجئے۔ انھیں ضرور درج کر دیجئے مجھ پر احسان ہوگا" ایک جگہ نواب کے بھیجے ہوئے آموں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہیں ان سے دوسرے عطیوں پر [illegible] ہوتے ہیں، کہیں غزلیں منگاتے ہیں، کبھی خود جہانگیر آباد ملنے جاتے ہیں۔ غرضکہ ہر طرح سے دوستی اور اتحاد کے ادائے حقوق میں مصروف رہتے اور آخر عمر تک اس وضع کو نباہتے ہیں۔

شیفتہ نہایت متشرع پابند صوم و صلوٰۃ صالح بزرگ تھے لیکن امیرانہ اور علمی اشغال میں اپنا وقت صرف کرتے رہتے تھے ایک دیوان اردو، ایک دیوان فارسی ایک تذکرہ موسوم بہ گلشن بیخار ایک سفرنامہ حج جس کا عربی نام [illegible]

انی احسن الممالک" اور فارسی نام رہ آورد ہے، آپ سے یادگار ہیں۔

اردو فارسی دونوں زبانوں کی شاعری میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے فارسی کی نسبت مولانا حالی کی رائے ہے کہ مرزا کے بعد ان کے معاصرین میں سے کسی کی غزل ان سے لگا نہیں کھاتی تنقید میں انکا وہ درجہ ہے کہ ان کے داد نہ دینے سے شاعر کی نظر میں خود اپنا شعر بے وقعت ہو جاتا تھا۔ دونوں زبانوں کا نمونہ کلام یہ ہے۔ کلام اردو

شکل بانند پری اور یہ افسون وفا ۔۔۔ آدمی کا نہیں مقدور بچانا دل کا
شیفتہ صبر کرو ایسی بھی کیسا بیتابی ۔۔۔ جو کوئی ہو تمھیں احوال سنانا دل کا
شیشہ اتار شکوہ کو بالائے طاق رکھ ۔۔۔ کیا اعتبار زندگی مستعار کا
اے مرگ آکہ میری بھی رہجائے آبرو ۔۔۔ رکھا ہے اس نے سوگ عدو کی وفات کا
کون کہتا ہے کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر ۔۔۔ جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شب ہجراں دیکھا
یار کو محروم تماشا کیا ۔۔۔ مرگ مفاجات نے یہ کیا کیا
سب باتیں انھیں کی ہیں یہیچ بولیو قاصد ۔۔۔ کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا
مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنعاں نے جوانی میں ۔۔۔ کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ ۔۔۔ اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی
شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر ۔۔۔ ق ۔۔۔ دینداری و پارسائی کی
اب وہ یوں بت پرست ہو جائے ۔۔۔ شان ہے تیری کبریائی کی
خجل ہوں آپ ہیں بے وقت اپنے آنے سے ۔۔۔ تم اور کرتے ہو ہمنس ہنس کے شرمسار مجھے
وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی ۔۔۔ میں کیا بتاؤں رات مجھے کس کے گھر ملے
پڑے صبر آرام کی جان پہ ۔۔۔ مری جان ہے صبر و بیتاب کا

کلام فارسی

دو عشق و نوجوانی از دین و دل گزشتیم ۔۔۔ از ما سلام گوید پیران پارسا را

خندہ چہ خوش شیوہ ایست ازلبِ قہرعتاب | لذتِ دیگر بود زخمِ نمک سود را
ایں لالہ کہ رُستہ از گلِ ما | داغیست کہ بود بردلِ ما
کارِ ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد | مرغِ بسمل شدہ را ہم سرِ پرواز بے است
زشورِ حشر وراں انجمن سخن می رفت | بعشوہ گفت کہ یک فتنہ ازخرامِ من است
جانم بلب رسیدہ وچشمم براہِ تست | دارم زعمرِ رفتہ امیدِ وفا ہنوز
یافلک آدم نہ داند غیر را | یا حدیثِ مردم آزاری غلط
گرپارۂ نازنیں تو رنجید میامیا | ازدور برجنازۂ مومن نماز کن
خوش آندم کزہجومِ شکوۂ تلخے زیرلب گویاں | تو برخیزی زناز وحسرتی درد امن آویزد
اینہا کہ می کنی تو بمن من کنم بہ او | گردانے کہ با تو مرا آشنا کرد
بادسادگانِ خویش وفا می توان نمود | دل برامیدِ وعدۂ فردا نہادہ اند

بیاد طاعتِ مقبول را بہ یغما بر
خلل بکارِ دعاہائے مستجاب انداز

صاحب عالم مارہروی

حضرت سید صاحب عالم قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کے ایک نہایت فاضل متبحر اور کامل درویش تھے آپکے جدامجد حضرت شاہ برکت اللہ المتوفی ۱۱۴۲ھ ایک نہایت زبردست صوفی صافی اور مرتاض تھے ان کے انتقال کے بعد امرائے وقت نے ان کے مزار پر ایک گنبد نما تعمیر بنوائی جو اسوقت درگاہ برکاتیہ کے نام سے موسوم ہے شاہ صاحب موصوف کے دو صاحبزادے تھے جنھوں نے ان کے انتقال کے بعد جداجدا دو سجادے قائم کئے اور اسیوقت سے دو خانقاہیں قائم ہوئیں اور

جس قدر جائدادیں شاہانِ وقت سے ملی تھیں وہ ان دونوں خاندانوں پر تقسیم ہوگئیں اور آدھی آدھی ہر ایک کے حصہ میں آئی۔ ان خانقاہوں میں ایک کا نام سرکار کلاں اور دوسری کا نام سرکار خورد تھا۔ حضرت صاحب عالم سرکار خورد کے سجادہ نشین تھے آپ کا سنہ ولادت سنہ ۱۲۱۱ھ ہے ایک مرتبہ مرزا غالب نے سنہ ولادت دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میرا سنہ ولادت تاریخ کے لفظ سے نکلتا ہے مرزا کے پاس جب یہ خط پہونچا تو انھوں نے اپنی خداداد ظرافت کی بموجب یہ شعر لکھ کر بھیجا ؂

ہاتفِ غیب تب کہ یوں چیخا   ان کی تاریخ میرا تاریخنا

اس لفظ تاریخنا سے مرزا کا سال ولادت سنہ ۱۲۱۲ھ نکلتا ہے۔

صاحب عالم ایک نہایت زبردست فاضل اور متبحر عالم تھے عربی و فارسی کے بے مثل جاننے والے اور علاوہ علوم تصوف و اشغال درویشی کے شعر و شاعری کے بھی دلدادہ تھے۔ چار دیوان شاعری عاشقانہ اور ایک دیوان نعتیہ، متعدد مثنویاں اور نظمیں ان سے یادگار ہیں جو ہنوز طبع نہیں ہوئیں اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا پورا کلام محفوظ نہیں ہے ممکن ہے کہ اور کچھ بھی دستبرد زمانہ سے غارت اور برباد ہو چکا ہو۔

آپ کی ابتدائی تعلیم فرخ آباد میں ہوئی اس کے بعد مدت العمر مارہرہ میں قیام رہا مرزا غالب آپ سے سن میں ایک برس چھوٹے تھے مگر تعلقات برادرانہ اور دوستانہ تھے۔ آپ کا بھی یہ عالم تھا کہ مرزا سے ملاقات کے متمنی رہتے تھے اور ہمیشہ چشم براہ تشریف آوری تھے اور مرزا کا بھی یہ رنگ تھا کہ ایک ایک لفظ سے عقیدت اور خلوص محبت کا اظہار ہو رہا ہے۔ ہمسنی کا تقاضہ ہے کہ ادب کے ساتھ ظرافت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور اپنی ستم ظریفی کے زور میں فقرے کے فقرے ظرافت کے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ چودھری عبدالغفور سرور کو

خط لکھنے بیٹھتے ہیں تو صاحب عالم کا دھیان لگا ہے پورے پورے خطوں میں روئے
سخن صاحب عالم کی طرف ہے اگر کچھ دنوں مراسلت میں دیر ہوتی تو بے چین ہو جاتے
ان کو لکھتے ہیں چودھری عبدالغفور سرور کو لکھتے ہیں اور جواب منگا کر مطمئن
ہوتے ہیں۔

صاحب عالم کا خط گھسیٹ اور کسی قدر بے ربط تھا اور کہیں آداب کو نظر
انداز فرما دیتے تھے کبھی قلم پر قط نہیں۔ کبھی دوات خراب کبھی سیاہی پھیکی کاغذ ایسا
کہ حرف لکھا اور ادھر سے ادھر پھوٹ نکلا مرزا ایک تو خوشخط۔ دوسرے نازک مزاج
ان کو بھلا یہ تاب کہاں کہ گھنٹوں بیٹھ کر پڑھیں غور کریں حرف نکالیں دبی زبان
سے صاحب عالم سے اقرار کرا لیا کہ خط کا مضمون بتائیں تو وہ نگر لکھیں چودھری صاحب
کچھ دن کے بعد شاید یہ دستور العمل موقوف ہو گیا صاحب عالم نے پھر اپنے ہاتھ سے
خط لکھ کر بھیجا مرزا جز بز ہوئے آخر چودھری صاحب کو یہ لکھا کہ "آگے حضرت صاحب
کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے حضرت
نے نہ مانا اور یہ عبارت بدستخط خاص لکھی۔ واللہ باللہ نہ مجھ سے اور نہ کسی سے
پڑھی گئی ناچار آپ کا خط بھی آپ کو بھیجتا ہوں حضرت سے کچھ نہ فرمائیے گا مگر اس
عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھجوا دیجئے گا ضرور اور جلد" ایک اور جگہ لکھتے ہیں"
"یہ خط ناچار از روئے اضطرار واپس بھیجتا ہوں واسطے خدا کے میرے پیر و مرشد
کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیجئے۔ تاکہ مجھ بے چارے
کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے" مگر باوجود اس کے آداب و پاس دوستی
و بزرگی اس قدر ملحوظ ہے کہ ہمیشہ تاکید رہتی ہے کہ کہیں صاحب عالم آزردہ
نہ ہو جائے۔ عقیدت کا یہ عالم کہ عالم تصور میں تحریر کو تقریر بنا کر چودھری عبدالغفور
سے کہہ رہے ہیں "جناب چودھری صاحب آؤ ہم تم حضرت صاحب عالم کے پاس

چلیں اور آنکھیں ان کے کف پائے مبارک سے ملیں میں سلام کروں گا۔ آئم معارف ہونا کہ غالب یہی ہے۔ اہل دہلی میں آپ کی دید کا طالب یہی ہے میں نے عزم قدمبوسی کیا حضرت نے مجھے گلے لگایا الخ چونکہ فیما بین ملاقات صوری نہ ہوئی تھی لہذا ایک خط میں شاہ عالم (خلف جناب صاحب عالم) کو لکھتے ہیں: "یارب جب تک صاحب عالم کو مارہرہ میں اور الوزار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو ایک مرتبہ صاحب عالم کو مرزا کے مارہرے آنے کے ارادے کی اطلاع ملی بے چین ہو گئے اور لکھا کہ روز روانگی سے مطلع فرمایئے مرزا نے جواب میں لکھ بھیجا حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے۔ میں نے مرشد زادے کے خط میں کب اپنا عزم لکھا۔ یا کس نے آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روز روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں ہاں آپ کی قدمبوسی کی تمنا اور الوزار الدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لیجاؤں گا اور اتفاق سے یہی ہوا۔ آخر تک ملاقات ظاہری نہ ہو سکی دونوں جانب سے اشتیاق رہ گیا۔

صاحب عالم نے ۱۲۸۷ھ میں بمقام مارہرہ ۲ ماہ محرم الحرام انتقال کیا اور گنبد درگاہ میں حضرت شاہ برکت اللہ کے پہلو سے جنوب میں مدفون ہوئے آپکے اخلاف میں جناب احسن مارہروی ہیں جو ایک مشہور شاعر و ادیب ہیں اور انھیں سے اکثر یہ حالات معلوم ہوئے۔

عزیز مرزا یوسف علیخاں

یوسف علیخاں عزیز بنارس کے رہنے والے تھے مگر بسلسلۂ ملازمت

دہلی میں قیام تھا اور اسکول میں پڑھاتے تھے مرزا کے شاگردوں اور عقیدتمندوں میں تھے۔ خود نقاد کامل تھے چنانچہ انیس و دبیر کے مرثیوں میں بہت سی غلطیاں انھیں نے نکالی ہیں انکے نام کا ایک خط پایا جاتا ہے جس میں انھوں نے مرزا سے ان کا کلام مانگا ہے اور مرزا نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ میرا کلام میرے پاس نہیں ہے تلف ہو گیا اگر میرے کلام کا اشتیاق ہے تو مطبع منشی نولکشور سے منگا کر دیکھ لو اگرچہ عزیز کا کلام زیادہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ مگر انھیں دو تین شعروں سے جو مل سکے ان کی جودت طبع کا پتہ چلتا ہے ؎

بد طالعی سے نیک نہ ہوگا مآل کار
بگڑی میں کوئی کام بنایا نہ جائے گا

ناصح کی نالوانی میں ہم سن کے کیا کریں
ہم ان کے آستاں سے اٹھایا نہ جائے گا

ہم یہ کہ اپنی موت کو تم بن طلب کریں
تم وہ کہ ہم کو تم سے بلایا نہ جائے گا

علائی۔ نواب علاء الدین احمد خاں جاگیردار لوہارو

نواب علاء الدین احمد خاں نواب امین الدین احمد خاں کے صاحبزادے تھے جو اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ریاست لوہارو کے مسند نشین ہوئے عربی فارسی کے ماہر اور شعر و شاعری کے دلدادہ تھے۔ ان کو ۱۸۶۱ء میں جب شعر و شاعری کا ذوق دامنگیر ہوا تو مرزا نے نیستی تخلص تجویز کیا۔ انھوں نے اول اول تو کچھ نہ کہا مگر پھر مرزا کو لکھ بھیجا کہ نیستی کی تصحیف نیشی سے ہو سکتی ہے لہٰذا اسے بدل دیجئے مرزا نے لکھا کہ تمہارا تخلص تو بہت اچھا ہے نیشی کو بہ تکلف اسکا مصحف کیوں ٹھہراؤ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ خدا کی نفی کو جہیم فارسی سے۔ بدلو نیی کو بتقدیم موحدہ علی النون لکھو۔ یہ وساوس دل سے دور کر دو ربہر وایک اچھا تخلص ہے۔ زہرو ایکی

تجنیس موجود ہے شیون ایک اچھا تخلص ہے ستون اسکی تصحیف ہی تمہارے واسطے
بمناسبت اسم اعانی تخلص خوب تھا مگر اس تخلص کا ایک شاعر بہت بڑا نامی گزر چکا ہے
ہاں نامی سامی یہ دو تخلص بھی اچھے ہیں۔ مولانا غالب کی پیروی کرو مولانا لائق کہلاؤ اگر
کہو کہ اس ترکیب سے لفظ نالائق پیدا ہوتا ہے۔ مولانا شائق بنجاؤ۔ ہنسی کی باتیں ہو چکیں
اب حقیقت واقعی سنو نسیمی تخلص خماسی بروزن ظہوری و نظیری اچھا ہے اگر بدلنا ہی منظور
ہے تو نامی سامی۔ رہرو شیون یہ چار تخلص رباعی بروزن عرفی و غالب اچھے ہیں ان میں
سے ایک تخلص قرار میرے نزدیک سب سے بہتر تمہارے واسطے خاص فخری تخلص بہتر ہے
کہو گے کہ آزادپور کے باغ میں ایک درخت فخری ہے حاصل کلام دو دن کی فکر میں جو
تخلص میرے خیال میں ہے وہ آج لکھ بھیجتا ہوں۔ بھائی موید تخلص نیا ہے اگر پسند آئے تو
رکھو" مرزا کے کہنے سننے سے نواب صاحب مان گئے چنانچہ مرزا نے اکثر خطوط میں نسیمی ہی
تخلص سے القاب میں خطاب کیا ہے پھر ایک قطعہ تاریخ میں جو خود مرزا نے ان کے نام سے
انکے بچے کے مرنے کے غم میں لکھا ہے نسیمی تخلص کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں "ایکو سب
جانتے ہیں کہ میں مادۂ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں لوگوں کے اٹھے دیتے ہوئے نظم کرتا
ہوں اور جو مادہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں وہ بیشتر لچر ہوتا ہے چنانچہ اپنے
بھائی کی تاریخ کا مادہ "دریغ دیوانہ" نکالا پھر اس میں سے "آہ" کے عدد گھٹائے
تمام دو پہر اسی میں رہا یہ نہ سمجھا کہ مادہ ڈھونڈھا تھا کہ نکالے ہوئے دو لفظوں
کو تاکا کیا کہ کسی طرح سات اسپر بڑھا دوں بارے ایک قطعہ درست ہوا مگر تمہاری
زبان سے یعنی گویا تم نے کہا ہے پانچ شعر ہیں تین شعر زائدہ و موضع مدعا لیکن میں نہیں
جانتا کہ تعمیہ اچھا ہے یا برا ہے ہاں اخلاق تو البتہ ہے تامل سے سمجھ میں آتا ہے اور
شاید لوح مزار پر کھدوانے کے قابل نہ ہو۔ قطعہ

بسکہ شد از بہاری محمل از [illegible] — وز کسے الوداع بچشم رما کرد

ناچار بگریم شب و روز کہ ایں لیل   باشد کہ بود کالبد از آب و گل آزما
گفتی کہ نگہدار دل از کشمکش غم   خود گرد بر آور دو غم جاں گسل آزما
پیچیدہ شد و از شعلۂ سوز غم ہجرش   چوں شمع و دود و دود و لبسر متصل ازما
غم دیدہ نسیمی پئے تاریخ وفاتش   بنوشت کہ در داغ پسر رفت دل ازما

ما کے عدد اکتالیس دل کے عدد چونتیس ما میں سے دل گیا گویا اکتالیس میں سے چونتیس گئے باقی رہے سات ۵۵ داغ پسر پر بڑھائے ہم ۱۲۷۱ ہاتھ آئے مگر یہ تخلص نسیمی اسی زمانہ میں علائی کے ساتھ بدل دیا گیا تھا چنانچہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء یعنی ۴ برس بعد کی ایک غزل میں جو مرزا نے علائی کی فرمائش سے لکھی ہے۔ یہ مقطع لکھا ہے ؎

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی   ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی

علائی اگرچہ رشتہ کے بھتیجے اور مرزا سے چھوٹے تھے مگر مرزا نے اس خوردی کے مراتب میں ان کے ساتھ دوستانہ اور بے تکلفانہ روش کی اس طرح آمیزش کر دی تھی کہ خطوں کے دیکھنے والے کو بمشکل یہ تمیز ہوتی ہے کہ کاتب مکتوب الیہ کا دوست ہے یا کوئی بزرگ ہے یا استاد ہے یا کوئی عزیز، مرزا کو غالباً اس خاندان میں سب سے زیادہ علائی کے ساتھ تعلق تھا وہ ان سے اتنے بے تکلف تھے کہ اس خاندان کے دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ عالم نہیں ہے کہیں انکو بلند اقبال لکھتے ہیں کہیں میری جان کہیں مولانا علائی۔ کہیں مرزا نسیمی۔ کہیں یار بھتیجے۔ کہیں صرف میاں کہیں صرف صاحب۔ جب کوئی تنبیہ منظور ہوتی ہے تو بے تکلف مگر اس طرح کہ ان کے مراتب ملحوظ رہیں ڈانٹ دیتے ہیں جب داد دیتے ہیں تو اسطرح کہ اپنی بزرگی کا بھی لحاظ رہے۔ ایک جگہ ان سے کہتے ہیں "خفقان اور مراق اگرچہ تمہارا خانہ زاد موروثی ہے لیکن آج تک تمہاری خدمت میں حاضر نہوا تھا۔ اب کیوں آیا۔ اگر آیا تو ہرگز اسکو نہ ٹھہرنے دو

بانک دو پنجر وارا اسکو اپنے پاس رہنے نہ دیتا۔ علاء الدین خاں کی اپنے والد نواب امین الدین احمد خاں سے کچھ صفائی نہ تھی مگر ۱۸۶۵ء میں قلوب میں کچھ صفائی پیدا ہوئی اور محبت و ارتباط قائم ہوا مرزا کو خبر ہوئی تو انھوں نے شوخی سے حافظ کے مصرعوں پر ایک مصرعہ لگا کر علائی کو بھیجا ؎

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح فتاد	حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
قدسیاں بہر دعائے تو و والا پدرت	قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

لڑکے کے پیدا ہونے کی مبارکباد یوں دیتے ہیں کہ "خدا اس نئے مہمان کا قدم مبارک کرے" ایک جگہ فرماتے ہیں "مولانا نسیمی کیوں خفا ہوتے ہو ہمیشہ سے اسلاف اخلاف ہوتے چلے آئے ہیں اگر وزیر خلیفہ اول ہے۔ تو تم خلیفہ ثانی ہو اس کو عمر میں تم پر تقدم زمانی ہے جانشین دونوں ہو مگر ایک اول ایک ثانی ہے" اسی طرح جابجا وہ وہ لطیفے وہ وہ گل فشانیاں ہیں کہ کاغذ باغ و بہار نظر آتا ہے اور پڑھنے والے کا دل پھول کی طرح کھلا جاتا ہے۔

علائی نظم و نثر دونوں میں مرزا سے اصلاح لیتے تھے اور مرزا بڑی خوشی کے ساتھ اس محنت شاقہ کو برداشت کرتے تھے آخر عمر یعنے مرنے سے کچھ دن پہلے ایک سند لکھ کر علائی کو دی تھی اس میں لکھتے ہیں" میں نے دبستان فارسی کا تم کو جانشین قرار دیکر ایک کل لکھ دیا ہے۔ اب جو چار کم اسی برس کی عمر ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا مہینوں کی نہ رہی شاید بارہ مہینے جس کو ایک برس کہتے ہیں اور جیوں۔ ورنہ دو چار مہینے پانچ سات ہفتے دس بیس دن کی بات رہ گئی ہے اپنے ثبات حواس میں اپنا اپنے دستخط سے یہ توقیع تم کو لکھے دیتا ہوں کہ فن اردو میں نظماً و نثراً تم میرے جانشین ہو چاہیئے کہ میرے جاننے والے جیسا مجھ کو جانتے تھے ویسا تم کو جانیں اور جیسا مجھ کو مانتے تھے تم کو مانیں۔ کل شیء ھالک و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

یکشنبہ سلخ صفر ۱۲۸۵ھ ۲۱ جون ۱۸۶۸ء مقام دہلی"

علائی مرزا کی شاعری کے ایسے دلدادہ تھے کہ تقریباً ہر خط میں غزل منگاتے تھے۔ مرزا کا آخری وقت تھا ضعف بڑھا ہوا جگرکاوی کی طاقت نہیں پھر بھی کبھی کبھی غزلیں بھیجتے رہتے تھے۔ اور جب عاجز آتے تو خفا ہوتے ایک دفعہ یوں لکھا تمہارا باپ بدگمان ہے یعنے مجھ کو زندہ سمجھتا ہے میر اسلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ کر سنائیو

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی　　بدست مرگ نہ لے بدتر از گمان تو نیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑی ہے۔ وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ہے۔ زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا مجھ پر سے یہ تکلیف اٹھوا لو۔ اور تم اس زمین میں چند شعر کہہ کر بھیجدو میں اصلاح دیکر بھیجدوں گا۔ عصائے پیر بجائے پیر" کہیں لکھتے ہیں " اشعار تازہ مانگتے ہو کہاں سے لاؤں عاشقانہ اشعار سے مجھ کو وہ بعد ہے جو ایمان سے کفر کو" ایک جگہ لکھتے ہیں " تم نے اشعار جدید مانگے خاطر تمہاری عزیز۔ ایک مطلع اور صرف دو مصرع آگے کے کہے ہوئے یاد آگئے کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں ان پر فکر کر کے ایک مطلع اور پانچ شعر سات بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں بھائی کیا کہوں کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہاتھ آئی ہیں اور وہ بھی بلند رتبہ نہیں" چونکہ مرزا کی تحریر کے موافق بجز ایک مطلع ایک شعر اور ایک مقطع کے دیوان میں بقیہ شعر نہیں ہیں لہٰذا وہ سب یہاں لکھے جاتے ہیں۔

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے　　غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے　　تمہاری طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے　　کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بخم کیا ہے
لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود　　کسے خبر ہے کہ واں جنبش قلم کیا ہے
نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا　　خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

وہ داد و دید گرانمایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

افسوس کہ علائی مرحوم کا کلام نہیں مل سکا کہ بطریق نمونہ درج کیا جاتا۔

نواب میر غلام بابا خاں

نواب میر غلام بابا خاں عرف چھوٹے صاحب سورت کے رئیس تھے اور گورنمنٹ کی جانب سے خطاب یافتہ تھے نہایت ہی با اخلاق بذلہ سنج اور سخن فہم بھی تھے خود شاعر نہ تھے مگر شاعروں کے بڑے قدرداں تھے پہلے مرزا سے صرف برائے نام آشنا تھے مگر جب میاں داد خاں سیاح اپنے وطن سے آئے اور نواب صاحب کے زمرۂ مصاحبین میں داخل ہوئے تو ان سے مرزا کے اوصاف حمیدہ سنے اور غائبانہ ان کے حسن کلام کے دلدادہ ہو گئے آخر اگست یا اوائل ستمبر سنہ ۱۸۶۳ء مطابق ۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۰ھ میں پہلا خط مرزا صاحب کو لکھا اسی خط میں نواب میر جعفر علیخاں کے مرگ بے ہنگام کی خبر لکھی گئی تھی۔ نواب میر جعفر علیخاں میر غلام بابا خاں کے عزیز تھے اور سورت کے اعیان اور نامور رؤسا میں ان کا شمار تھا جو سنہ ۱۲۸۰ھ میں بعمر ۴۶ سال فوت ہو گئے تھے مرزا نے یہ خط دیکھا اور جواب میں لکھا کہ افسوس ہے آپ کو پہلا ہی خط تعزیت نامہ کے طریق پر لکھنا پڑا اسی خط میں ان کی تاریخ وفات لکھ کر بھیجی جو درج ذیل ہے ؎

گردید نہاں مہر جہانتاب دریغ
شد تیرہ جہاں بچشم احباب دریغ
ایں واقعہ را ز روئے زاری غالب
تاریخ رقم کرد کہ نواب دریغ

روئے زاری ز ائے ہوز کے اعداد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ نکلتے ہیں۔

اس کے بعد سلسلہ مراسلت جاری رہا اور نواب صاحب کا حسن اعتقاد مرزا کے ساتھ برابر ترقی کرتا رہا ہمیشہ مالی امداد مرزا کو پہونچاتے۔ اور طرح طرح سے اعانتیں کرتے رہے مرزا کی ملاقات کے اتنے متمنی تھے کہ بار بار خطوط میں مرزا کو سورت بلاتے تھے مگر وہ اپنی مجبوریوں کیوجہ سے عذر کرتے اور نہ پہونچ سکتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب اسی طرح کا خط آیا تو مرزا نے جواب میں لکھا "اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری میں مقرر آپ تک پہونچتا اور آپ کے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا" ایسے ہی ایک مرتبہ ماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۸۴ھ میں نواب صاحب کے لڑکوں یا اور کسی عزیز کی شادی تھی۔ اس میں مرزا کو بھی سورت بلایا گیا مگر انھوں نے وہی عذر کر دیا اور لکھا کہ "یہ سواری ریل روانہ ہونے کی دل میں آئی۔ پاؤں سے اپاہج کانوں سے بہرا ضعف بصارت ضعف دماغ ضعف دل ضعف معدہ ان سب ضعفوں پر ضعف طالع کیونکر قصد سفر کروں تین چار شبانہ روز کس طرح قفس میں بسر کروں ایک گھنٹہ میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے" اسی طرح سے بار بار عذر کر دیتے مگر برابر نواب صاحب کے مداح و ثنا گر رہتے تھے۔ اور ان کو اپنا محسن جانتے تھے ہر جشن ہر تقریب شادی غمی کی تاریخیں کہہ کر بھیجتے اور نواب بھی عقیدت کے جوش میں برابر ان کی خدمت کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ نواب صاحب کے یہاں صاحبزادہ پیدا ہوا مرزا نے تاریخی نام سید وجاہت علیخاں تجویز کر کے لکھا جس سے ۱۲۸۴ھ نکلتے ہیں فرماتے ہیں کہ "کیوں حضرت صاحبزادے کا اسم تاریخی پسند آگیا یا نہیں نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خان بھی عجب ہے اگر پسند نہ آئے" سنہ ۱۸۶۶ع میں نواب صاحب کی صاحبزادی کی بسم اللہ کی تقریب میں یہ تاریخ لکھ کر بھیجی ؎

خجستہ اختر دلستان نشین بیگم — بہ فیض ہمت نواب و یمن اقبالش
چو از پئے ادب آموزی است نوش بادش — اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

اسی سال نواب صاحب کسی بڑے مقدمے میں عدالت عالیہ سے کامیاب ہوئے مرزا کو خبر ہوئی تو فوراً یہ قطعہ تہنیت روانہ کیا ؎

فتح سید غلام بابا خاں خود نشانِ دوامِ اقبال است

ہم ازیں رو بود کہ غالب گفت کہ ظفر نامۂ ابد سال است

نواب صاحب نے اپنا فوٹو مرزا کو بھیجا تو مرزا نے سیاح کے توسط سے جواباً یہ لکھا کہ "حال تصویر کا یہ کہ میں نے اسے سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا۔ گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا لیکن اس کا سبب نہ معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی خیر دیدار تو میسر ہوا گفتار بھی اگر خدا چاہے گا تو سن لیں گے۔"

ایک مرتبہ نواب صاحب نے ایک گھڑی تحفۃً مرزا کی خدمت میں بھیجی۔ مرزا نے سیف الحق سیاح کو لکھا "حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی بھلا یہ میرے کس کام کی چار دن سوچا کیا کہ پھیر دوں پھر سوچا کہ برا مانیں گے آخر کو گھڑی رکھ لی۔ سنہ ۱۲۸۲ھ میں نواب صاحب کے یہاں ایک فرزند تولد ہوا تو مرزا نے تاریخ لکھ کر بھیجی ؎

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہِ چاردہ بر فرازِ لوحِ گردوں گردۂ تمثالِ اوست

فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب از سرِ تا ز و طرب فرزند فرخ فال اوست

ایک مرتبہ نواب صاحب نے سو روپیہ بھیجے تو مرزا نے سیاح کو لکھا چھوٹے صاحب نے بڑی جوانمردی اور ہمت کی اس صرف میں میرا کام ہوا ان کا نام ہوا اللہ اللہ اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ نہ میں نے ان کو دیکھا اور نہ انھوں نے مجھے دیکھا۔ نہ میرا کوئی حق ان پر ثابت نہ ان کو کوئی خدمت مجھ سے لینی منظور۔ خیر فقیر ہوں جب تک جیوں گا دعا دوں گا۔"

مرزا کے خطوط نواب صاحب کے نام سنہ ۱۸۶۸ء تک کے ملتے ہیں۔ اور ۱۵ ارفروری سنہ ۱۸۶۹ء کو مرزا کا انتقال ہوا اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ جو مراسم پہلے

دن سے شروع ہوئے وہ آخر وقت تک اسی طرح قائم رہے۔

غلام نجف خاں (حکیم)

عضد الدولہ حکیم غلام نجف خاں حافظ محمد مسیح الدین خاں کے بیٹے شیخو پور کے رہنے والے تھے، شیخو پور مضافات بدایوں میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے حکیم صاحب موصوف اصل میں شیخ فاروقی ہیں مگر دربار شاہی سے خانی کے خطاب سے سرفراز ہوئے اسی وجہ سے نام کے ساتھ یہ خطاب بھی شامل ہو گیا۔

ان کے جد ششمین شیخ فرید المخاطب بہ محتشم خاں عہد جہانگیری و شاہجہانی میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز اور منصب پنجہزاری ذات اور پانچہزار سوار سے سرفراز تھے چنانچہ جہانگیر نے ان کی استدعا پر انھیں چار ہزار بیگہ آراضی موضع مولیا میں سے آبادی و سکونت کے واسطے دی تھی جس میں انھوں نے ایک قلعہ کی بنیاد ڈالی تھی اور اسکا نام جہانگیر کے نام پر شیخو پور رکھا تھا کیونکہ جہانگیر کا نام زمانہ شاہزادگی میں شیخو بابا تھا اور اکبر ہمیشہ جہانگیر کو اسی نام سے پکارا کرتا تھا اسی طرح شیخ فرید کے والد نواب قطب الدین خاں جو حضرت شیخ سلیم چشتی فتحپوری کے عزیزوں میں تھے عہد اکبری میں صوبہ داری صوبہ بہار اور جہانگیر کے عہد میں منصب پنجہزاری ذات و سوار و خلعت خاصہ و شمشیر و اسپ خاصہ بازین مرصع اور عنایات شاہانہ سے سرفراز ہو کر دارالملک بنگالہ اور اڑیسہ کی صوبہ داری پر جو پچاس ہزار سوار کی جگہ تھی مامور ہوئے۔

حکیم غلام نجف خاں اپنے خالو میر سید علی صاحب کے ساتھ جو کمپنی کیطرف سے تحصیلدار تھے اور پھر نواب گورنر جنرل بہادر کے میر منشی ہوئے پانچ برس کی عمر میں

دلی میں وارد ہوئے اور جب سن تمیز کو پہونچے تو یہیں کی سکونت اختیار کی ابتدائے عمر سے علم طب کی طرف طبیعت کو لگاؤ تھا اسلئے بعد تحصیل علوم درسی و ضروری طب کیطرف مائل ہوئے اور حکیم صادق علیخاں صاحب ابن حکیم شریف خاں سے کتب درسیہ طب کی تکمیل کی اور حکیم احسن اللہ خاں بہادر کے مطب میں نسخہ نویسی کی مشق بہم پہونچائی حکیم احسن اللہ خاں سے قرابت تھی لہذا انھوں نے بھی زیادہ توجہ کی تعلیم کی وجہ سے چندہی روز میں کامل اور شہر کے مشہور اطبا میں شمار ہونے لگے اور یہاں تک اس فن میں نامور ہوئے کہ ظل اللہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے دربار سے عضد الدولہ اور نبان بہاری کا خطاب پایا۔ بعد انتزاع سلطنت سرکار کمپنی بہادر کیطرف سے شہر کے پرانوں کے علاج کیواسطے مامور اور متعین ہوئے نہایت ذہین، ذکی اور حاذق اطبا میں تھے۔

حکیم صاحب مرزا کو اپنا بزرگ مانتے اور باپ کے برابر جانتے تھے اور فن شعر میں انھیں سے مشورت کرتے تھے چنانچہ ان تعلقات کا مرزا اپنے ایک خط میں ذکر کرتے ہیں حکیم غلام نجف خاں سنو اگر تم نے مجھے بنایا ہے یعنی استاد اور باپ کہتے ہو یہ امر از روئے تسمیہ ہے تو خیر اور اگر از روئے اعتقاد ہے تو میری عرض مانو اور میر اسنگھ کی تقصیر معاف کرو بھائی انصاف کرو اس نے اگر حکیم احسن اللہ خاں سے رجوع کی وہ بھی ہمارے بھائی ہیں اور تم کو ان سے استفادہ بھی ہے اگر وہ کبھی اگر حکیم محمود خاں کے پاس گیا تو انکے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے ابتدا میں ان سے پڑھتے ہو پس غریب تمھارے سوا سے اگر گیا تو بھی تمھارے ہی بھائی ہیں گیا وہ بھی گھبرا کر اور نقصان سے تنگ آکر اب جو جا بجا ہوتا ہے تو اس پر بہ نسبت سابق کے توجہ زیادہ فرماؤ بیماری اسکا معالجہ کرو۔

مرزا کو ان سے اتنی محبت تھی کہ جا بجا ان کی ملاقات کے شائق ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور ہمیشہ ان سے ملنے کے دل سے متمنی رہتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں

"اگر دل بٹھنا قسمت میں ہے تو دیکھ لیں گے۔ ورنہ اناللہ وانا الیہ راجعون" ایک جگہ کہتے ہیں کہ تمھارے یہاں نہ ہونے سے جی گھبراتا ہے کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین کا آنا یاد آتا ہے کہو اب خیر سے کب آؤ گے۔ کے برس کے مہینے کے دن۔ آہ دکھاؤ گے" اس محبت کا یہاں تک اثر تھا کہ مرزا صاحب کی بیوی ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور اپنے بچوں کی طرح ان سے پیش آتی تھیں۔ مرزا باہر سے خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جاؤ گھر میں اپنی استانی کو یہ خط سنا دو۔ روزانہ فرمائش کرتے ہیں کہیں کہتے ہیں کہ چاول عمدہ خرید کر بھیجو کہیں کہتے ہیں کہ مازالحم کھنچوا دو چونکہ یہ غدر کے زمانہ میں شیخوپور چلے گئے تھے اسواسطے مرزا سے برابر ان کا حال پوچھتے رہتے ہیں اور مرزا یہاں کی تباہیوں کا تذکرہ اس دردناک طریقے سے کرتے ہیں کہ جی بھر آتا ہے۔

حکیم صاحب کے بیٹے ظہیر الدین کو مرزا ایسا چاہتے تھے کہ کہیں اس کو اپنا پیارا پوتا لکھتے ہیں کہیں خط میں اس کا سلام نہ پہنچنے پر خفا ہوتے ہیں کہیں اس کا اپنے گھر آنا یاد کرتے ہیں غرضکہ وہ محکم اور راستوار تعلقات ہیں جو عزیزوں اور رشتہ داروں میں بھی نہیں ہوتے ایک ایک لفظ سے محبت اور تعلق کی ایک داستان پیش نظر ہو جاتی ہے مرزا حکیم کے طور پر چشم نمائی بھی کرتے ہیں اور کہیں ان کی ذہانت کی داد بھی دیتے ہیں اور حکیم صاحب انکو اپنا بزرگ سمجھ کر آداب ملحوظ رکھتے ہیں اور انکے خطوط کے مشتاق رہتے ہیں۔

قدر میر غلام حسنین بلگرامی

میر غلام حسنین ... کا اور میر خلف علی آپ کے والد ماجد کا نام تھا حسینی سید قصبہ بلگرام محلہ سلہرہ کے معزز لوگوں میں تھے ۱۲۳۹ھ میں بمقام قصبہ مذکور پیدا ہوئے

اور ایک مشہور بزرگ سید سلطان علی نے[۲۸] آپ کا نام تاریخی غلام حسنین رکھا جس کی طرف خود قدرؔ نے اپنی ایک رباعی میں اشارہ کیا ہے ؎

سو جان سے ہوں فدا رے نام حسنین ہے چشم و دل و جگر مقام حسنین
ہم روز ولادت سے ہوئے نام آور تاریخی نام ہے غلام حسنین

آپ شیعہ مذہب رکھتے تھے اور سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے سن شعور پر پہونچنے کے بعد آپ کی تعلیم شروع ہوئی اور ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد آپ نے بلگرام ہی میں فارسی شروع کی اور اس سے فراغت کر کے عہد واجد علیشاہ میں لکھنؤ آئے شعر و شاعری کا شوق پہلے ہی سے تھا یہاں امان علی سحر سے اصلاح لینا شروع کی اور انھیں کے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہو گئے اسی زمانہ میں مرزا محمد رضا برقؔ سے عروض و قافیہ پڑھا اسکے بعد غازی الدین حیدر کی بیگم مخاطب بہ سرفراز محل کی سرکار میں منشی ہوئے اور اسی زمانہ میں برقؔ کو بھی کلام دکھانا شروع کیا سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق سنہ ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ سے بلگرام چلے آئے۔

سنہ ۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ ہوا۔ دلی پر تباہی آئی اسی زمانہ میں بہت سے لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر جان بچانے کے لئے اطراف و جوانب میں نکل گئے چنانچہ مرزا غالب کے بھانجے مرزا عباس بیگ اور مرزا قادر بخش صابرؔ اور نواب غلام حسین شاہجہانپوری المتخلص بہ حسین بھی آوارہ وطن ہوئے اور بلگرام میں وارد ہوئے یہاں ان کی نہایت خاطر تواضع کی گئی اور ان آوارہ وطن اور پریشان حال مسافروں کو حتی الوسع آرام پہونچایا گیا۔ قدرؔ کی اسی زمانہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور مرزا غالب کے اوصاف حمیدہ انھیں لوگوں سے سُنے۔

غدر کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد آپ پنجاب چلے گئے اور فوج میں میر منشی ہو گئے مگر کچھ جی نہ لگنے اور کچھ آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے دہلی چلے آئے اور مرزا کی،

خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسودات اور کلام کو اصلاح کے لئے پیش کیا اور کچھ دن وہاں رہ کر لکھنؤ آ گئے یہاں شیخ امداد علی بحر سے نظم پر اصلاح لینا شروع کی مگر اسی دوران میں مرزا سے بھی برابر استفادہ کرتے رہے چنانچہ خود کہتے ہیں ؎

سیکھے سحر و برق سے بندش کے بند — پھر غالب و بحر نے بتائے پیوند
مجھ سا بھی زمانے میں نہ ہوگا اے قدر — بدنام کنندۂ نکو نامے چند

غدر کے بعد ہی صوبہ اودھ کی ضلع بندی ہوئی اور بلگرام ضلع ہردوئی میں شمار کیا گیا یہی زمانہ جا بجا اسکول و مدارس قائم ہونے کا تھا۔ اتفاق سے مرزا عباس بیگ جو مرزا صاحب کے بھانجے تھے اس زمانہ میں ضلع ہردوئی میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے انہی کی تحریک سے قدر فارسی پڑھانے کے لئے اسکول میں مقرر ہوئے مگر چونکہ شاعری کا شوق زوروں پر تھا اور اس زمانہ میں بھی وہی اشغال جاری تھے۔ اس واسطے اکثر طلباء کو شاعری کا شوق پیدا ہوا اور تعلیم میں حرج واقع ہوا اسی وجہ سے افسر بالا نے رپورٹ کر دی اور آپ ریاضی سیکھنے کے لئے لکھنؤ بھیج دیئے گئے۔

علم ریاضی کی تحصیل کے بعد رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خاں بہادر ظہیر کی جگہ کیننگ کالج لکھنؤ میں اورنٹیل ڈپارٹمنٹ میں مدرس فارسی مقرر ہوئے اور ۱۸۸۳ء تک یہاں رہے یہیں پنڈت جٹا شنکر پانڈے سے عروض ہندی یعنی پنگل بھی پڑھا۔

۱۸۸۴ء نواب آغا مرزا بیگ نبیرۂ غالب مرحوم کی تحریک پر بنارس گئے حضور نظام سابق یہاں تشریف فرما تھے اور مسند نشینی کا زمانہ قریب تھا چنانچہ قدر نے بھی ایک قصیدہ تہنیت کہا جس کے صلہ میں چار سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا اور آپ کو حیدرآباد میں رہنے کا حکم ہوا۔

قدر مرحوم اکثر بیمار رہتے تھے اور قدیم سے نحیف الجثہ واقع ہوئے

تھے۔ آخر حیدرآباد سے بلگرام چلے آئے اور یہاں سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۸۹۲ء روز یکشنبہ انتقال کیا۔ اور میر خدا بخش کی کربلا میں دفن ہوئے۔ جناب محمد لکھنوی نے تاریخ وفات کہی ع دو ہزار و سہ صد و یک قدر از دنیا بشد۔ نیز قدر کے اس مصرع سے بھی بعض لوگوں نے تاریخ نکالی ع یہاں سیڑھی پڑھا لے کو ہر اک دیوانہ آتا ہے

مرزا ان پر بہت مہربان تھے تحریر کے ذریعہ سے ہمیشہ رموز و اسرار نظم و نثر سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور نہایت مہر و محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ان کی بیکاری کے زمانہ میں منشی نولکشور صاحب کے مطبع میں ان کو رکھا دیا اور قدر مرحوم نے کچھ روز وہاں تصحیح کی خدمات بھی انجام دیں۔

مرزا کو اگر کوئی بات بتانی ہوتی تو نہایت مہذب اور شیریں طریقے سے ان کو آگاہ کر دیتے تھے اور وہ بھی سعادت سمجھ کر اس کو بسر و چشم قبول کر لیتے۔ ایک مرتبہ مرزا عباس بیگ کے لڑکوں کا ذکر خط میں آیا قدر نے دانستہ یا سہواً انھیں مرزا کا نواسہ لکھ دیا جب یہ خط مرزا کو ملا تو جواباً لکھا "صاحب تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا مرزا کی بیوی میری بھتیجی نہیں ہے۔ تم نے جو لکھا ہے کہ میرے

۱؎ وضع قطع یہ تھی کہ دبلے پتلے میانہ قد آدمی تھے سر پر پٹے رکھتے تھے جو گردن کے پاس سے مڑے ہوئے تھے اور جن کو کبھی کبھی ہاتھ سے تاؤ بل دیتے رہتے تھے لباس میں وضعداری کا شوق کپڑے نہایت صاف اور نفیس پہنتے تھے اور صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے راقم الحروف جب ۱۸۸۸ء میں کیننگ کالج میں پڑھنے کے لیے داخل ہوا تو میرے محترم بزرگ مرزا خداداد بیگ برادر زادہ ڈپٹی عباس مذکور مجھ کو اپنے ساتھ لے گئے تھے ان سے اور قدر مرحوم سے تعلقات قدیمانہ تھے انھیں دو آدمیوں کی وساطت سے میرا نام کالج میں لکھا گیا تھا۔

نواسے کی شادی ہے کیا سمجھ کر لکھا ہیں مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا بھانجے کی اولاد پوتا پوتی ہے نہ نواسہ نواسی" مگر باایں ہمہ مرزا ان کو اپنا معین اور قوت بازو جانتے تھے چنانچہ قاطع برہان کے جواب میں جب محرق قاطع لکھی گئی تو مرزا نے قدر سے جواب کی خواہش کی لکھتے ہیں تم میرے یار ہو اور میری خدمت گذاری کے حقوق ہیں تم مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے مجھ سے منگوا لو میں ہر موقع پر خطا اور زلت مولف کا اشارہ کر دوں گا۔ تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر میں تولو۔ عامی نہیں ہو عالم ہو آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر محرق کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں تمہارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان۔ ایک سوالات عبد الکریم مع استفتاء و افتاء دستخطی علمائے دہلی موجود ہیں اور اب یہ اس کتاب کے ساتھ میرے ارشادات سردست پہونچیں گے تم کو معارضہ بہت آسان ہو گا۔ مدعی کا کلام در اصل لغو پھر تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود۔ اور یہ تین نسخے معقول۔ اس پر مزید علیہ محرق اور صاحب محرق کا خاکہ اڑ جائیگا۔ میرے اس خط کے پہونچتے ہی جواب لکھئے اور اجازت بھیجئے کہ میں نسخہ نامطبوعہ محرق بسبیل ڈاک بھیجدوں مگر جس دن سے کہ کتاب پہونچ جائے آپ اسی دن سے اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجئے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجئے پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے"

اسی طرح بہت سے نکات علمی ہیں باہم مراسلت رہی اور یہ سلسلہ مرزا کے آخر عمر تک قائم رہا۔

قدر کی تصانیف میں ذیل کی کتابیں مشہور رہیں مثنوی قضا و قدر، واسوخت عطر مجموعہ۔ رسم عرفی فی قصائد عرفی۔ نظم الارکان فی تقطیع ابیات گلستان۔ قواعد العروض مع ہنگل مصطلحات اردو نا تمام۔ کلیلہ و دمنہ نظم دیوان غزلیات و قصائد۔

چند شعر نمونتاً درج کیے جاتے ہیں جن سے ان کی افتاد طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے

عید کو میخانہ میں ہم رند پہونچے اسطرح — جسطرح پرہیز توڑے مردم بیمار کا

کہاں تک کہوں بے وفا یاد رکھنا — سبق ہوگیا روز کا یاد رکھنا

نہ آگے بڑھیں گے قدم تیرے قاصد — یہی ہے وہاں کا پتا یاد رکھنا

کہا یاد رکھنا تو بولے بگڑ کر — چلو جاؤ آئے بڑا یاد رکھنا

اچھا ہوا اور آئینہ دیکھ — لے گھر ہیں ترا جواب نکلا

ہے سلامت جو سنگِ دران کا — سیکڑوں مجھ سے درد سر لے لے

لے چلی دل نگاہِ دزدیدہ — دوڑا اسے قدر دیکھتا کیا ہے

ان کا پورا کلام دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ کلام میں لکھنؤ کا رنگ زیادہ اور دہلی کا رنگ کم ہے تصنع آورد تشبیہات کے دلدادہ ہیں جذبات کم ہیں۔

کامل مرزا باقر علیخاں

مرزا باقر علیخاں مرزا زین العابدین خاں عارف کے بیٹے تھے جنھیں عارف کی جوانا مرگی کے بعد مرزا ہی نے پرورش کیا اور مرزا ہی کے دامن تربیت میں انھوں نے پرورش پائی۔

مرزا زین العابدین خاں عارف نواب غلام حسین خاں متخلص بہ مسرور کے فرزند رشید نواب شرف الدولہ فیض اللہ بیگ خاں بہادر سہراب جنگ کے پوتے اور مرزا صاحب کی بیوی کے بھانجے یعنی نواب آلہی بخش خاں معروف

کے حقیقی نواسے تھے۔ مرزا صاحب کے زیر تعلیم اور انھیں کے دامن تربیت سے وابستہ تھے۔ اوائل جوانی سے شعر گوئی کی طرف میلان تھا اور اپنے نانا کے تخلص معروف کی رعایت سے عارف تخلص اختیار کیا تھا۔ مرزا صاحب سے علاوہ تعلقات قریبی کے اصلاح بھی لیتے تھے نہایت خوش گو۔ خوش فکر۔ نیک مزاج۔ جوان صالح تھے نمونۂ کلام کے طریق پر چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

سخت شرمائے ہیں اتنا نہ سمجھتا تھا انھیں ۔۔۔ چھیڑنا تھا تو کوئی شکوہ بیجا کرتا
نہ آئے سامنے میرے اگر نہیں آتا ۔۔۔ مجھے تو اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا
لکھیں وہ ہمیں نامہ سمجھ میں نہیں آیا ۔۔۔ کیا اور ہمارا کوئی ہم نام نہ ہوگا
گر ازل میں مجھ کو دیتے مانگنے کا اختیار ۔۔۔ خضر کی عمر اور میخانہ کی خدمت مانگتا
دیوانگی میں عیز کو دوں خاک گالیاں ۔۔۔ اب مانتا ہے کون برا میری بات کا

افسوس کہ عارف نے عین عالم شباب میں ۱۸۵۲ء میں مرزا کے حین حیات ہی میں انتقال کیا۔ مرزا کو ان کے مرنے سے وہ ناقابل برداشت صدمہ ہوا۔ کہ اپنے بہت سے بچوں کے مرنے کا نہ ہوا تھا چنانچہ انھیں کے غم میں ایک غزل میں چند اشعار بطریق مرثیہ لکھے ہیں جو ان کے دیوان میں موجود ہیں ؎

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف ۔۔۔ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف نے دو لڑکے چھوڑے ایک حسین علیخاں دوسرے باقر علیخاں مرزا کی بیوی نے ان دونوں بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا اور مرزا نے بھی ہمیشہ ان کو اپنا فرزند حقیقی جانا۔ جیتے جی ان کی ناز برداریاں کرتے رہے اور کبھی یہ نہ معلوم ہونے دیا کہ باپ مرگیا ہے۔ جہاں جاتے پالکی میں اپنے ساتھ لیجاتے کبھی انگلی پکڑتے اور ساتھ ساتھ لئے پھرتے دونوں کی تعلیم و تربیت مرزا ہی نے کی اور انھیں سے شعر و شاعری کے رموز سیکھنے جوان ہو نے پر الور میں ملازم ہوگئے تھے مگر

افسوس کہ مرزا کے انتقال کے بعد دونوں جوان مرگئے۔ نمونہ کلام مرزا باقر علیخاں کامل

اٹھانے پڑیں گے نہ ساقی کے ناز / کہ پیر مغاں آشنا ہو گیا

یاد آنا کسی کے کاکل کا / تیرہ سازِ شبِ جدائی ہے

مجروح میر مہدی

مرزا کے عزیز ترین شاگرد میر مہدی مجروح۔ میر حسین نگار کے بیٹے اور دلی کے قدیم باشندوں میں تھے ہنگامہ غدر میں دلی کو چھوڑ کر پانی پت چلے گئے تھے مگر وہ شورش اور ہنگامہ فرو ہوتے ہی پھر دلی آگئے۔ کچھ دنوں تک مہاراجہ الور کے وظیفہ خوار رہے مگر وہاں سے بسبب بعض وجوہات کے چلے آئے اور آخر عمر میں نواب رام پور کی قدردانی سے رام پور آئے۔ اور زمرہ مصاحبین میں داخل ہو گئے۔

۱۳۱۶ھ میں اپنا دیوان مظہر معانی ترتیب دیا۔ ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۲۱ھ میں انتقال کیا۔ میر مہدی مجروح مرزا غالب کے ان عزیز شاگردوں میں تھے جن پر مرزا کو ہمیشہ ناز رہا جن کو انھوں نے ان الفاظ کے ساتھ زبان کا سارٹیفکٹ دیا تھا۔ دلی کے تمام احاطہ کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی۔ یہ طرزِ عبارت خاص میری دولت ہے سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اس کو بحل کیا۔ اللہ برکت دے۔"

مجروح کو اوائل عمر ہی سے شعر و شاعری کا ذوق تھا اور اول ہی سے انھوں نے اپنا کلام مرزا کو دکھایا۔ مرزا کو بھی انکے ساتھ وہ تعلق خاطر تھا کہ جنہیں

روز میں اپنی نگاہ توجہ سے کامل بلکہ اکمل بنا دیا۔ اسمیں شک نہیں کہ مرزا کا رنگ مجروح کے کلام میں کم ہے مگر زبان کی سلاست اور عذوبت سادگی اور روانی اس درجہ پر ہے کہ بڑے بڑے استادوں کے یہاں نہیں پائی جاتی۔

مرزا صاحب ان پر اپنے فرزندوں کیطرح عنایت کرتے تھے چنانچہ اکثر خطوط میں نور چشم اور برخوردار لکھتے ہیں اور ہمیشہ وہ رعایات ملحوظ رکھتے ہیں جو ایک بزرگ کو خورد کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ لطیفے اور چٹکلے بھی ہوتے جاتے ہیں۔ دلّی کی تباہی کے حالات قلمبند کرتے جاتے ہیں۔ میرن صاحب مجتہدالعصر میر سرفراز حسین اور میر نصیرالدین پر فقرے کستے جاتے ہیں ضرورت ہوتی ہے تو کہیں چشم نمائی بھی کرتے ہیں مگر وہ بھی اسی انداز خاص سے کہ زہر بھی شکر ہو جائے چنانچہ ایک خط میں مجروح نے کچھ تعلّی اور مشیخیت کی لی تھی۔ لکھنؤ کی زبان کو دلی سے گھٹایا تھا۔ دلی کو مرکز زبان بتایا تھا مرزا ان سب باتوں کو لغو اور مہمل سمجھتے تھے۔ انکے جواب میں لکھتے ہیں "او میاں سید زادے آزادے دلی کے عاشق دلدادے، ڈھئے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو برا کہنے والے، نہ دل میں مہر و آزرم۔ نہ آنکھ میں حیا و شرم نظام الدین ممنون کہاں ذوق کہاں مومن خاں کہاں، ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالب وہ بیخود و مدہوش نہ سخنوری رہی نہ سخندانی کس برتے پر تتا پانی۔ ہائے دلّی وائے دلی بھاڑ میں جائے دلّی" کہیں انکی روش پر ان کو داد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میر مہدی جیتے رہو۔ آفریں صد ہزار آفریں اردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔

جب کہیں مذاق کرتے ہیں تو اس طرح جیسے منھ سے پھول جھڑتے ہیں۔ مذاق بھی ہوتا جاتا ہے کیرکٹر بھی ظاہر کرتے چلے جاتے ہیں، خود بھی ہنستے ہیں دوسروں کو بھی ہنساتے ہیں "میر مہدی تم میری عادت کو بھول گئے۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی جامع مسجد کی تراویح ناغہ ہوئی ہے؟ میں اس مہینہ میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے اور

بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاندرات کے دن یہاں آپہونچا یکشنبہ کو غرۂ ماہ مقدس ہوا اسی دن سے صبح کو حامد علیخاں کی مسجد میں جاکر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں شب کو مسجد جامع جاکر تراویح پڑھتا ہوں کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جاکر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں واہ واہ کیا اچھی عمر بسر ہوتی ہے"

کسی خط میں میر سرفراز حسین، میر نصیر الدین، میرن صاحب، حکیم اشرف علی کو نہیں بھولتے، اور خاص باتیں ہوتی جاتی ہیں خطوط کی عبارت محض عبارت نہیں ہوتی بلکہ اس سے صاف صاف ایک تصویر نظر آتی ہے جیسے کوئی شخص اپنا سینہ چیر کر بلا کم وکاست ہر چیز کا معائنہ کرا رہا ہے اور کوئی راز کسی قسم کا چھپانا نہیں چاہتا ایک ایک لفظ میں خلوص۔ ایک ایک فقرے میں محبت کی ایک طویل داستان پنہاں ہے دیکھنے والا اندازہ کرسکتا ہے کہ وہ کسی حالت میں میر مہدی کو تفتہ سے اور تفتہ کو اپنے قوت بازو اپنے بھائی اپنے رفیق اپنے فرزند سے کم نہیں جانتے ہر خط میں وہی یکسانیت وہی ہمواری۔ کیا مجال کہ بال برابر روش میں کہیں فرق آئے اول سے آخر عمر تک ایک ہی رنگ رہا جو آج تک ان خطوط سے جھلک دکھا رہا ہے۔

لالہ بہاری لال مشتاق مالک مطبع اکمل المطابع نے جب اردوئے معلی شائع کی تو میر مہدی سے دیباچہ کی فرمائش کی اور انھوں ہی نے دیباچہ لکھا۔ نمونۂ کلام ؎

طالب خلد ہیں اور آپ کو اس پر زاہد — سالک مسلک تسلیم ورضا کہتے ہیں
غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھ کو برا جانا — سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا
کیا عرض تمنا میں شکوہ نہ ستم کا تھا — میں نے تو کہا کیا تھا اور آپ نے کیا جانا
کہا جب دل نہ لیجاؤ تو بولے — کہ میرا اور تیرا ہے جدا کیا
تلافی آپ کو کرنی پڑے گی — نہ پوچھو حسرتیں دل میں ہیں کیا کیا

اپنوں سے ارتباط نہ غیروں سے اختلاط — یہ عمر اتنی تم نے گزاری خضر کہاں
ڈرو اے شیخ رند بے ادب ہے — ذرا چھوڑ دو یہ سمجھانے کی عادت
غالب آئے ہیں لاؤ اے مجروح — بادۂ ناب میں ملا کے گلاب
ہوا لازم پتنگے کا جلانا — کیا ہے اس نے اظہارِ محبت
اتنی بھی بے ادبی جذب زلیخا بس بس — یوسفِ مصر کو ظالم سرِ بازار نہ کھینچ
اللہ اللہ نیستی کے مزے — عیش سرمد بھلا دیا ہم کو
وہ نگاہیں پھریں تو آفت ہے — یہ زمانے کا انقلاب نہیں
پورا ہوا نہ کوئی زمانے سے اپنا کام — نالہ ہوں میں اگر تو بلب نارسیدہ ہوں
کیا کیا نہ بعد مرگ کے آسائشیں ملیں — میں قبر میں مسافرِ منزل رسیدہ ہوں
گرد دیتی ہے کارواں کا پتہ — یادگارِ گزشتگاں ہوں میں
وہ مخمور آنکھیں ذرا دیکھنا — یہ مستی کہاں بادۂ ناب میں
کوئی میرے دل ہی سے پوچھے اسے — تپش ہے جو آہِ جگر تاب میں
وہی رقیب سے یکساں ہے اسکا ربط نہاں — ہماری ضد سے زمانہ کو انقلاب نہیں

دل کی بے چینیاں گئیں نہ کہیں
اک خلش سی رہی کہیں نہ کہیں

مشتاق منشی بہاری لال

منشی بہاری لال مشتاق خلف منشی بہادر لال دلی کے رہنے والے مرزا کے شاگرد تھے ایک مطبع موسوم بہ اکمل المطابع کے مالک تھے اور اسی مطبع سے ایک اخبار موسوم بہ اکمل الاخبار نکالتے تھے جس کے وہ ایڈیٹر بھی تھے۔ لیاقت علمی معمولی تھی جس کا مرزا نے ایک خط میں اشارہ کیا ہے "چونکہ تم کو مشاہدۂ اخبار اطراف اور

خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا شغل تحریر ہمیشہ رہتا ہے بہ تقلید اور اثناء اردو کے تمہاری عبارت میں بھی املا کی غلطیاں ہوتی ہیں تم کو جا بجا آگاہ کرتا رہتا ہوں خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ بالکل زائل ہو جائے مرزا کے تعلقات انکے ماموں منشی مکند لال سے بہت گہرے تھے چنانچہ خط میں لکھ کر مشتاق کو سمجھاتے ہیں کہ "برخوردار بہاری لال تجھ کو تم سے جو محبت ہے اسکے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ تمہارے خال فرخ فال منشی مکند لال میرے بڑے پالنے یار ہیں خوش خو شگفتہ رو سبز لہ گو، دوسرے تمہاری سعادتمندی اور خوبی اور علم اور بقدر حال علم اردو۔ نظم و نثر میں تمہاری طبیعت کی روانی اور تمہارے قلم کی گل فشانی"

مشتاق بھی ہمیشہ مرزا کے احکام کے تابع اور ان کی خدمات کیلئے کمربستہ رہتے تھے چنانچہ اردو کے رقعات جمع کر کے پہلے انھوں ہی نے اپنے مطبع میں طبع کرلئے اور مدت العمر انواع انواع خدمات بجالائے۔ ان کے مطبع کے کاموں میں حکیم غلام رضا خاں، میر فخر الدین، حکیم غلام نبی خاں بھی معین اور مددگار رہتے تھے۔ جن کے بارے میں مرزا نے مشتاق کو تاکید لکھی ہے کہ ان حضرات کا دامن صحبت ہاتھ سے نہ چھوڑنا یہ لوگ غنیمت ہیں اور ان کے دم سے تمہارے اخبار کو چار چاند لگے ہوئے ہیں۔

اگرچہ مشتاق سے مرزا کے تعلقات کم نہ تھے مگر ہم شہر ہونے کیوجہ سے خط لکھنے کا اتفاق بہت کم ہوا ہے چنانچہ مجموعہ بھر میں صرف دو خط ان کے نام ملتے ہیں جن میں ایک ان کے والد کی تعزیت میں لکھا ہے اور ایک میں کچھ معاملات کا ذکر ہے۔

مشتاق کو اپنے افکار اور کاروبار ذاتی کی وجہ سے شعر و شاعری کی طرف توجہ کرنے کی فرصت بہت کم ملتی تھی مگر پھر بھی کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ

کہتے تھے اور مرزا سے اصلاح لیتے تھے نمونہ کلام یہ ہے ؎

یوں تیرے ساتھ بزم میں دشمن کا بیٹھنا — وہ اعتراض ہے کہ اٹھایا نہ جائے گا
ہوگا اثر جو ملیں تو خود جان لینگے وہ — مشتاق ہم سے عشق چھپایا نہ جائے گا
جہاں جاگے وہیں انگڑائیاں لو — یہاں پھیلائی ہے مستی کہاں کی

مہر۔ مرزا حاتم علی بیگ

مرزا حاتم علی بیگ متخلص بہ مہر آگرہ کے رہنے والے تھے آپ کا خاندان اصفہانی تھا۔ مگر آپ کے بزرگ کئی پشت سے آگرہ میں رہتے تھے سنہ ۱۲۳۰ھ میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پا کر سن شعور کو پہونچے۔ مرزا فیض علی بیگ آپ کے والد بزرگوار کا نام تھا جو عہد ایسٹ انڈیا کمپنی میں علیگڈھ کول کے تحصیلدار تھے آپ کے دادا مرزا مراد بیگ بعہد نواب شجاع الدولہ لکھنؤ آئے اور رکن الدولہ خطاب پایا اور ایک زمانہ میں رائے بریلی کے ناظم بھی رہے۔

معمولی تعلیم کے بعد ۱۴ برس کی عمر میں مہر کو شاعری کی طرف رجحان ہوا۔ اور اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا۔ شعر گوئی کی تحریک کا بڑا سبب یہ ہوا کہ ان کے بھائی مرزا عنایت علی بیگ ماہ خواجہ آتش کے شاگرد تھے انھوں نے اسی وجہ سے ناسخ کی شاگردی اختیار کی اور مہر تخلص رکھا سنہ ۱۸۴۸ء میں امتحان پاس کر کے چنار گڈھ ضلع مرزاپور میں بعہدہ منصفی مقرر ہوئے جیسا کہ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

ازبسکہ سوز ہجر کے خوگر ہوئے ہیں ہم — منصف چنار گڈھ کے مقرر ہوئے ہیں ہم

ایک عرصہ تک ہائی کورٹ کے وکیل بھی رہے۔

جب ۱۸۵۷ء میں ہنگامہ غدر زوروں پر تھا۔ افراتفری پڑی ہوئی تھی۔ ہر شخص

گوشۂ عافیت ڈھونڈھ رہا تھا اسی زمانہ میں مہر نے چند انگریزوں کی جان بچائی اور اپنے گھر میں پناہ دی جس کے صلہ میں ہنگامہ فرد ہونے کے بعد دو گاؤں سرکار انگریزی سے ان کو جاگیر میں دیئے گئے۔

مختلف جگہوں میں رہنے کے بعد وہ اپنے وطن مالوف آگرہ میں آ گئے اور یہاں آنریری مجسٹریٹ کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۸۷۵ء میں ایٹہ گئے یہاں ان کے بیٹے مرزا سخاوت علی تحصیلدار تھے اور اسی سن میں یہیں انتقال کیا۔ ان کا مذہب امامیہ تھا مگر نہایت بے تعصب اور نیک نہاد تھے ہندو مسلمان ہر ایک سے یکساں برتاؤ تھا۔ مہاراجہ بلونت سنگھ بنارس والے ان کے شاگرد تھے جس کے صلہ میں پچاس روپیہ ماہوار بطریق وظیفہ ملتا تھا۔

مہر کی تصانیف بہت ہیں۔ چنانچہ دیوان اردو موسوم بہ الماس درخشاں (تاریخی نام) یا خیالات مہر ۱۲۸۶ھ میں، ان کے پوتے مرزا قاسم حسین نے شائع کرایا ایک رسالہ "سرمایۂ عروض" فن عروض۔ ایک ابتدائے عہد انگریزی کی مختصر تاریخ موسوم بہ ایاغ فرنگستان۔ ایک مثنوی "داغ نگارہ" جو ایک دن میں تصنیف کی تھی ایک واسوخت ، داغ دل مہر" ایک مثنوی شعاع مہر۔ ایک کتاب شبیہ عسرت ضبط انتقام، ہنگام آخرت، عہد قیصر، پنجۂ مہر، توقیر شرف۔ اور کچھ نظمیں ہیں" ان میں سے بعض کتابیں مطبوعہ ہیں بعض ہنوز غیر مطبوعہ۔

مہر ایک کہنہ مشق شاعر۔ ناسخ کے رنگ کے پیرو تھے اور اس رنگ میں بہت خوب کہتے تھے۔ تاریخ گوئی میں خصوصیت سے ید طولیٰ حاصل تھا۔

مرزا کے ہموطن مگر نادیدہ دوست تھے جیسا کہ مرزا اپنے ایک خط میں ان کو لکھتے ہیں "کیا فرض ہے کہ جب تک دیدوادید نہ ہولے اپنے کو بیگانۂ یکدیگر سمجھیں البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں" یہ صحیح معلوم نہیں کہ کس طرف سے خط و کتابت

کی ابتدا ہوئی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ سلسلۂ مراسلت جاری ہوا اور اس طرح سے کہ انداز مکالمت کو عشر یا دیا صرف ایک دوسرے کو آنکھیں نہ دیکھ سکتی تھیں باقی ساری وہی باتیں تھیں جو ایک دوسرے کے ملنے میں میسر ہو سکتی تھیں ہنسی مذاق لطیفے چٹکلے، پھبتیاں غرض کہ وہ تمام باتیں تھیں جو مداحبہ میں ہوا کرتی ہیں۔

ایک روز مہر کی وجاہت ظاہری کا حال اپنے یہاں مرزا غالب بیان کر رہے تھے مرزا یوسف علیخاں عزیز بھی اس جلسہ میں موجود تھے اور سب سن رہے تھے مرزا نے اثنائے کلام میں کہا کہ مہر کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ خیر اسوقت تو ذکر ہو کر رہ گیا۔ مدت کے بعد کہیں عزیز آگرہ گئے مرزا کے یاد کرنے کا ذکر آیا۔ مہر نے خط لکھا اور کہا کیوں صاحب یوں ہمارا حلیہ سر محفل بیان کیا جاتا ہے۔ مرزا نے جواب لکھا تو اسطرح کہ دونوں شخصوں کی تصویریں ایک آئینہ میں کھنچ گئیں صرف خدوخال میں فرق رہا۔ باقی سر مو تفاوت نہیں۔ لکھتے ہیں "بھائی تمہاری طرحداری کا حال میں نے مغل جان سے سنا تھا جس زمانہ میں وہ نواب حامد علیخاں کی نوکر تھی اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل جان سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے اس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے بہر حال تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے تمہارے گندمی رنگ پر مجھ کو رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا۔ اور دیدہ ور لوگ اسکی ستائش کیا کرتے تھے اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آجاتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے ہاں مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ داڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے وہ مزے یاد آگئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گزری بقول شیخ علی حزیں ؎

یاد ستم بود زدم چاک گریباں　　شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے، ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی مگر یہ یاد رکھئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام ملا ، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیارہ، جولاہہ، کنجڑا منہ پر داڑھی سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم کیا بک رہا ہوں۔"

مہر کی کوئی محبوبہ معشوقہ مرگئی مرزا کو خبر ہوئی تعزیت کا خط لکھا۔ مگر ایسا کہ پڑھتے ہی دل سے رنج و غم جاتا رہے لکھتے ہیں" سنو جناب مرزا صاحب آپکا غم افزا نامہ پہونچا میں نے پڑھا۔ یوسف علیخاں عزیز کو پڑھوادیا۔ انھوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا۔ یعنی اس کی اطاعت اور تمہاری اس سے محبت سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا سنو صاحب شعرا میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر ہیں شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے، فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری بلکہ تم اس سے بڑھ کر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اسکو مار رکھتے ہیں میں بھی مغل بچہ ہوں عمر بھر میں نے بھی ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو مار رکھا ہے خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے ایک جگہ اسی بارے میں کہتے ہیں کہ "مصری کی مکھی بنو شہد کی مکھی نہ بنو کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے کیسی اشک فشانی۔ کہاں کی مرثیہ خوانی، آزادی کا شکر بجالاؤ غم نہ کھاؤ اگر ایسے ہی اپنے گرفتاری سے خوش ہو تو چنّاں جان نہ سہی منّا جان سہی

دستنبو کی طباعت اور اس کی تزئین کے اہتمام میں مہر کا بھی بڑا حصہ تھا اسکی تاریخ بھی کہی اور مرزا کے کہنے کے بموجب اس کی جلد بندی بھی کرائی۔ مرزا سے شعرو شاعری میں برابر تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا۔ مہر مرزا کے پاس اور مرزا مہر کے پاس اپنا کلام بھیجتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مہر نے کوئی قصیدہ بھیجا۔ مرزا اسکے جواب میں لکھتے ہیں "ناسخ مرحوم جو تمہارے استاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے مگر یک فنے تھے صرف غزل کہتے تھے قصیدہ اور مثنوی سے ان کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا۔"

مہر نے دستنبو کی مناسبت سے نام ید بیضا تلاش کیا جس کی مرزا نے بڑی داد دی۔ ایک مرتبہ مہر کی مثنوی دیکھی تو تحسین کی اور یہ شعر لکھ بھیجا ؎

خدا سے میں بھی چاہوں از رہ مہر — فروغ میرزا حاتم علی مہر

اتحاد و محبت آخر وقت تک قائم رہا اور ہمیشہ بھی اخلاص و یگانگت کا برتاؤ جانبین سے ہوا کیا۔ مہر کا کلام بالکل ان کے استاد کے رنگ میں ہے پھر بھی کہیں کہیں خوب کہتے اور مومن کا بھی اتباع کرتے تھے۔ نمونہ کلام ؎

چلیے بھی آؤ قیامت بھی ہو چکی صاحب — بڑا عذاب ہے رہتی ہے انتظار میں روح
نذر دل مانگتی ہیں آپ کی سرشار آنکھیں — عین مستی میں رہا کرتی ہیں ہشیار آنکھیں
کرتا غضب ابتک تو ہمارا دل بیتاب — رو کے ہوئے ڈانٹے ہوئے سمجھائے ہوئے ہیں
کیا بات تری اے لب جاں بخش ہو کیا بات — جیسے بھی ترے وقت میں دم کھائے ہوئے ہیں
ہو گی تمام رات بسر پیچ و تاب میں — دل پھنس گیا ہے زلف شکن در شکن میں آج

مفتی میر عباس

مفتی میر عباس صاحب اصل میں شوستری تھے مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ میں

گزارا اور واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے دربار میں بحیثیت مفتی زمرۂ مقربین خاص میں منسلک تھے۔ علاوہ تمام اہل شہر کے خود بادشاہ وقت بھی آپ کی عزت کرتے تھے اپنے وقت کے مجتہد اور علمائے متبحرین سے تھے۔ اور فرقہ امامیہ کے بے بدل عالم مانے جاتے تھے تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں مختلف علوم و فنون میں آپ کے یادگار ہیں۔ بہت سے ذی کمال آپ سے شرف تلمذ رکھتے تھے چنانچہ سید حامد حسین صاحب عقبات الانوار بھی آپ ہی کے شاگرد تھے۔ فارسی آپ کی اصلی زبان تھی مگر اسی طرح اردو عربی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ اسی وجہ سے تینوں زبانوں میں آپ کا کلام استادانہ موجود ہے۔ میر تخلص فرماتے تھے۔

مرزا ان کے خاص معتقدین میں تھے اور غالباً اسوقت ان سے ملے تھے جب وہ لکھنؤ آئے تھے۔ اسکے بعد سے مراسلت کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور مرزا اپنا کلام بھی بھیجتے رہے مفتی صاحب نے اردو کے خط کا اردو زبان میں اسی انداز اور اسی طرز میں مرزا کو جواب لکھا اور مرزا کی روش کی بیحد تعریف کی مرزا نے اپنی کتاب قاطع برہان بھی مفتی صاحب کے پاس بھیجی تھی اس کے بارہ میں لکھتے ہیں " قبلہ حضرت کا نوازش نامہ آیا میں نے اس کو حرز بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عز و افتخار ہے فقیر امیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی سراسر دیکھا جائے نہ پیش نظر دھرا رہے بلکہ اکثر دیکھا جائے میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے دیباچے اور خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ طرز عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطائف سے خالی نہ ہوگی گذارش لطافت سے خالی نہ ہوگی علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن پچپن برس سے محو سخن گذاری ہوں " مفتی صاحب نے ایک قطعہ بھی قاطع برہان کی تعریف میں مرزا کے پاس بھیجا تھا جس کے جواب میں مرزا نے لکھا کہ قطعہ تاریخ

کا کیا کہنا ہے۔ گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اس کا گہنا ہے۔" چونکہ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی نے آپ کی مبسوط سوانح عمری لکھی ہے اس لئے آپکے حالات وغیرہ لکھنا تحصیل حاصل سمجھ کر صرف نمونۂ کلام پر اکتفا کیا جاتا ہے ؎

شہید عشق ہوا میں تو کیا تعجب ہے — ترا مزار پہ آنا بڑا تعجب ہے
گزر ہوا کا بھی ہرگز نہیں ہے اس گل تک — پیام وصل کا کس نے کہا تعجب ہے
طپش ہے قلب میں اور آہ سرد ہونٹوں پر — یہ گرمی اور یہ ٹھنڈی ہو تعجب ہے
فائدہ ہوا کیا ریش پر رنگ خضاب آیا تو کیا — اے ضعیفی عارضی ایسا شباب آیا تو کیا

فارسی

منکہ عالی ہمت و والا نژاد افتادہ ام — بر زمین از دست چرخ کج نہاد افتادہ ام
شصت و پنج گشتہ ام از پیری عمر رواں — میروم چوں ابر تند و چوں جماد افتادہ ام
خستہ حالم خستہ جاں دل نازک و تن ناتواں — دوستاں رحمے کہ در اہل عناد افتادہ ام
از پریشاں حالی و جائے قرارم من بپرس — ہمچو برگ خشک اندر گرد باد افتادہ ام
ہمرہ عمر رواں جسم نزارم دادہ اند — بر ہوائے صرصر مشت غبارم دادہ اند
آہ گرم و داغ سینہ چوں لالہ زارم دادہ اند — در میان نار و جنت اختیارم دادہ اند

بیکس۔ میر احمد حسین

میر احمد حسین بیکس ابن میر کرار حسین دلی کے رہنے والے نہایت متین و مہذب جوان صالح تھے گو ان کا سلسلۂ نسب سادات عظام بارہہ سے ملتا تھا مگر خاص انکا گھرانا مدتوں سے دلی ہی میں آباد تھا اور نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ ان کے بھائی میر امداد علی جو آشوب تخلص کرتے اور میر نظام الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے اپنی لیاقت ذاتی اور وجاہت خاندانی کی

وجہ سے اپنے اقران میں بہت معزز و ممتاز اور دربار شاہی سے خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ وضعداری کا یہ عالم تھا کہ اس کے لئے لوگوں میں مشہور تھے بلکہ دیکھنے والے کہتے تھے کہ اس قسم کے پابند وضع لوگ دیکھے نہیں گئے۔

میکش رسم زمانہ کی موافق زیادہ تر فارسی میں شعر کہتے تھے کبھی کبھی اردو کی طرف بھی توجہ کر لیتے تھے۔ نہایت ذکی اور ذہین تھے طبیعت میں آمد بہت تھی مرزا سے شرف تلمذ حاصل تھا اور دونوں زبانوں کے کلام پر انہیں سے اصلاح لیتے تھے پانی پت میں بھی کچھ سلسلہ قرابت تھا چنانچہ وہاں کے بعض لوگوں سے بہت ارتباط تھا میر مہدی مجروح کے احباب خاص میں تھے اور وہ بھی اپنے متعدد خطوں میں مرزا سے انکا حال پوچھتے رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ غدر کے ہنگامے کے کچھ روز بعد میکش کی نسبت دریافت کیا تو مرزا نے لکھا کہ میکش اچھا ہے دلّی میں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے ایک جگہ میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں کہ "میر احمد حسین کا بھتیجا مر گیا ہے حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا اور کہنا کہ اگر تم میں ان میں راہ و رسم تعزیت و تہنیت ہو تو میر احمد حسین کو خط لکھو"۔ اسی طرح سے میر مہدی کے خطوں میں متعدد جگہ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک جگہ انکو لکھتے ہیں "ہار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے اس چرخ کج رفتار کا برا ہو ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے ایک گوشہ و توشہ تھا چند مفلس بیٹھا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے ؎

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک   اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یاد رہے یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے سو صاحب اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں"۔

اگرچہ میر احمد حسین کے نام دو ہی رقعے ملتے ہیں مگر خلوص و محبت کا ایک
[illegible]

"یہاں عجب اتفاق ہے نہ میں تمھارے دیکھنے کو آسکتا ہوں نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنجہ فرما سکتے ہو قدم رنجہ کہاں سے کروں سراپا رنجہ ہو۔ لاحول ولا قوۃ تعطیل کے دن کیا ناخوش گزرے۔ یوسف مرزا سے میر سرفراز حسین سے تمھارا حال سن لیتا ہوں اور رنج کھاتا ہوں۔ خدا تمھارے حال پر رحم کرے اور تم کو شفا دے خواہش یہ ہے کہ ناتوانی کا عذر نہ کرو اور اپنا حال اپنے ہاتھ سے لکھو۔

بیکش مرزا کے ہم صحبتوں اور حاضر باشوں میں تھے شعر و شاعری سے خاص تعلق رکھتے تھے مگر افسوس کہ اب نمونہ کلام کے لئے ایک شعر کے سوا کچھ نہیں ملتا ہے

گفتمش دی بالکہ میرفتی خراماں سوئے باغ گفت بیکش بودہ باشد کاں گرفتار من است

نساخ۔ ابو محمد عبد الغفور

عبد الغفور نام نساخ تخلص ابو محمد کنیت تھی قاضی فقیر محمد مصنف جامع التواریخ وکیل عدالت عالیہ صدر دیوانی کلکتہ کے خلف الرشید زیدی النسب تھے۔ اصل سکونت ضلع فرید پور بنگال کی تھی تعلقات معیشت کی وجہ سے ان کے والد کلکتہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ اور خود ضلع راج شاہی میں ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹر تھے حکام رس، ہر دلعزیز۔ جو ہر قابل مشہور و معروف افراد میں شمار ہوتے اور اپنے امثال و اقران میں ممتاز و معزز خیال کئے جاتے تھے۔ اردو فارسی عربی تینوں زبانوں میں بہت کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ نظم و نثر کی طرف ابتدائے عمر سے توجہ تھی جیسا کہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ "ہنوز باغچہ عمر میں نسیم شعور کی آمد آمد اور فرش سبزۂ رشاد فضائے سن و سال میں ممتد بھی نہ تھا کہ سر میں سودائے گلرو یان مضامین پیدا ہوا۔ دل غنچہ لبان معانی کا شیدا ہوا کلام اساتذہ کا شوق

[illegible]

گزرنے سے عرصۂ قلیل میں تذکرہ ہائے کثیر دیکھے " نہایت زبردست نقاد اور عروض قافیہ سے باخبر تھے محض شعرا سے ملنے کے لئے دلی اور لکھنؤ گئے اور اساتذۂ وقت کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اسی ولولہ و شوق کثرت اشتغال بارہ برس کی محنت شاقہ کے بعد تذکرۂ "سخن شعرا" تمام کیا تنقید کلام اور سخن سنجی کی داد دیگئی ہے اور مرزا نے کہا ہے کہ اسی دوران میں قطعات شعرا کا ایک تذکرہ موسوم بہ "قطعۂ منتخب" تحریر کیا۔ اسی طرح موسوم بہ "زبان ریختہ" ۱۲۷۶ھ میں لکھا تھا نیز ایک رسالہ لکھا کہ جس میں مرحوم کی مراثی پر بہت سے شاعرانہ اعتراضات کئے ہیں مگر افسوس کہ وہ ملتا دیوان دفتر بیمثال کے نام سے ۱۲۶۹ھ میں شائع کرایا اور اسکے بعد دیوان شائع ہوا پہلا دیوان مرزا کے پاس بھی ہدیۃً بھیجا گیا تھا جس جواب میں مرزا لکھتے ہیں " دفتر بیمثال کو عطیۂ کبریٰ اور موہبت عظمیٰ سمجھ کر کا احسان مانا پہلے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے ا کو قابل خطاب اور لائق کتاب جانا میں ودیع کو نہیں۔ خوشامد میرا دیوان فیض عنوان اسم بامسمیٰ ہے دفتر بیمثال اس کا نام سچا ہے الفاظ معانی بلند مضامین عمدہ۔ بندش دلپسند ہم فقیر لوگ اعلان کلمۃ الحق میں گستاخ ہیں شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے آپ ان سے بڑھ کر بصیغہ مبالغہ نسخ فرمانے والے ہیں۔ تم دانائے رموز اردو ہو سرمایۂ نازش قلمرو ہندوستان ہو خاکسار نے ابتدائے سن تمیز میں اردو میں سخن سرائی کی ہے پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم و نثر فارسی کا عاشق و مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں جہاں تک زور چل سکا فارسی

ورسخن ... ت کچھ بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر نہ اردو کا ذکر، نہ دنیا میں توقع نہ عقبیٰ کی امید میں ہوں
... کے کچھ اندوہ ناکامی جاوید جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں ؎

... ہم کشودہ اند بکردارہائے من
زائندہ ناامیدم واز رفتہ شرمسار

... ہیں ہا ...
... اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا۔ ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو
... کا رسالے نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے اب اور کیا کہوں گا۔ مدح کا صلہ
... غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی اپنے بقول طالب آملی ؎

لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد (الخ)

... عہ طویل ہے اسواسطے بقیہ عبارت سے قطع نظر کی۔ اس رقعہ کی نسبت مرزا
... اص طور پر لکھا تھا کہ اسے میری عبارت نثر میں شامل کر دیا جائے مرزا یہ خط
... متمنی ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی مراسلت کا سلسلہ جاری رہے مگر افسوس کہ مجموعہ
... یں ان کے نام مرزا کا اور کوئی دوسرا خط نہیں پایا جاتا بہت ممکن ہے کہ یہ سلسلہ
... کے ساتھ اختتام کو پہنچ گیا ہو نمونۂ کلام ؎

... حال گرمی حسن شباب کا — ہے دوپہر کو گرم مزاج آفتاب کا
... ہے اشارہ نہیں مزا لطف بیاں کا — لیتا ہے وہ نوک مژہ سے کام زباں کا
... ت ساقی میں ہے کیفیت نئی — ایک سی تاثیر ہاں ہوتی نہیں ہے ہر شراب
... رتے ہیں جن کا نہیں شمار — تنگ آ گئے ہیں کاتب اعمال دوش پر
... کو مرے دل کے دیکھئے — دیکھا نہ ہو اگر گہر آبدار سبز
... یں ہو کر بڑھ گئے غمہائے دل — حیف دل افسوس دل واحسرتا دل ہائے دل
... یں پڑے نساخ کھل گیا — کوئی نہیں ہے جان کا دشمن سوائے دل

امید وصل و بیم ہجر میں بس دن گزرتے ہیں
عجب کچھ زیست ہے اپنی نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

مجھے تو جواب صاف سے ہیں کاسۂ سوال — اس عہد کے بخیل بھی حاتم سے کم نہیں
ہے وصل میں وہ زلف گرہ گیر گلے میں — اب طوق گلے میں ہے نہ زنجیر گلے میں

وہ میرے عشق صادق کے اثر سے میرا مفتوں ہے
جو مجنوں تھا وہ لیلیٰ ہے جو لیلیٰ تھا وہ مجنوں ہے

پیا اعتماد رہا ان کی بے وفائی پر — کہ وہ عدو سے ملے اور میں بدگماں نہ ہوا
نعش پر بے پردہ آئے اور سب دیکھا کیے — ہائے جینے سے بھی بدتر اپنا مرنا ہو گیا
ہو گیا دشمن جو کی اس پر محبت کی نگاہ — دیدۂ الفت مگر چشم عداوت ہو گیا
وہ دن فلک ستمگر جب حسب مدعا تھا — آہوں میں بھی اثر تھا نالہ بھی تب رسا تھا

ستم ڈھانے کو میرے پاس بیتابانہ آتے ہیں
کمند گردن خوباں ہے ہر نقش قدم میرا

اک شمع دل کیا اور لگا دو اے نصیب — دشمن بھی رات میری طرح بیقرار تھا

وفا، نواب میر ابراہیم علیخاں

میر ابراہیم علیخاں نام تھا۔ وفا تخلص کرتے تھے۔ سورت کے رئیس تھے۔ [illegible] اکتوبر [illegible] کو جب مرزا نواب کلب علیخاں مرحوم فرمانروائے رامپور [illegible] جشن مسند نشینی میں شرکت کے لئے روانہ ہو کر [illegible] جشن مسند نشینی دہلی واپس آئے تو ایک خط سید احمد حسن [illegible] کا [illegible] میر غلام بابا خاں کا خط سفارشی رکھا ہوا تھا اور تحریر تھا کہ نواب میر